

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

○

# امداد الاخكام

امداد الفتاویٰ کا تکملہ جو ۳۴ جلد کے بعد کے تقریباً سواد و ہزار  
فتاویٰ پر مشتمل ہے،

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاعق عثمانیؒ ① حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صابوگتھویؒ

زیر نگرانی و رہنمائی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبہا تھانویؒ قدس سرہ

جلد اول

ناشر

زکریا بک ڈپو دیوبند ضلع سہارنپور



# فہرست مضامین امداد الاحکام جلد اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳	ردائل	۲۳	دیباچہ طبع اول
۲۶	تصوف اور علم تصوف کی اصلاحی تعریف	۲۵	دیباچہ طبع دوم
۲۷	فقہ کی طرح علم تصوف کا بھی ایک حصہ فرض	۲۷	مقدمہ
۲۷	عین اور پورا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے	۲۷	فقہ کے لغوی معنی
۲۸	صوفی و مرشد	۲۷	فقہ کے قدیم اصطلاحی معنی
۲۸	بیعت سنت ہے فرض و واجب نہیں۔	۲۸	دینی احکام کی قسمیں
۲۸	کشف و کرامات مقصود نہیں	۲۸	قرآن و سنت میں ان سب قسموں کا بیان
۲۹	مقصود صرف اتباع شریعت اور اللہ کی رضا	۲۹	فقہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک
۵۲	آمد بر سر مطلب	۳۰	فقہ حضرت حسن بصری کے نزدیک
۵۲	احکام شرعیہ کے دلائل	۳۰	مسائل کی کثرت اور مباحث کا پھیلاؤ
۵۲	پہلا ماخذ قرآن حکیم	۳۱	ترتیب و تدوین
۵۲	وحی کی دو قسمیں	۳۱	دینی احکام کی تقسیم تین الگ الگ فنون
۵۲	تواتر - دوسرا ماخذ سنت	۳۱	کی حیثیت۔
۵۵	سنت کو خود قرآن نے حجت قرار دیا ہے	۳۲	علم کلام، فقہ، تصوف
۵۶	آثار صحابہ کی فقہی حیثیت	۳۲	فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف
۵۸	قرآن و سنت کے درمیان درجہ کا تفاوت	۳۲	تشریح : ظاہری اعمال
۵۸	ظن غالب کی حقیقت اور اس کا درجہ	۳۳	احکام شرعیہ کا علم تفصیلی دلائل
۵۸	دلیل قطعی اور دلیل ظنی کے فرق کا اثر احکام پر	۳۵	تعریف و تشریح کا حاصل
۵۹	فقہ کا تیسرا ماخذ اجماع	۳۶	فقہ کا موضوع
۶۰	اجماع کو خود قرآن و سنت نے حجت قرار دیا ہے	۳۶	قدیم اصطلاحی فقہ کا موضوع
۶۰	اس سلسلہ میں چند آیات قرآنیہ	۳۷	تفہیم فی الدین فرض کفایہ ہے
۶۴	چند احادیث	۳۸	تصوف کی حقیقت
۷۷	الجماعۃ اور مواد اعظم سے کیا مراد ہے	۴۱	فضائل

نام کتاب :- امداد الاحکام جلد اول

تالیف :- حضرت مولانا طفسر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

تبویب :- مولانا محمود اشرف عثمانی مولانا رفیع اللہ عثمانی

ترتیب و مقدمہ :- مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب صدر دارالعلوم کراچی

زیر ہدایت :- ذوالفقار علی

ناشر :- زکریا بک ڈپو دیوبند، سکس ہارنپور

فون نمبر :- ۲۳۲۲۳ - ۱۳۳۶

فیکس :- ۲۲۹۲۲ - ۱۳۳۶

طباعت :- اشرفی آفسیٹ پریس دیوبند



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۸	رسائلہ الادراک فی اقسام الاشراک	۸۰	حجیت اجماع پر چند آثار صحابہ
۱۲۳	تمتہ الرسالۃ المساء بنہایۃ الادراک فی اقسام الاشراک	۸۲	اجماع کا فائدہ اور سند اجماع
۱۳۲	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جیسا بشر سمجھنے کا حکم	۸۳	چند مثالیں
۱۳۳	احکام شرعیہ سے استہزاء کفر ہے	۸۵	اجماع کن لوگوں کا معتبر ہے
۱۳۴	تاریک نماز کا کفر ہے یا نہیں؟	۸۷	جاہل، فاسق اور اہل بدعت کے اختلاف سے اجماع باطل نہیں ہوتا
۱۳۵	حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانا تو تسل بالاموات کے لئے مانع نہیں ہے	۹۱	اجماع کی قسمیں
۱۳۶	توحید کے معنی اور موحّد کی تعریف	۹۲	اجماع کے مراتب
۱۳۷	حکم عدم اعتقاد خلودِ نار برائے کفار		
۱۳۸	ثبوت شفاعت اولیاء اللہ		
۱۳۹	تحقیق عرص ... اعمال علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم		
۱۴۰	کیا تجلیل کی بخشش نہیں ہوگی؟		
۱۴۱	روزِ محشر صاحبِ حق کے معاصرین سے سزا ہوگی یا نہیں؟		
۱۴۲	کسی جگہ میں غیبت کا اعتقاد رکھنا جائز ہے یا نہیں؟		
۱۴۳	اپنے والد کے لئے استغفار کرنے کا عقیدہ		
۱۴۴	شہر کے جواب میں عورت کا نماز پڑھنے سے انکار کرنا		
۱۴۵	عورت کا بطور عادت کے نماز کو روک دینا اور بھار دینا		
۱۴۶	مار دینے کا حکم		
۱۴۷	لا الہ الا اللہ کہے دم نکل جائے تو کافر مرنے کا یا مسلم؟		
۱۴۸	نماز سے تمسخر اور استخفاف کفر ہے		
۱۴۹	دنوبی معاملات میں عالم سے لڑائی اور اس کو سب و شتم کرنا		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۰	تعریہ بنانے اور اس کو مسجد میں رکھنے کا حکم	۱۴۵	یہ الفاظ کہہ اگر کوئی اس کی خدمت کرتا تو نہ مرنے پہنچ جاتی "موجب کفر وارادہ نہیں
۱۸۱	حیلۃ اسقاط کا حکم اور اس کی دوسری صحیح صورت	۱۴۶	میں اپنا مذہب تبدیل کر لوں گی
۱۸۲	غیر نبی پر درود کا حکم	۱۴۷	اس شخص کا حکم جو یہ کہے کہ میں فتویٰ پر پیشاب کرتا ہوں
۱۸۳	قبر اور جنازہ پر تخفیف عذاب کیلئے پھول ڈالنے کا حکم	۱۴۸	حکم بعض الفاظ کفریہ
۱۸۴	تعریہ سازی اور اس پر نذر و منت ماننے کا حکم	۱۵۰	فصل فی الفرق الباطلہ
۱۸۵	مجلس مولود مسجد میں منع کرنا	۱۵۱	قادیانی کی توبہ اور اس کی وراثت کا حکم
۱۸۶	قبروں کے گرد چار دیواری بنانا کیسا ہے؟	۱۵۲	ازالہ الادہام عن ختم النبوة والرسالة ومعنی الوحی والالہام
۱۸۷	نماز عیدین کے بعد مصافحہ بدعت ہے	۱۵۳	فرق قادیانیہ کے اقوال کی تردید
۱۸۸	آنحضرتؐ کا نام بیکرا انگڑے چومنا	۱۵۴	مرزا غلام احمد قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیاء موتی کا کیونکر منکر تھا؟
۱۸۹	میت کے گھر کا کھانا کتنے عرصہ تک نہیں کھانا چاہی؟	۱۵۵	فصل فی الفرق الاسلامیۃ
۱۹۰	طعام میت کے متعلق ایک سوال کا جواب	۱۵۶	جماعت اہل حدیث کا حکم
۱۹۱	فاتحہ خوانی کا مسنون طریقہ	۱۵۷	اہل سنت والجماعت کی تعریف
۱۹۲	طرہ نوم کیلئے درود شریف پڑھنا پڑھوانا	۱۵۸	غیر مقلدین کی مذمت کا حکم
۱۹۳	نماز جنازہ کے بعد دعا بدعت ہے	۱۵۹	کتاب التقلید والاجتہاد
۱۹۴	نماز کے بعد مصافحہ کی کراہیت کی دلیل	۱۶۰	بغزوہ بدر و سر امام کی تقلید جائز ہے یا نہیں؟
۱۹۵	تہنیز و تکفین قبل گھٹلیوں پر کلمہ طیبہ پڑھوانا	۱۶۱	جو شخص مجاہدہ تزیج مجھے کی لیاقت نہ رکھتا ہو
۱۹۶	موتے مبارک نبویؐ کی زیارت کا مشروع طریقہ	۱۶۲	اس کیلئے کسی ایسے جزئیہ میں ایک لہلہ پڑھنا عمل کرنا
۱۹۷	مشکل بر بدعا و افعال شرکیہ ایک عمل	۱۶۳	کتاب السنۃ والبدعۃ
۱۹۸	قبروں پر چڑھنا اور چڑھانا اور اس کے لینے کا حکم	۱۶۴	سنن و نفوس کے بعد امام اور مقتدیوں کا بالالترام دعا پڑھنا کرنا
۱۹۹	دو لٹھا کا نکاح کے بعد اور مولود خواں کا مناجات	۱۶۵	
۲۰۰	کے بعد مجلس کو سلام کرنا بدعت ہے	۱۶۶	
۲۰۱	غلاف کعبہ اور پرکار و مال قبر میں رکھنا	۱۶۷	
۲۰۲	حکم چہلم بطریق خاص	۱۶۸	
۲۰۳	ایضہ ایضہ ایضہ	۱۶۹	
۲۰۴	طریقۃ ایصال ثواب	۱۷۰	
۲۰۵	گھر پر اور قبرستان میں جا کر قرآن مجید پڑھکر	۱۷۱	
۲۰۶	ایصال ثواب میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟	۱۷۲	
۲۰۷	دفن میت کے بعد قبرستان میں اقارب میت کا لوگوں کو دعوت دینا	۱۷۳	



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰۷	تلقین میت کے لئے ایک سوال	۲۰۷	قرآن مجید کو لیٹ کر پڑھنا،
۲۱۲	مولود خوانی ختم خوانی وغیرہ کو ذریعہ معاش بنانا	۲۱۲	قرآن مجید غلط پڑھنے، اوقات نہ کرنے اور نماز
۲۱۳	موتے مبارک کی زیارت کے واسطے زیارت گاہیں بنانا اور اس کیلئے ایام مخصوص کرنا،	۲۱۳	اور خارج نماز قرأت شاذہ پڑھنے کا حکم،
۲۱۳	بیخبری سے محفل میلاد میں جانیئے بعد بلا شرکت اٹھ جانے پر فساد کا خوف ہو تو کیا حکم ہے؟	۲۳۲	قرآن مجید کی کتابت میں خط عثمانی کا واجب ہونا اور ترجمہ قرآن کو علیحدہ چھاپنے کا حکم،
۲۱۳	کتاب العلم	۲۳۰	خط ناگرمی میں فسران مجید لکھنے کا حکم،
۲۱۳	فصل فی المتفرقات	۲۳۱	تاجر کتب کیلئے بلا وضو قرآن مجید چھونا،
۲۱۳	اگر کلاس کے لڑکوں نے سبق یاد نہ کیا ہو تو کیا آگے پڑھا سکتا ہے؟	۲۳۲	بیت اجتماع سے تلاوت قرآن کا حکم،
۲۱۳	عموم بلوی کے معنی،	۲۳۳	غلط قرآن پڑھنے والے کیلئے تلاوت اولیٰ ہی یا ترک؟
۲۱۳	کشف الغطاء عن کتابة النساء	۲۳۳	قرآن حدیث و اسم الہی دوسری زبانوں میں تحریر ہوں تو وہ بھی واجب لتعظیم ہیں؟
۲۱۳	متعلق تعلیم کتابت نسوان	۲۳۳	تعلیم کی وقت معلوم کا اپنی جگہ اور متعلین کا اپنی جگہ بیٹھنا،
۲۱۵	لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق ایک فتویٰ،	۲۳۳	ایصال ثواب کیلئے تلاوت قرآن پر اجرت لینا،
۲۱۶	جابل کو وعظ کہنا جائز نہیں،	۲۳۵	قرآن مجید کے شفا پر جسمانی ہونے پر شبہ کا جواب
۲۱۷	حدیث طلب العلم فریضہ کے متعلق چند سوالات	۲۳۶	انیس اور عظیم کی ایک روایت متعلق فضل عنکبوت
۲۱۷	فصل فی تعظیم العلم والعلما واداء البستوی	۲۳۶	قرآن مجید اور رد و شریف میں پڑھنا بھی باطل ثواب ہے
۲۲۲	علوم دینیہ کی تعلیم و تحصیل کی ضرورت اور اس پر اہل دنیا کے اعتراضات کا جواب،	۲۳۷	چار یابی کے نیچے کس میں قرآن مجید بند ہو چار پائی پر لیٹنا جائز ہے یا نہیں؟
۲۲۶	علماء کے خنلات کی صورت میں علوم کو کیا کرنا چاہئے؟	۲۳۸	حائل شریف جیب میں رکھ کر پیشاب وغیرہ کرنا،
۲۲۷	علم، پیر اور استاد کے ہاتھ پیر جوڑنے کا حکم،	۲۳۸	چند اموات کو ایصال ثواب میں شریک کرنے سے ثواب پورا ملے گا یا تقسیم ہو کر؟
۲۲۹	فصل فی تعلیم القرآن تلاوتہ و متعلقاتہ	۲۳۹	بوسید قرآن مجید کو دفن کرنا چاہئے یا جلا نا صحیح نہیں؟
۲۲۹	قرآن مجید کا منظم ترجمہ کرنا کیسا ہے؟	۲۵۰	گراؤ فون باجہ میں فسران مجید سننا،
۲۳۰	بوسید قرآن مجید اور دینی کتب کو دفن کرنا چاہئے یا جلا نا صحیح نہیں؟	۲۵۰	دستانے پہن کر بلا وضو قرآن پاب چھونا،
۲۳۰		۲۵۵	سورۃ برآۃ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم
۲۳۰		۲۵۶	ملاطافہ کناہ کو ملاطافہ کناہیم پڑھنے کا حکم
۲۳۰		۲۵۶	اجراء قواعد و درجہ تفصیل اسقاط ہمزہ متحرکہ در قرآن
۲۳۰		۲۵۶	خلاف قرأت حفص درست یا نہ؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵۶	تحقیق حدیث کنت کثر الخفین،	۲۵۶	لقد جاءکم میں ادغام واجب ہی یا نہیں؟
۲۵۷	حدیث أجمعہ علی من سمع الیقار و أجمعہ علی من آوہ اللیل کی تحقیق،	۲۵۷	مکرر سوال متعلق سوال مذکور
۲۵۸	تحقیق معنی حدیث الإسلام یمیدم ما کان قبلہ حدیث من فسر القرآن برأیہ کی تحقیق،	۲۵۸	تشذیف التبع بمعنی الاحرف السبع و تکمیل الوقوف فی تفصیل سبعہ حروف،
۲۵۸	عوارف المعارف کی ایک حدیث کیمتعلق سہفتا۔	۲۵۸	ہر ہر آیت پر وقت کرنا،
۲۵۸	آیت فتلقی آدم من ربہ کلّی فتک علیہ سے متعلق ایک روایت کی تحقیق،	۲۵۸	کتاب التفسیر
۲۵۸	کتاب التصوف	۲۵۸	تحقیق معنی آیت فابعثوا حکماء من اہلہ و حکماء من اہلہا، الآیہ،
۲۵۹	الحب فی اللہ کی حقیقت اور اس کی علامت	۲۵۸	الجواب الملقب بملیۃ الامم فی ولایۃ الحکم
۲۵۹	فاسق پر طریقت نہیں ہو سکتا،	۲۵۸	تحقیق معنی اہل بمعنی مخ فی آیۃ الوضوء،
۲۵۹	مسئلہ سلوک،	۲۵۸	آیت ولتکون آیۃ من خلفک کی تفسیر پر ایک شبہ کا جواب،
۲۵۹	وہی طاقت زیادہ مفید ہے یا مشدّد شرعیہ تعلیم کرے	۲۵۸	کتاب متعلق بالحديث و السنة
۲۵۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو خرقہ دینا ثابت ہے؟ نیز اصطلاح صوفیہ میں اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟	۲۵۸	سرخاب اور گائے کا گوشت کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟
۲۵۹	نسبت مصالحت کی حقیقت،	۲۵۸	لقد ہدیہ لینے کا احادیث سے ثبوت،
۲۵۹	نسبت تلقین کی حقیقت،	۲۵۸	من تشبہ بقوم فہو منهم کی تشریح،
۲۵۹	کتاب الذکر والدعاء و التوہدات	۲۵۸	حیوان کے اجزاء سبعہ کی حرمت کا حدیث سے ثبوت
۲۵۹	کھڑی ہو کر ذکر کرنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟	۲۵۸	میت کے سر ہانے قل ہو اللہ پر مکرر ڈھیلے رکھنے کے سلسلہ میں ایک حدیث کی تحقیق،
۲۵۹	دتر کی نماز کے بعد سبحان المبتک لقد دوس کتنی مرتبہ کہنا چاہئے؟	۲۵۸	حدیث الزاق المنکب بالمنکب و الزاق الکعب بالکعب کے معنی کی تحقیق،
۲۵۹	فرض نمازوں کے بعد با واز بلند تکبیر کہنے کا حکم اور اس کی تحقیق،	۲۵۸	حدیث کان الیقینی صلی اللہ علیہ وسلم یزود الشہداء باحد کل خول الخ کی تحقیق،
۲۵۹	فرض نمازوں کے بعد اللہم انتہ السلام الیہ پڑھنا	۲۵۸	رفع یدین متعلق الوداد کی ایک حدیث کی تحقیق
۲۵۹		۲۵۸	توشیح ابو بکرہ شیخ طحاوی،



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳۲	بذریعہ عمل محبوب کو سرگرداں مطیع بنانا،	۳۱۵	فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا
۳۳۴	فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۳۱۶	صلوۃ خمسہ کے بعد کربا بھر کا الزام درست یا نہیں؟
"	حکم بعض عملیات،	"	جس درمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور
۳۳۵	ذکر اسم ذات میں اگر "اے رہ جائے تو کوئی	"	ذاتی کہا گیا ہو اس پر ہونا جائز ہی یا نہیں؟
"	حرج ہے یا نہیں؟	۳۱۷	بلا وضو فاتحہ خوانی اور قبروں پر ہاتھ اٹھا کر دعا
۳۳۶	نماز نظر مغرب اور عشاء کے فرض کے بعد کس قدر	"	مانگنے کا حکم،
"	دعا مانگنی چاہئے؟	۳۱۸	بغرض ایقانہ نہیں باور بلند در پڑھانے کا حکم،
"	میت کو عباد بدنیہ کا ثواب بخش سکتے ہیں؟	۳۱۹	ملفوظ تعویذ کو پاخانہ وغیرہ میں ساتھ لیجانا،
"	تبلیغ اسلام کا کام افضل ہے یا دنیا کا شغل کھانا	"	کافر کو تعویذ دینا کیسا ہے؟
"	رقیہ بالقرآن اور اس پر اجرت لینے کا حکم،	۳۲۰	تحقیق ذکر یا بھر
۳۳۷	کتاب سیر والمناقب	۳۲۱	الزہد و اتہام کیساتھ نماز کے بعد کربا بھر جہت ہی
"	حضرت مولانا بھیل شہید کا حال،	۳۲۲	جو شخص جماعت نماز پڑھ کر بلا دعا مانگے
"	کیا واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا؟	"	چلا جائے تو کیا حکم ہے؟
۳۳۸	کھجور کے عومض حضرت علیؑ کا سقی مار کی اجرت	"	اسم ذات کی قرأت کی تحقیق،
"	کرنے کے قصہ کی تحقیق،	۳۲۳	اذان خطبہ جمعہ کے بعد دعا مکر وہ ہے،
۳۳۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہونی کی تحقیق،	۳۲۴	دفع طاعون کیلئے "بی خمسہ" اٹھنی پہنا کر
۳۴۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا بعد	"	پڑھنا یا بطور تعویذ کھانا جائز ہے یا نہیں؟
۳۴۱	وفات زندہ ہو کر مسلمان ہونے کی تحقیق،	۳۲۵	قرآن مجید کے شفاء جسمانی پھر شفاء کا جواب،
"	ایض ایض ایض ایض ایض	۳۲۶	حرمت مصار و توجہ بنگال برائے دفع و بار غیر
"	مسئلات انبیاء علیہم السلام	"	کیا فرائض کے بعد استغفار ممنوع ہے؟
۳۴۲	ایک صحابی کے ہر نبوتہ جھونے کے واقعہ کی تحقیق	۳۲۷	رفع اشکال بر جواب مذکور
۳۴۳	کتاب الطہارۃ	۳۲۸	فرائض و عیدین کے بعد کس قدر طویل دعا
"	فصل فی فرائض الوضوء	"	مانگنی چاہئے؟
"	چہرے کی حد کہاں سے کہاں تک ہے؟	۳۲۹	فرض نمازوں کے بعد مقدم راس پر ہاتھ
"	وضو میں چہرے کی حد کہاں سے کہاں تک ہے؟	"	رکھ کر پڑھی جانے والی دعا کونسی ہے؟
۳۴۴	گھنی ڈاڑھی دھونے کا حکم،	"	آیات قرآنی اور ادعیہ ماثورہ سے تعویذ
۳۴۵		"	اور گنڈے کرنا،
		۳۳۰	رقیہ بالقرآن اور اس پر اجرت کا حکم،

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۴۵	دوا اگر اس طرح چمٹ جائے کہ چھڑا نا	۳۴۵	عورت انڈام ہنانی میں بشہوت یا بغیر شہوت
"	مشکل ہو تو عضو کس طرح دھویا جائے؟	"	انگلی داخل کرنے کا حکم،
۳۴۶	ناپاک و ازخیم پر لگانے کے بعد اس پر مسح کا حکم،	۳۴۶	غسل جمعہ کے بجائے معذور یا غیر معذور تیمم
"	فصل فی سنن الوضوء آدابہ مکروہاتہ	"	کر لے تو مؤذی یا ستہ ہو گیا یا نہیں؟
۳۴۷	وضو میں بات چیت کرنا، اور کسی شخص کی	۳۴۷	غسل کے لئے نیت شرط نہیں ہے،
"	بات کا جواب دینا کیسا ہے؟	"	فصل فی المحض فی التقایں الاستحاضۃ
۳۴۸	وضو میں ایک ہاتھ سے منہ دھونا اور مسح کرنا	۳۴۸	حالت حیض میں جماع کرنا حرام ہے،
"	فصل فی لوا فیض الوضوء	"	دم نفاس اگر چالیس روز سے بڑھ جائے؟
"	براسیر کے مسوں پر تیل لگاتے ہوئے تراشگی	۳۴۹	عدم جواز مسن بین السرة والركبة بدون
"	اندر داخل کر لینا،	"	حائل در حالت حیض،
۳۴۹	استنجہ کے بعد قطرہ کا شہہ ہونا،	۳۵۰	ولادت سے قبل خروج ماہ کا حکم،
۳۵۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلت کی طہارت	"	اکثر ذب نفاس گزرنے کے بعد فرج سے پانی
"	اور آپ کے حق میں انکے ناقص وضو ہونی کی تحقیق	"	نکلے تو یہ نفاس شمار ہو گیا یا نہیں؟
۳۵۱	شفاء الاسقام فی احکام الزکام،	"	مسئلہ نفاس
"	زکام میں رطوبات سائلہ کی طہارت اور	۳۵۲	مسئلہ نفاس کی ایک صورت،
"	ناقض الوضوء نہ ہونے کی تحقیق،	"	جس عورت کو ایام حیض کے عدد اور تاریخ
۳۵۲	تتمۃ الکلام،	"	دونوں یا تاریخ یاد نہ ہو تو اس کا حکم،
۳۵۳	درمیان نماز قطرہ آجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا،	۳۵۳	جس عورت کے ایام حیض پانچ دن ہوں اگر
"	گالی اور فحش گوئی سے وضو نہیں ٹوٹتا،	۳۵۴	اس کے بعد بھی خون آنے لگے تو یہ حیض ہی یا استحاضہ
"	بچہ کو دودھ پلانے سے وضو نہیں ٹوٹتا،	"	فصل فی احکام المعذور
"	عورت پر نظر پڑ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا،	"	معذور کی ایک صورت کا حکم
۳۵۴	فصل فی الغسل و منہ سننہ آدابہ	"	معذور کی نماز کا حکم، اور کپڑوں کے پاک کرنا کا طریقہ
"	غسل کے وقت کھوکھلے دانت میں پانی پہنچانا	"	معذور کے وضو کی ایک صورت کا حکم،
"	فرض ہے یا نہیں؟	۳۵۵	حکم نماز برائے معذور یا از قہر یا سب بدن
۳۵۵	عورت کا فرج میں وار کھنا موجب غسل ہی یا نہیں؟	"	حکم استنجاء وضو میں ریشہ ریشہ جو وضو دار
		"	استنجہ پر قادر نہ ہو،



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ طبع اول

اُمْدَادُ الْاَحْکَامِ جو اس صدی کا عظیم فقہی کارنامہ ہے، اس کے مقدمہ میں دو چیزیں بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، ایک فقہ کے متعلق ضروری معلومات، مثلاً فقہ اہل اس کے مآخذ کا تعارف، فقہی مسائل میں عہد صحابہؓ سے اب تک اختلافات کے وجوہ و اسباب، ائمہ اربعہ کے مذاہب کی بنیادی خصوصیات، تقلید اجتہاد کی حدود، اختلافی مسائل میں علماء اہل فتویٰ کس طرح کسی قول کو اختیار کریں، اور موجودہ علماء کے فتاویٰ مختلف ہو جائیں تو عوام کیا صورت اختیار کریں، فتویٰ طلب کرنے والوں کو کن آداب کا لحاظ ضروری ہے اور فتویٰ دینے کے آداب اور اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اور دوسری چیز کتاب امداد الاحکام کا تعارف اور اس کے مؤلفین کے مختصر حالات زندگی۔

اول الذکر مباحث کو والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ "امداد الفتاویٰ" کے مقدمہ میں بیان فرمایا چاہتے تھے، مگر موقع نہ مل سکا، جب زیر نظر کتاب "امداد الاحکام" کی جلد اول طباعت کے مراحل میں پہنچی، اور اس پر مقدمہ لکھنے کی ضرورت سامنے آئی تو حضرت والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ محقر نے علمی کم مائیگی اور دارالعلوم کراچی کی ہمہ وقتی مصروفیات کے باوجود بنام خدا تعالیٰ مقدمہ لکھنے کا ارادہ کیا، اور بے اختیار دل چاہا کہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۸۸	فصل فی المسح علی الخفین	۳۷۶	فصل فی احکام المیاء
"	کرمج کے موزہ پر مسح درست ہے؟	"	کنوس میں مینگنی گرجانے کا حکم
"	مسح علی الخفین	"	ایک بڑے حوض سے چھوٹا حوض نکالا جاگا تو کیا چھوٹے حوض سے وضو کرنا جائز ہے؟
۳۹۳	فصل فی النجاسة احکام النظمیر	۳۷۸	گوبر لگا ہوا کپڑا اگر کنوس میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟
"	جس کپڑے کے ایک حصہ پر نجاست لگی ہو تو اس کا بقیہ حصہ پاک ہے،	"	کنوس کو پاک کر نیکی ایک صورت،
۳۹۴	بھٹل کے چھوٹے کا حکم،	۳۷۹	کنوس میں مرغی کا بچہ گر کر زندہ نکالا گیا تو تو کنوس پاک ہے یا ناپاک؟
"	ناپاک تہمند باندھ کر غسل کرنا،	"	ہل یأمر الوضوء حرمة فی الشرع؟
"	نشاستہ گندم میں کتانہ ڈال دی تو اسکی طہارت	۳۸۰	حکم آب تالاب
۳۹۵	نجاست غیر مرئیہ دھونے کا طریقہ،	"	کنوس میں جب تک ناپاک کا گرنا متیقن نہ ہو اسے پاک سمجھا جائے گا،
"	طہارت بدن میں انقطاع تقاطع شرط نہیں،	۳۸۱	ناپاک کنوس کا پانی جس برتن اور جگہ پر گرے اس کا پاک کرنا ضروری ہے،
۳۹۶	طریقہ طہارت کپڑا،	"	کنوس میں چھوٹی یا بڑی چھپکلی گرنے کا حکم،
۳۹۷	پانی سے بھرا ہوا مٹی کا برتن ناپاک زمین پر رکھا ہے تو پانی اور برتن ناپاک ہونگے یا نہیں؟	۳۸۲	ایسے کتے کو رستی سے باندھ کر کنوس میں دیکھا نا جس کے جسم پر نجاست نہ ہو،
۳۹۸	گھوڑے کا پسینہ پاک ہے،	"	کنوس میں پیشاب پاخانہ گرجانے کا حکم،
"	چمکا ڈر کی بیٹ پاک ہے یا نجس؟	"	چھوٹے برتن میں پانی کے اندر ہاتھ یا انگلی ڈوب جا تو یہ پانی مستعمل کہلائیگا یا نہیں؟
۳۹۹	بندو کی بنائی ہوئی صفوں پر بچہ دھوے ناز پڑھنا؟	۳۸۶	فصل فی التیمم
"	بیل وغیرہ غلہ گاہنے میں پیشاب کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟	"	تیمم میں کم از کم کتنا بڑا ڈھیلا ہونا چاہیے؟
۴۰۰	دودھ نکالتے وقت تین مینگنی کے برابر چوڑا بھینس کے بدن سے دودھ میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟	"	اور کلورخ تیمم سے استنجاء کا حکم،
"	صرف پانی سے استنجاء کرنا،	۳۸۷	حکم تیمم برائے محافظ کلمہ در بیا باں



فقہ کے متعلق جن مباحث کی ضرورت والد ماجدؒ کے پیش نظر تھی وہ بھی اس مقدمہ میں اپنی بساط کے مطابق بیان کر دیئے جائیں، تاکہ بہت سے باذوق حضرات جو فقہ کی طرف نئے نئے متوجہ ہو رہے ہیں اور اس فن کے متعلق ابتدائی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو سہولت ہو۔

ناچیز راقم الحروف نے بنام خدا تعالیٰ ان مباحث کو لکھنا شروع کیا، مگر اختصار کی پوری کوشش کے باوجود فقہ اور اسکے مآخذ ہی کے تعارف میں اجماع کے بیان تک تقریباً ستر صفحات ہو گئے اور اندازہ یہ ہوا کہ باقی مباحث کی تکمیل تک صفحات دو تو صفحات تک جا پہنچے گی اور وقت بھی کافی لگ جائے گا، اِدھر کتاب کی جلد اول طبع ہو چکی تھی، صرف مقدمہ کے انتظار میں اس کی اشاعت رُک رہی تھی، مجبوراً یہ طے کیا کہ یہ مباحث تکمیل کے بعد مستقل کتابی صورت میں جُدا گانہ شائع کئے جائیں، اور مقدمہ میں صرف کتاب "امداد الاحکام" کا تعارف و خصوصیات اور اس کے مؤلفین کرام کے مختصر حالات زندگی بیان کر دیئے جائیں، واللہ المستعان۔

محمد رفیع عثمانی

خادم دارالعلوم کراچی  
صفر ۱۴۰۲ھ



## دیباچہ طبع دوم

حامداً ومصلياً۔ اب جبکہ "امداد الاحکام" جلد اول کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے، ناظم مکتبہ دارالعلوم کراچی اور کئی دیگر اہل علم کی رائے یہ ہوئی کہ فقہ اور اسکے مآخذ کے تعارف سے متعلق جو مضمون احقر نے طبع اول کے موقع پر لکھا تھا اور جس کا ذکر دیباچہ طبع اول میں کیا گیا ہے، اُس میں اگرچہ احقر کے عوارض کے باعث بعد میں بھی کوئی اضافہ نہ ہو سکا، لیکن جتنا لکھا جا چکا ہے انکی رائے میں "وہ بھی بہت اہم معلومات پر مشتمل ہے اور قارئین کیلئے انشاء اللہ مفید ہوگا" اس لئے اب بنام خدا تعالیٰ طبع دوم کے مقدمہ میں اس کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ اضافہ ان قارئین کے لئے خصوصیت سے مفید ہوگا جو فقہ کی حقیقت اور اس فن کے متعلق بنیادی اور ابتدائی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں فقہ کے ساتھ تصوف کا تعارف بھی کافی تفصیل سے آیا ہے، جس میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ "شریعت و طریقت" ایک دوسرے کے لئے ناگزیر اور لازم و ملزوم ہیں، اور تصوف بھی درحقیقت فقہ ہی کا ایک بنیادی حصہ ہے۔ نیز فقہ کے چار مآخذ میں سے قرآن کریم، سنت اور اجماع کے بارے میں بھی ضروری معلومات درج کی گئی ہیں، جن میں حدیث کی حُجَّت پر مختصر، اور اجماع کی حُجَّت پر خاصی مفصل بحث بھی شامل ہے۔ — و بئرا الحمد۔



فقہ کے چوتھے مأخذ "قیاس" کا تعارف اور فقہ سے متعلق باقی معلومات جو حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرمانا چاہتے تھے، افسوس کہ وہ ابھی تک نہیں لکھی جاسکیں۔ دعلیہ کہ اللہ تعالیٰ اگلی اشاعت تک اس کی بھی توفیق عطا فرمادیں۔ وہو المستعان۔

محمد رفیع عثمانی

خادم دارالعلوم کراچی

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

۱۶ نومبر ۱۹۹۱ء



## مقدمہ

از مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی صدر دارالعلوم کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ

کتاب اور اسکے مؤلفین رحمۃ اللہ علیہم کے تعارف سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اور اسکے مأخذ کا تعارف ہدیہ ناظرین کر دیا جائے۔

## فہم

لفظ میں فقہ "فہم، سمجھداری اور ذہانت" کو کہتے ہیں، اور فقیہ فقہ کے لغوی معنی ذہین اور سمجھدار شخص کو کہا جاتا ہے، اور فقہ فقیہ ہونے، فقہ حاصل کرنے اور اس میں غور و خوض کرنے کا نام ہے۔

فقہ کے قدیم اصطلاحی معنی اسلام کے قرونِ اوّل کی اصطلاح میں فقہ سے مراد "پورے دین کی گہری سمجھ" ہے، یعنی دین کی تمام تعلیمات خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبہ زندگی سے ہو ان کی گہری بصیرت و جہارت کو "فقہ" کہا جاتا تھا، اور فقیہ اس شخص کو کہتے تھے جو پورے دین کی گہری بصیرت و جہارت رکھتا ہو، اور اپنی پوری زندگی کو دین کے سانچے میں ڈھال چکا ہو۔

۱۵ الصحاح للجوہری، ص ۲۲۴۳، ج ۶ ۱۵ رد المحتار، ص ۳۸ ج ۱ ۱۵ الصحاح۔

۱۵ قرونِ اوّل سے مراد عہد رسالت اور اس کے بعد تابعین تک کا زمانہ ہے۔



## دینی احکام کی قسمیں

تفصیل اس کی یہ ہے کہ امت کو قرآن و سنت میں جو احکام دیئے گئے اُن کی تین قسمیں ہیں:-

اول:- وہ احکام جن کا تعلق عقائد سے ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور توحید پر ایمان، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان، یوم آخرت اور اچھی بُری تقدیر پر ایمان اور ہر قسم کے کفر و شرک سے اجتناب وغیرہ، دوم:- وہ احکام جن کا تعلق بندے کے اُن افعال سے ہے جو جسم کے ظاہری اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، کان، ناک، حلق، زبان وغیرہ سے انجام دیئے جاتے ہیں، جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد اور نکاح و طلاق، قسم و کفارہ اور جیسے معیشت و تجارت، سیاست حکومت، میراث و وصیت، دعویٰ اور قضاء و شہادت و جرائم اور ان کی سزائیں اور جیسے سلام و کلام، کھانا پینا، سونا، اٹھنا، نشست و برخاست، ہمائی و میزبانی وغیرہ۔

سوم:- وہ احکام جن کا تعلق باطنی اخلاق و عادات سے یعنی بندے کے ان اعمال سے ہے جو وہ اپنے باطن اور قلب سے انجام دیتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اسے یاد رکھنا، دنیا سے محبت کم کرنا، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہنا، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا، دین کے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے لئے نیت کو خالص رکھنا، کسی کو حقیر سمجھنا خود پسندی سے پرہیز کرنا، صبر کرنا اور غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ۔

## قرآن و سنت میں ان سب قسموں کا بیان

چونکہ یہ تینوں قسم کے احکام دین کے لازمی اجزاء باہم مربوط اور ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں، اس لئے قرآن حکیم نے اُن کو الگ الگ قسموں میں بیان کرنے کی بجائے ایک ساتھ ملا جلا کر بیان کیا ہے، یہ نہیں کیا کہ ہر ایک قسم کو دوسری سے ممتاز کرنے کے لئے قرآن شریف کے الگ الگ تین حصے مقرر کر دیئے گئے ہوں، اور حصہ میں صرف ایک ہی قسم کے احکام بیان کئے گئے ہوں، بہت مقامات پر تو ایک ہی آیت میں تینوں قسم کے احکام حسب موقع ذکر فرما دیئے گئے ہیں، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

۱۔ خلاصہ تہذیب قصہ سبیل، ص ۶، اور البحر الرائق، ص ۶ ج ۱،

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
وَتَوَّاهُوا بِالْحَقِّ وَتَوَّاهُوا بِالْقَبْرِ

”قسم ہر زمانہ کی کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے  
سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے، اور  
انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے

کو حق پر قائم رہنے کی تلقین کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے،“  
اس میں ایمان کا تعلق قسم اول سے، اچھے کام کا تعلق قسم دوم سے، حق پر قائم رہنے کا تعلق تینوں قسموں سے اور صبر کا تعلق قسم سوم سے ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ تینوں قسموں کے احکام ملے جلتے تھے، جو آپؐ نے حسب ضرورت صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرمائے، بسا اوقات ایک ہی حدیث میں کچھ احکام عقائد سے متعلق ہوتے ہیں، کچھ ظاہری اعمال سے اور کچھ باطنی اخلاق و عادات یعنی اعمالِ قلب سے۔

دین ان تینوں قسموں کے احکام کو بجالانے کا نام ہے، چنانچہ صحیح مسلم شریف کی سب سے پہلی حدیث میں جو حدیث جبریلؑ کے نام سے معروف ہے آپؐ نے ان تینوں پر عمل کو ”دین“ قرار دیا ہے۔

پس ان میں سے کسی قسم کے احکام کو نظر انداز کر دینے سے دین مکمل نہیں ہو سکتا، اور انہی تینوں قسم کے احکام میں گہری بصیرت و ہمارت کو قدونِ اولیٰ میں ”فقہ“ کہا جاتا تھا۔

اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جو تابعین کے آخری دور سے تعلق رکھتے ہیں فقہ کی تعریف یہ کی ہے کہ:-

هو معرفة النفس ماله و  
ما عليها،

”یعنی فقہ ان امور کی بصیرت کا نام ہے  
جو بندہ کے لئے جائز یا ناجائز ہیں“

یہ تعریف علم دین کی تینوں اقسام کو شامل ہے، چنانچہ امام صاحب موصوف نے جو کتاب عقائد پر تصنیف فرمائی تھی اس کا نام ”الفقہ الاکبر“ رکھا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی علم عقائد فقہ ہی کا ایک اہم ترین شعبہ تھا۔

خلاصہ یہ کہ متقدمین کی اصطلاح میں پورے دین کی گہری بصیرت و ہمارت کو ”فقہ“ کہا جاتا تھا، اور ”فقہ“ اس شخص کو کہتے تھے جو پورے دین کی گہری بصیرت و ہمارت رکھتا ہو، اور اپنی پوری زندگی اس کے سانچے میں ڈھال چکا ہو۔

۱۔ جامع بیان احکام لابن عبد البر المالکی، ص

۲۔ التوضیح، ص ۱۰ ج اول (مطبوعہ مصر) اور البحر الرائق، ص ۶ ج ۱۔



## فقہ حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک

مشہور تابعی اور فقیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صاحب نے کہا کہ فلاں مسئلہ میں فقہاء آپ کے خلاف

کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا:-

ثم نے آنکھ سے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟  
فقہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو  
آخرت کا طلب گار ہو، اپنے دین کی بصیرت  
رکھتا ہو، اپنے رب کی عبادت میں لگا رہے،  
مستقی ہو، مسلمانوں کی عورت و آبرو کو نقصاً  
پہنچانے سے پرہیز کرتا ہو، ان کے مال و

دھل رأیت فقیہاً بعینک؟ انما  
الفقیہ الزاهد فی الدنیا والراغب  
فی الآخرة البصیر بین المداوی  
علی عبادۃ ربہ اورع الکاف عن  
اعراض المسالین العقیف عن  
اموالہم التامہ لجماعتہم۔

دولت سے بے تعلق ہو، اور جماعتِ مسلمین کا خیر خواہ ہو۔

معلوم ہوا کہ ”فقہ“ ہونے کے لئے تمام دینی احکام کا محض علم بمعنی ”دانستن“ کافی نہ تھا، بلکہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا بھی فقیہ کی تعریف میں شامل تھا جس کے بغیر کوئی خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو ”فقہ“ کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔

احادیث میں فقہ اور فقیہ کے جو فضائل آئے ہیں وہ اسی قدیم معنی کے فقہ اور فقیہ سے متعلق ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ  
فِي الدِّينِ۔

”جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرنا ہو اسے دین کا فقہ (سمجھ) عطا فرمادیتا ہے۔“

اس میں دین کے کسی شعبہ کی تخصیص نہیں کی گئی، بلکہ علم دین کی تینوں اقسام کی فضیلت بیان کی گئی ہے، لہذا یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ احادیث میں فقہ اور فقہ کے فضائل صرف اسی جدید اصطلاحی معنی کے ساتھ خاص ہیں جو اب معدوم ہیں، اور جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قرآن و سنت میں ہر زمانہ اور ہر مقام میں پیدا ہونے والے تمام مسائل کا حکم الگ الگ صریح طور پر بیان نہیں کیا گیا، فردعی اور جزئی احکام وہی بیان کئے گئے ہیں جن کی عہد رسالت میں ضرورت

مسائل کی کثرت اور  
مباحث کا پھیلاؤ

لہ رد المحتار، ص ۳۵، ج ۱ و مرآۃ شرح مشکوٰۃ، ص ۲۶، ج ۱۔

تھی، البتہ ایسے اصولی احکام بیان کر دیئے گئے ہیں جو قیامت تک کی ضرورت کے لئے کافی ہیں، اور ان اصولوں کی روشنی میں ہر زمانہ اور ہر حالت کے فردعی احکام مستنبط کئے جاسکتے ہیں۔

عہد رسالت کے بعد جب اسلام کی فتوحات دنیا میں پھیلیں، بڑے بڑے متمدد ممالک اسلام کے زیر حکومت آئے، دوسری قوموں کے بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے مسلمانوں کو مختلف تہذیبوں سے واسطہ پڑا، نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں، اور نئے حالات و نظریات سامنے آئے تو ہر زمانہ کے فقہاء مجتہدین نے ان کے شرعی احکام قرآن و سنت ہی کے ابدی اصولوں سے مستنبط کئے، اور امت کو بتائے، اس طرح ہر زمانہ میں قرآن و سنت سے حاصل کئے ہوئے جزئی اور فردعی احکام میں اضافہ ہوتا رہا۔

چونکہ قرآن و سنت سے نئے مسائل کا حکم معلوم کرنے اور اس کے طریق کار میں فقہاء کا بہت مواقع میں اختلاف رائے بھی ہوا، جو شرعی دلائل پر مبنی ہوتا تھا، اور عقل و دیانت کی رُو سے ناگزیر تھا، اس لئے ہر حکم کے شرعی دلائل کو بھی خوب خوب واضح کرنا پڑا، اس طرح تینوں قسم کے احکام و مسائل میں دلائل اور متعلقہ مباحث کا اضافہ بھی قرآن و سنت کے ہی بیان کردہ اصولوں کی بنیاد پر ہوتا رہا، اور علم دین کا نہایت قیمتی ذخیرہ جمع ہوتا گیا، جسے منضبط کرنا بعد کے لوگوں کے لئے آسان تھا۔

اب ضرورت ہوئی کہ تمام دینی احکام کو دلائل اور متعلقہ مباحث کے ساتھ ترتیب و تدوین مرتب اور مدون کر دیا جائے، تاکہ بعد کی نسلوں میں ان کی تعلیم و تدریس آسان ہو، یہ کارنامہ متاخرین یعنی تابعین کے بعد آنے والے علماء کرام نے انجام دیا۔

دینی احکام کی تقسیم تینوں  
الگ الگ فنون کی حیثیت سے

ان حضرات نے سہولت پیدا کرنے کے لئے دینی احکام کی تینوں قسموں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر کے الگ الگ مرتب کیا، کچھ حضرات نے صرف عقائد اور متعلقہ مباحث پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں، کچھ علماء نے صرف ظاہری اعمال کے احکام اور متعلقہ مباحث کو اپنی کتابوں میں مرتب کیا، اور کچھ بزرگوں نے باطنی اعمال کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، اور اس کے احکام و مباحث کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا، اس طرح رفتہ رفتہ دینی احکام کی یہ تینوں قسمیں الگ الگ علم و فن کی حیثیت اختیار کر گئیں، یعنی علم فقہ عین علوم میں تقسیم ہو گیا، اور ہر علم کا الگ نام رکھ دیا گیا۔

علم کلام، فقہ، تصوف  
اعمال ظاہرہ، نماز، روزہ، نکاح و طلاق، تجارت و سیاست اور

عقائد اور متعلقہ تفصیلات و مباحث کے علم کا نام ”علم کلام“ رکھ دیا گیا،



معاشرت وغیرہ کے احکام و دلائل کے علم کا نام ”فقہ“ رکھ دیا گیا اور اعمال باطنیہ، تقویٰ و توکل، اخلاص و تواضع، صبر و شکر اور زہد و قناعت وغیرہ کی بصیرت و ہدایت کو ”تصوف“ اور ”سلوک“ اور ”طریقت“ کہا جانے لگا۔

**فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف** اس تقسیم میں دینی احکام کی دو قسمیں چونکہ فقہ سے الگ کر دی گئیں، لہذا فقہ کا موضوع اور دائرہ کار نسبتاً کافی محدود ہو گیا

اسی وجہ سے متاخرین کو ایک مستقل علم و فن کی حیثیت سے فقہ کی تعریف بھی از سر نو کرنی پڑی، اب ”فقہ“ کی اصطلاحی تعریف یہ ہو گئی کہ:

”فقہ ظاہری اعمال کے متعلق تمام احکام شرعیہ کا علم ہے جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جائے۔“

جدید اصطلاح کے اعتبار سے یہ فقہ کی نہایت جامع، مانع اور مکمل تعریف ہے، اور اب فقہ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسے پوری طرح سمجھنے اور سمجھانے کے لئے فقہائے کرام نے تو اپنی عادت کے مطابق نہایت باریک بینی اور خوب تفصیل سے کام لیا ہے، کئی کئی صفحات میں اس کے ایک ایک لفظ کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں رہتا، یہاں اس تعریف کے اہم حصوں کی تشریح کی جاتی ہے۔

## تشریح

**ظاہری اعمال** سے مراد وہ اچھے یا بُرے کام ہیں جو بدن کے ظاہری اعضاء مثلاً ہاتھ پاؤں، کان، ناک، حلق وغیرہ سے انجام دیئے جاتے ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تلاوت، کھانا، پینا، سننا، سونگھنا، چھونا، پہننا، زنا، چوری وغیرہ۔

۱۔ البحر الرائق ص ۶ ج ۱، والتمیز مع التلویح ص ۱۱ ج ۱ (مطبوعہ مصر) و رد المحتار ص ۳۴ ج ۱ (نسخہ آئین)  
۲۔ عربی میں تعریف کے الفاظ یہ ہیں: ”هو العلم بالاحکام الشرعیۃ العلمیۃ المكتسب من ادلتها التفصیلیۃ“ فقہاء کرام نے مراحت کی کہ اس تعریف کے لفظ ”علمیۃ“ میں اعمال سے مراد ظاہری اعمال ہیں، اسی لئے احقر نے اردو میں لفظ ”ظاہری“ کو صریح طور پر ذکر کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو التلویح مع التلویح ص ۱۹ ج ۱، اور البحر الرائق ص ۳ تا ص ۶ مع حاشیہ منخۃ الخاق، و تسہیل الوصول ص ۳ تا ص ۱۰ و رد المحتار مع الدر المختار ص ۳ تا ص ۶ ج ۱۔

ظاہری اعمال“ کے لفظ سے فقہ کو تصوف اور علم کلام سے ممتاز کرنا مقصود ہے، کیونکہ علم کلام میں عقائد کا بیان ہوتا ہے، اور تصوف میں باطنی اعمال کا، برخلاف فقہ کے کہ اس میں صرف ظاہری اعمال کے احکام بتائے جاتے ہیں، اس میں اگر کہیں عقائد یا باطنی اعمال کا ذکر آتا بھی ہے تو ضمیمہ آتا ہے، اصل مقصود ظاہری اعمال کا بیان ہوتا ہے۔

**احکام شرعیہ کا علم** ”احکام“ حکم کی جمع ہے، اور ”شرعیہ“ شریعت کی طرف منسوب ہے، ”احکام شرعیہ“ ان احکام .... کو کہا جاتا ہے جو شریعت کی طرف منسوب یعنی شریعت سے

ماخوذ ہوں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ شریعت میں انسان کے سب کاموں کی کچھ صفات مقرر کر دی گئی ہیں جو مکمل ساتھ ہیں، فرض، واجب، مندوب، (مستحب) مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، ان صفات کو ”احکام شرعیہ“ کہا جاتا ہے، انسان کے ہر کام کے لئے ان میں سے کوئی نہ کوئی حکم شرعی ضرور مقرر ہے، یعنی بندے کا ہر عمل شریعت کی رو سے یا فرض ہے یا واجب یا مندوب یا مباح، یا حرام یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی، پس ہر اچھے بُرے کام کے متعلق یہ جاننا کہ اس پر شریعت نے ان میں سے کونسا حکم لگایا ہے، یہ ”احکام شرعیہ کا علم“ ہے، مثلاً یہ جاننا کہ زکوٰۃ فرض ہے، سلام کا جواب دینا واجب ہے، کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مندوب (مستحب) ہے، ریل میں سفر کرنا مباح (جائز) ہے، چوری حرام ہے، بازار میں جب عام اشیاء ضرورت کی قلت ہو تو انکی ذخیرہ اندوزی مکروہ تحریمی ہے، کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، اسی طرح تمام اعمال کے متعلق ان کا الگ الگ شرعی حکم جانتا ”احکام شرعیہ کا علم“ ہے،

احکام اگرچہ صرف ساتھ ہیں، مگر انسان کے اعمال بے شمار ہیں، اور ہر عمل کے لئے ان ساتھ میں ایک حکم مقرر ہے، اس لئے اعمال کی نسبت سے شریعت کے احکام بھی بے شمار ہو جاتے ہیں۔

**تفصیلی دلائل** ”دلائل“ دلیل کی جمع ہے، یہاں احکام شرعیہ کی دلیلیں مراد ہیں، علم کبھی دلیل سے حاصل ہوتا ہے کبھی بغیر دلیل کے، احکام شرعیہ کا علم اگر دلائل کے

بغیر ہو جیسے بہت سے لوگوں کو ہزار ہا شرعی احکام کا علم فقہاء سے سُن کر یا اُن کی کتابوں میں پڑھ کر حاصل ہو جاتا ہے۔ تو وہ فقہ نہیں، فقہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم احکام شرعیہ کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو، عوام کو بلکہ بہت سے علماء کو بھی ”فقہ“ اسی لئے نہیں کہتے کہ انھوں نے یہ علم ”احکام شرعیہ کے دلائل“ سے مستنبط نہیں کیا۔

”احکام شرعیہ کے دلائل“ صرف چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع، قیاس، ہر عمل کا حکم ۱۔ مباح وہ عمل ہے جس کے کرنے میں کوئی ثواب نہیں، اور ترک کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ (رفیع)



شرعی اپنی چاروں دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے، یعنی انسان کے کسی بھی عمل کے متعلق یہ بات کہ وہ فرض ہے یا واجب یا مندوب یا مباح یا حرام یا مکروہ، ثابت کرنے کا ذریعہ یا تو قرآن حکیم ہے یا سنت نبویہ، یا اجماع یا قیاس، ان کے علاوہ حکم شرعی ثابت یا مستنبط کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں، ان چاروں دلائل کا تعارف آگے آئے گا۔

فقہ کی تعریف میں "دلائل" کی قید لگا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی فقہ (مجتہد) کے علم و تقویٰ پر اعتماد کر کے اس کی تقلید کرنے والے عوام یا علماء کو جو احکام شرعیہ کا علم ہوتا ہے ان کے اس علم کو فقہ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ انھوں نے یہ علم قرآن، سنت، اجماع یا قیاس سے خود مستنبط نہیں کیا، بلکہ جس امام مجتہد کی وہ تقلید کرتے ہیں اس کے بتانے سے حاصل ہوا ہے، حالانکہ فقہ شرعی احکام کے صرف اسی علم کو کہا جاتا ہے جو احکام شرعیہ کے دلائل سے حاصل کیا جائے۔

یہاں قارئین کرام کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ عوام کے حق میں تو یہ بات درست ہے، کیونکہ انھیں دلائل معلوم نہیں ہوتے، مگر علماء دین اگرچہ کسی امام مجتہد کی تقلید کرتے ہوں، مگر انھیں تو احکام شرعیہ کے دلائل بھی معلوم ہوتے ہیں، لہذا ان کو فقہ اور ان کے علم کو فقہ کہنا چاہئے؟

جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ مح ان کے دلائل کے جاننا اور چیز ہے، اور دلائل سے احکام شرعیہ کو معلوم کرنا یعنی مستنبط کرنا بالکل دوسری چیز، تقلید کرنے والے علماء کرام کو احکام شرعیہ کا علم دلائل کے ساتھ تو ہوتا ہے، مگر دلائل سے حاصل کیا ہوا نہیں ہوتا، یعنی احکام شرعیہ کا علم تو انھیں صرف امام مجتہد کے قول سے حاصل ہو جاتا ہے، پھر وہ تحقیق کرتے ہیں کہ ان کے امام نے یہ حکم کس دلیل شرعی سے حاصل کیا ہے؟ تو احکام کے بعد دلائل کا علم بھی حاصل کر لیتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ احکام شرعیہ کو خود انھوں نے قرآن و سنت یا اجماع و قیاس سے مستنبط کیا ہو، برخلافت مجتہد کے کہ وہ براہ راست ان چاروں دلائل سے احکام کو مستنبط اور معلوم کرتا ہے، یعنی وہ دلائل کو پہلے سمجھتا ہے اور پھر گہرے غور و خوض کے بعد یہ معلوم کرتا ہے کہ ان سے کیا کیا شرعی احکام ثابت ہوئے، اور عالم مقلد پہلے احکام معلوم کرتا ہے پھر دلائل کی تحقیق کرتا ہے، لہذا عالم مقلد کو حقیقہً فقہ نہیں کہہ سکتے۔

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ فقہ درحقیقت صرف مجتہد ہی کو کہہ سکتے ہیں، غیر مجتہد کو خواہ ہزار احکام شرعیہ مح ان کے دلائل کے معلوم ہوں تب بھی وہ فقہ نہیں، یہ اور بات

ہے کہ عرف عام میں ایسے عالم مقلد کو بھی فقہ کہہ دیتے ہیں، مگر یہ کہنا مجازاً ہی حقیقہً اور اصطلاحاً وہ فقہ نہیں۔

تعریف میں "دلائل" کے ساتھ تفصیل کی قید بھی لگی ہوئی ہے، کیونکہ دلیل کی دو قسمیں ہیں اجمالی اور تفصیلی، "دلیل اجمالی" مبہم اور نامکمل دلیل کو کہتے ہیں، مثلاً "نماز قائم کرنا فرض ہے" یہ ایک حکم شرعی ہے، اس کی دلیل کے طور پر صرف اتنا معلوم کر لیا جائے کہ "یہ حکم قرآن شریف سے ثابت ہے"۔

وہ آیت اور لفظ متعین نہ کیا جائے جس سے یہ حکم ثابت ہوا ہے، نہ یہ تحقیق کی جائے کہ اس لفظ کے معنی کیا ہیں، اور فرضیت اس سے کیونکر ثابت ہوتی، نہ یہ تحقیق کی جائے کہ فرضیت صلوٰۃ کے خلاف کوئی اور آیت یا حدیث مشہورہ موجود نہیں، ظاہر ہے کہ ایسی نامکمل اور مبہم دلیل سے کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکتا، اور ایسی دلیل سے بالفرض کوئی علم حاصل ہو بھی تو اسے فقہ نہیں کہا جاسکتا۔ اور "دلیل تفصیلی" وہ ہے جس میں مذکورہ بالا تفصیل بدرجہ اتم موجود ہو، مثلاً فرضیت صلوٰۃ کی دلیل یوں بیان کی جائے کہ:

"قرآن حکیم کے ارشاد "اقیموا الصلوٰۃ" کے معنی ہیں "نماز قائم کرو" اس میں لوگوں سے نماز قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور جس کا مطالبہ قرآن حکیم میں کیا گیا ہو وہ فرض ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ مطالبہ منسوخ نہ ہوا ہو، اور فرضیت کے منافی کوئی اور آیت یا حدیث مشہورہ موجود نہ ہو، اور اس ارشاد قرآنی کا یہی حال ہے کہ نہ اس کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل ہے، نہ فرضیت صلوٰۃ کے منافی کوئی آیت پورے قرآن حکیم میں موجود ہے، نہ کوئی حدیث مشہورہ پورے ذخیرہ احادیث میں اس کے منافی موجود ہے، لہذا نماز قائم کرنا فرض ہے" "دلائل" کے ساتھ تفصیلی کی قید لگا کر یہی بتانا مقصود ہے کہ ظاہری اعمال کے متعلق احکام شرعیہ کے صرف اسی علم کو فقہ کہا جائے گا جو احکام شرعیہ کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جائے "اجمالی دلائل" سے اول تو علم حاصل ہوتا نہیں، اگر حاصل ہونا فرض کر لیا جائے تب بھی وہ فقہ نہیں۔

**تعریف تشریح کا حاصل**

۱۔ رد المحتار، ص ۳۵ ج اول، نسخہ استنبول، والبحار الرائق، ص ۷، ج اول۔

۲۔ تسہیل الوصول، ص ۷۔



خاصی طریل ہو گئی ہے، مجبوری یہ تھی کہ فقہ کی تعریف کو ضروری حد تک سمجھنا اس کے بغیر ممکن نہ تھا، بہر حال اب فقہ کی تعریف و تشریح کا حاصل یہ نکل آیا کہ:

”بندے کے ظاہری اعضاء سے ہونے والے ہر کام کے متعلق قرآن، سنت، اجماع یا قیاس کے مفصل دلائل کے ذریعہ جاننے کو فقہ کہا جاتا ہے، کہ وہ کام فرض ہو یا واجب یا مستحب یا حرام یا مکروہ (تحریمی یا تنزیہی)“

**فقہ کا موضوع** کسی علم میں جس چیز کے حالات و صفات سے بحث کی جاتی ہے، وہی چیز اس علم کا موضوع ہوتی ہے، اور بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان حالات و صفات کو موضوع کے لئے ثابت کیا جاتا ہے۔

علم طب میں بدن انسانی کے حالات سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق اس کی صحت اور بیماری سے ہے، اس لحاظ سے علم طب کا موضوع انسانی بدن ہے۔

اسی طرح فقہ میں چونکہ انسان کے ظاہری افعال کی کچھ صفات (احکام شرعیہ) سے بحث کی جاتی ہے، لہذا فقہ کا موضوع انسان کے ظاہری افعال ہیں، یعنی انسان کے صرف ظاہری افعال کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کے شرعی احکام کیا ہیں۔

غرض فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف کی رو سے نہ عقائد فقہ کا موضوع ہیں نہ باطنی اعمال و اخلاق بلکہ عقائد علم کلام کا موضوع ہیں اور باطنی اعمال و اخلاق تصوف کا، فقہ کا موضوع انسان کے صرف ظاہری افعال ہیں۔

**قدیم اصطلاحی فقہ کا موضوع** مگر ظاہر ہے کہ یہ سب تفصیل فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف کی بنیاد پر ہے، جس میں عقائد اور تصوف کو فقہ سے الگ کر دیا گیا ہے، ورنہ جہاں تک قدیم اصطلاحی فقہ (پولیسے دین کی گہری بصیرت و مہارت) کا تعلق

لے رد المحتار، ص ۳۲، ۳۵، ۳۶ ج اول و بحر الرائق ص ۷ ج اول۔

۱۵ یہاں انسان سے صرف عاقل بالغ مراد ہے، مجنون یا نابالغ پر چونکہ شرعی احکام کی ذمہ داریاں نہیں، لہذا ان کے اعمال فقہ کا موضوع نہیں، یعنی ان کے کسی فعل کو فرض، واجب یا حرام و مکروہ نہیں کہہ سکتے، اور فقہ میں جو مسائل مجنون یا نابالغ کے افعال سے متعلق ذکر کئے جاتے ہیں ان کا مقصد صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ ان افعال کی بناء پر اس کے دلی اور سرپرست کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

ہے، اس میں نہ عقائد و اعمال کی تفریق ہے نہ ظاہر و باطن کی، عقائد ہوں یا اعمال، اعمال بھی ظاہر کے ہوں یا باطن کے، سب ہی میں شریعت کے احکام کو بجا لانا دین ہے، اور ان سب کے شرعی احکام کو دلیل سے جاننا علم دین، اسی علم دین کو قرآن و سنت میں ”فقہ“ اور ”تفقہ فی الدین“ کا نام دیا گیا ہے، اور اس کا موضوع صرف ظاہری اعمال نہیں بلکہ عقائد اور تمام ظاہری و باطنی اعمال اس کا موضوع ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جدید اصطلاحی فقہ پورا علم دین نہیں بلکہ علم دین کا ہتھکڑی حصہ ہے، اور یہ ہتھکڑی بھی عقائد اور تصوف کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ اگلے مباحث سے معلوم ہوگا۔

**تفقہ فی الدین فرض کفایہ** پورا علم دین قدیم اصطلاحی فقہ ہے، جسے قرآن حکیم نے ”تفقہ فی الدین“ (پولیسے دین کی سمجھ بوجھ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور فرض کفایہ قرار دیا ہے، ارشاد ہے:

”ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جابجا کرے، تاکہ باقی ماندہ لوگ ”دین کی سمجھ“ حاصل کرتے رہیں“

فَلَوْلَا نَفَعْنَا مِنْكُمْ فِرْقَةٌ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّينِ، (توبہ: ۱۲۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے جس فقہ کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، لے اللہ ان کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما۔

وہ بھی یہی ”تفقہ فی الدین“ ہے، جس کی وسعت دین کی تینوں شاخوں عقائد، تصوف اور ”جدید اصطلاحی فقہ“ کو سمیٹے ہوئے ہے، دور تا بعین تک فقہ کا لفظ اسی وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا تھا، بعد میں متاخرین نے محض درس و تدریس وغیرہ میں سہولت کے لئے دین کی ان تینوں شاخوں کو الگ الگ مرتب اور مدون کر کے ہر شاخ کا الگ الگ نام رکھ دیا، جس کے نتیجے میں ہر شاخ کی تعریف بھی الگ الگ کرنی پڑی، چنانچہ اس مضمون میں بھی آگے لفظ ”فقہ“ اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوگا، جو متاخرین کی اصطلاح ہے۔

۱۵ تفسیر معارف القرآن، ص ۳۸۹، ج ۲۔

۱۶ صحیح بخاری، ص ۲۶ ج اول، باب دُعی المار عند الخلاء، کتاب الوضوء۔



## تصوف کی حقیقت

تصوف بھی چونکہ دین کا ایسا ہی اہم شعبہ ہے جیسا فقہ، اور دونوں میں ربط اتنا گہرا ہے کہ فقہ پر عمل تصوف کے بغیر اور تصوف پر عمل فقہ کے بغیر ممکن نہیں، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا، بلکہ جو فقہ قرآن و سنت کا مطلوب ہو وہ تو تصوف کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتا، اس لئے یہاں تصوف کی حقیقت کا مختصر بیان بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، اس کے بغیر درحقیقت فقہ کا تعارف بھی تشنہ ہی رہے گا۔

تصوف کے کئی نام ہیں؛ علم القلب، علم الاخلاق، احسان، سلوک اور طریقت، یہ سب ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں، قرآن و سنت میں اس کے لئے زیادہ تر "احسان" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور ہمارے زمانہ میں لفظ "تصوف" زیادہ مشہور ہو گیا ہے، بہر حال حقیقت ان سب کی ایک ہے، اور وہ یہ کہ ہمارے بہت سے افعال جس طرح ہمارے ظاہری اعضاء سے انجام پاتے ہیں، اسی طرح بہت سے اعمال ہمارا قلب انجام دیتا ہے، جن کو "اعمال باطنہ" کہا جاتا ہے، جس طرح ہمارے ظاہری افعال شریعت کی نظر میں کچھ اچھے اور فرض و واجب ہیں، اور کچھ ناپسندیدہ اور حرام و مکروہ، ..... اسی طرح باطنی اعمال قرآن و سنت کی نظر میں کچھ پسندیدہ اور فرض و واجب ہیں، جیسے تقویٰ، اللہ کی محبت، اخلاص، توکل، صبر و شکر، تواضع، خشوع، قناعت، حلم، سخاوت، حیا، رحم دلی وغیرہ، ان باطنی پسندیدہ اخلاق کو "فضائل" اور "اخلاق حمیدہ" کہا جاتا ہے، اور کچھ باطنی اعمال بُرے اور حرام ہیں، جیسے تکبر، عجب، غور، ریا، حُب مال، حُب جاہ، بخل، بزدلی، لالچ، دشمنی، حسد، کینہ، سنگدلی، اور بے محل یا حد سے زیادہ غصہ وغیرہ، ان کو "ذائل" یا "اخلاق رذیلہ" کہا جاتا ہے۔ "فضائل" اور "ذائل" دونوں کا تمام تر تعلق قلبی احوال اور نفس کی اندرونی کیفیتوں سے ہے مگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے یہی قلبی احوال اور اندرونی کیفیتیں درحقیقت ہمارے تمام ظاہری افعال کی بنیاد اور اساس ہیں، ظاہری اعضاء سے ہم اچھا یا بُرا جو کام بھی کرتے ہیں، درحقیقت وہ انہی باطنی "فضائل یا ذائل" کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مثلاً تقویٰ (خوف خدا) اور اللہ کی محبت، یہ قلب کی اندرونی کیفیتیں ہیں، مگر ان کا اثر ہمارے تمام ظاہری اعمال پر پڑتا ہے، ہماری ہر عبادت نماز روزہ وغیرہ انہی دو باطنی اخلاق کی بنیاد پر ہے، ہم نفسانی اور شیطانی تقاضوں کے باوجود اگر بد نظری، لڑائی جھگڑے اور جھوٹ

وغیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں، تو اس اجتناب کا اصل محرک بھی یہی تقویٰ اور اللہ کی محبت ہے، اسی طرح ظاہری اعضاء سے ہم جو گناہ بھی کرتے ہیں اس کا سبب بھی کوئی نہ کوئی باطنی خصلت ہوتی ہے، مثلاً مال کی محبت یا جاہ پسندی یا عداوت یا حسد یا غصہ یا آرام طلبی یا تکبر وغیرہ۔ تمام ظاہری اعمال کا حُسن و قبح اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُن کا مقبول یا مردود ہونا بھی ہمارے باطنی اخلاق پر موقوف ہے، مثلاً اخلاص و ریا یہ قلب ہی کے متضاد اعمال ہیں، مگر ہمارے تمام ظاہری اعمال کا حُسن و قبح ان سے وابستہ ہے، کوئی بھی عبادت نماز، حج وغیرہ جو محض ریا کے طور پر دنیا کی شہرت حاصل کرنے کے لئے کی جائے عبادت نہیں رہتی، اور تجارت و مزدوری جو اپنی اصل کے اعتبار سے دنیا داری کا کام ہے مگر حکم خداوندی کی تعمیل میں اللہ کی رضا کی نیت سے کی جائے تو یہی تجارت و مزدوری باعث اجر و ثواب اور عبادت بن جاتی ہے، یہ ریا اور اخلاص ہی کا کٹھنہ ہے جس نے عبادت کو دنیا داری اور دنیا داری کو اللہ کی عبادت بنا دیا ہے، یہی مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ :-

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ،

تمام اعمال کا ثواب نیتوں پر موقوف ہے ۱

تقریباً یہی حال تمام باطنی فضائل و رذائل کا ہے کہ ہمارے ظاہری اعمال کے حُسن و قبح، رد و قبول اور اجر و ثواب، بلکہ بہت سے اعمال کا وجود بھی انہی کارہین منت ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کی نشان دہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں فرمائی ہے کہ :-

أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا

ہو شیار ہو کہ بدرد گوشت کا ایک ٹکڑا

صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا

ایسا ہو کہ جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست

فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا

ہو تلہ، اور وہ خراب ہو تو سارا بدن خراب

وَهِيَ الْقَلْبُ،

ہو جاتا ہے، ہو شیار ہو کہ وہ دل ہے ۲

اسی لئے تمام علماء و فقہاء کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ "رذائل" سے بچنا اور "فضائل" کو حاصل کرنا ہر عاقل بالغ پر فرض ہے، یہی فریضہ ہے جس کو اصلاح نفس، یا تزکیہ نفس اور تزکیہ اخلاق یا

۱ یہ مشکوٰۃ شریف کی سب سے پہلی حدیث ہے۔

۲ صحیح بخاری، کتاب الایمان باب من استبرأ لدينه و صحیح مسلم باب اخذ الحلال وترك الشبهات،

۳ رد المحتار مع الدر المختار، ص ۴۰ ج اول،



ہندسب اخلاق" کہا جاتا ہے، اور یہی تصوف کا حاصل و مقصود ہے۔

دل کی پاک، روح کی صفائی اور نفس کی طہارت ہر مذہب کی جان اور نبوتوں کا مقصود رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد قرآن حکیم میں بتائے گئے ان میں دوسرا یہ ہے کہ:

وَمِزْكِكُمْ، "آپ مسلمانوں کے اخلاق و اعمال اکارتزکے"

(بقوہ، آل عمران، جمعہ)

فرماتے ہیں

قرآن نے ہر انسان کی کامیابی و نامرادی کا مدار بھی اسی تزکیہ نفس پر رکھا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهُ وَقَدْ خَابَ

مَنْ دَسَّاهُ

(الشمس: ۱۰، ۱۱)

اور بتایا کہ گناہ ظاہری اعصاب ہی سے نہیں ہوتے، بلکہ باطن کے بھی گناہ ہیں، دونوں سے بچنا

فرض عین ہے، اور ہر گناہ موجب عذاب خواہ ظاہر کا ہو یا باطن کا، ارشادِ ربانی ہے:-

وَذُرُوا ظَاهِرَ الْأَيْمَنِ وَبَاطِنَهُ

إِنَّ الْأَذِينَ يَكْسِبُونَ إِلَّا شَمَ

سِيْجَزُونَ بِمَا كَانُوا يَعْتَرِفُونَ

(انعام: ۱۲۰)

باطنی گناہ قلب کے وہی گناہ ہیں جن کے متعلق پیچھے عرض کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے تمام ظاہری

گناہوں کا منہج ہیں، ہمارے ہر گناہ کا سونٹا وہیں سے پھوٹتا ہے، تصوف کی اصطلاح میں انہی کو

"رذائل یا اخلاقِ رذیلہ" کہا جاتا ہے، ان کے بالمقابل دل کی نیکیاں اور عبادتیں ہیں جو ہماری تمام

ظاہری عبادتوں اور نیکیوں کا سرچشمہ ہیں، ہر عبادت اور نیکی انہی کی مرہونِ منت ہے، قلب کے

ان نیک اعمال کو تصوف کی اصطلاح میں "فضائل یا اخلاقِ حمیدہ" کہا جاتا ہے۔

جس طرح اچھے بُرے ظاہری اعمال کی ایک طویل فہرست ہے جن کے شرعی احکام فقہ میں بتائے

جالتے ہیں، اسی طرح باطنی اعمال یعنی "رذائل اور فضائل" کی تعداد بھی بہت ہے جو تصوف کا موضوع

لہ تصوف کے مشہور امام حضرت عبدالقادر سہروردی نے اپنی کتاب "عوارف المعارف" میں تصوف کی جو حقیقت

تفصیل بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہی ہے دیکھئے عوارف المعارف ص ۲۹۰ ج اول بر حاشیہ احیاء العلوم للغزالی۔

ہیں، یہاں چند فضائل اور چند رذائل بطور مثال ذکر کئے جاتے ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ قرآن و سنت نے فضائل کی تاکید اور رذائل کی ممانعت کتنے شد و مد سے کی ہے، اور یہ تاکید کسی طرح اس تاکید سے کم نہیں جو ظاہری اعمال کی اصلاح کے لئے قرآن و سنت میں کی گئی ہے۔

ایک باطنی عمل تقویٰ ہے، قرآن حکیم نے اپنی دوسری ہی سورۃ میں اعلان کیا ہے کہ اس کی تعلیم سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو تقویٰ والے ہیں، ارشاد ہے:

فَضَائِل

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ،

(بقوہ: ۲)

یہ کتاب (قرآن) تقویٰ والوں کو راہ دکھاتی

ہے

تقویٰ والوں کے لئے آخرت کی لازوال نعمتوں کی جگہ جگہ بشارت ہے، مثلاً:

لَئِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُنٍ،

(طور: ۱۷)

بے شک تقویٰ والے باغوں میں اور نعمت

میں ہوں گے

قرآن نے جا بجا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا کہ سچے لوگوں

کی معیت و صحبت اختیار کرو:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

(توبہ: ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں

کے ساتھ یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو

اور بات میں سچے ہیں

اللہ کے نزدیک ہر عزت و برتری کا معیار بھی یہی تقویٰ ہے، ارشاد ہے:-

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

(حجرات: ۱۳)

"اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا

وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو"

یہ چند آیات محض بطور نمونہ ہیں، سب آیات جمع کی جائیں تو کئی ورق درکار ہوں گے۔

اسی طرح "اخلاص" دل کا عمل ہے، قرآن حکیم نے اس کی تاکید میں بھی کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ:-

قَاعِبِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ

(زمر: ۱۱)

"سو آپ اللہ کی عبادت کیجئے، اسی کے لئے

عبادت کو خالص کرتے ہوئے"

"آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ

کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو



رہنما (۱۱)

قرآن پاک میں سات جگہ یہ ارشاد ہے:-

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ،

اسی کے لئے خالص رکھوں۔

اطاعت گزاری کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے۔

اسی طرح توکل جو نفس کا اندرونی عمل ہے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا اور ساتھ ہی بشارت سنائی گئی کہ:-

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

”تو آپ اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تم

الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ (آل عمران: ۱۵۹)

توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔“

سب مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ:-

عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

”پس مسلمان تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ

(آل عمران: ۱۲۲)

رکھیں۔“

قرآن پاک نے بتایا کہ پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی امتوں کو توکل کی تعلیم دیتے رہے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا کہ:-

يَقُولُ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ تَعَالٰی

”اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو

كُوْكُلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝

تو اسی پر توکل کرو، اگر تم (اس کی)

(یونس: ۸۴)

اطاعت کرنے والے ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اصول کا اعلان عام فرمادیا ہے کہ:-

مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ،

”جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ

(طلاق: ۳)

اس کے لئے کافی ہے۔“

اسی طرح صبر باطنی فضائل میں سے ہے، جس کے معنی ہیں طبعیت کے خلاف باتیں پیش آنے پر نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا، اور ثابت قدم رکھنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ اس صبر کا جیتا جاگتا نمونہ ہے، قرآن حکیم میں آپ کو ہدایت کی گئی کہ:-

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ

”تو آپ (دیا ہی) صبر کیجیے جیسا ہمت

مِنَ الرُّسُلِ (احقاف: ۳۵)

والے رسولوں نے صبر کیا تھا۔“

مسلمانوں کو بتایا گیا کہ:-

وَلَيُنْصَبِرُنَّ لَهَا وَتَوَكَّلْ

”صبر کرنے والوں کے حق میں

لَيُنْصَبِرُنَّ ۝ (نحل: ۱۲۶)

بہت ہی اچھا ہے۔“

اور حکم کے ساتھ بشارت دی گئی کہ:-

وَاصْبِرْ وَاٰمِنْ اِنَّ اللَّهَ مَعَ

”اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر

الصَّابِرِيْنَ ۝ (الغالب: ۴۶)

کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

جنت کی نعمت عظمیٰ بھی صبر کرنے والوں ہی کا حصہ ہے، ارشاد ہے:-

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

”کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل

وَلَمَّْا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا

ہو گے! حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم میں

مِنْكُمْ وَيَعْلَمُ الصَّابِرِيْنَ ۝

ان لوگوں کو (آزمائے) نہیں دیکھا، جنہوں

(آل عمران: ۱۴۲)

نے خوب جہاد کیا ہو اور جو صبر کرنے والے ہوں۔“

یہ صرف چار فضائل کے متعلق آیات قرآنیہ کی چند مثالیں ہیں، تمام آیات و احادیث جہوج کی جائیں تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے، ان مثالوں سے بتانا یہ مقصود ہے کہ شرعی فرائض صرف ظاہری اعمال میں منحصر نہیں، فضائل کا حاصل کرنا بھی نماز روزہ وغیرہ کی طرح فرض ہے، بلکہ خود نماز روزہ وغیرہ بھی ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔

ردائل

رذائل وہ ناپاک باطنی اخلاق و اعمال ہیں جن کو قرآن و سنت میں حرام و شرار دیا گیا ہے، ان کی بھی یہاں فہرست دینا نہ ممکن ہر نہ مقصود، چند مثالیں یہ ہیں:

تکبر کے بارے میں قرآن حکیم نے صاف الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ:-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور جسے اللہ پسند نہ کرے اس کا ٹھکانا جہنم کے سوا کہاں ہوگا؟ چنانچہ ارشاد ہے:

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوٰی لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ؟

”کیا ان متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟“

(زمر: ۶۰)

شافع محشر جہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف صاف بتا دیا کہ:-

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ

”جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو

قَلْبِهٖ مِّثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ ۝

وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

لہ مسلم شریف، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ ص ۶۵ ج ۱۔



ریا، ایسا خطرناک باطنی رذیلہ ہے کہ وہ انسان کی بہتر سے بہتر عبادت کو تباہ کرتا بلکہ اللہ عذاب میں گرفتار کر کے چھوڑتا ہے، قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ:

تَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۚ الَّذِي بَيْنَ هُمْ  
عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ الَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ ۚ (ماعونہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا کو ”چھوٹی قسم کا شرک“ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

”اِنَّ اخوت ما اخات عليكم  
الشرك الا صغرى، قالوا: وما  
الشرك الا صغرى يا رسول الله!  
قال الرياء يقول الله عز وجل  
يوم القيامة اذا جازى العباد  
باعمالهم، اذهبوا الى الذين  
كنتم تراءون في الدنيا،  
فانظروا هل تجدون عندهم  
الجزاء (مسند احمد، طبرانی،  
بیہقی، شعب الایمان)

حسد؛ وہ باطنی بیماری ہے کہ اس کا بیمار دنیا میں تو چین پاتا ہی نہیں، اس کی آخرت بھی برباد ہو کر رہتی ہے، قرآن پاک کے بیان کردہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب پہلا گناہ ہے جو آسمان میں کیا گیا، اور سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین پر کیا گیا، کیونکہ آسمان پر ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا، اور زمین پر سب سے پہلا قتل جو قابیل نے ہابیل کا کیا تھا وہ بھی اسی حسد کا شاخسانہ تھا۔

۱۵ حافظ زین الدین عراقی نے شرح احیاء العلوم میں کہا ہے کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں، دیکھئے احیاء العلوم مع شرح، ص ۲۵۴، ج ۳۔

۱۵ احیاء العلوم، ص ۳۳ و تفسیر معارف القرآن، ص ۸۴۵ ج ۸ بحوالہ تفسیر سترپی۔

حسد کا شرارتنا خطرناک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تلقین کی گئی کہ آپ اس کے شر سے پناہ مانگیں:-

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۚ  
(الفلق: ۵)

اور آپ کہتے ہیں کہ میں پناہ مانگتا ہوں، حسد کرنے والے کے شر سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ:-

اَيُّكُمْ وَالْحَسَدَ، قِيَانُ الْحَسَدِ  
يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا يَأْكُلُ  
النَّارُ الْخَطْبَ،

”تم حسد سے بچو، اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا... (برباد کر دیتا) ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔“

اسی طرح بخل باطن کی وہ رذیلہ خصلت ہے جو انسان کو ہر مالی ایثار و قربانی سے روکتی ہے، اس باطنی بیماری کا ذکر قرآن حکیم نے ان خصلتوں کے ساتھ کیا ہے جو کافر دل کا خاصہ ہیں، ارشاد ہے:-

وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۚ  
وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۚ فَسَيَبْتَلَى ۚ  
لِلْعُسْرَى ۚ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ  
إِذَا أَتَرَدَّى ۚ  
(اللیل: ۸ تا ۱۱)

”اور جس نے بخل کیا، اور بے پروائی تقویٰ کی اور اچھی بات کو جھٹلایا، ہم اس کو رفتہ رفتہ سختی میں پہنچا دیں گے، اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا، جب وہ (جہنم) کے گڑھے میں گرے گا۔“

جس شخص کا بخل اس حد تک پہنچ گیا، ہو کہ شریعت نے جو مالی واجبات اس کے ذمہ کئے ہیں ان کی ادائیگی سے بھی محروم ہو جائے، اس کیلئے قرآن حکیم میں سخت عذاب کی خبر دی گئی ہے:-

وَلَا يَحْصِبَنَّ الَّذِي يَبْخُلُونَ  
بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ  
هُوَ خَيْرٌ أَلَيْسَ لَهُمْ بَلْ هُوَ كَثِيرٌ لَّهُمْ  
سَيُطَوَّقُونَ مَا بَعِلُوا بِهِ يَوْمَ  
الْقِيَامَةِ ط

”جو لوگ ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہو وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ بات ان کے لئے کچھ اچھی ہوگی، بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بُری ہے، ان لوگوں کو قیامت

۱۵ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الحسد، ص ۶۷، ج ۲، ص ۱۲ المطالع۔



کے دن اس مال کا (سانپ بنا کر) طوق پہنایا جائے گا، جس میں انھوں نے بخل کیا تھا“  
 بخل کا بیمار دوسروں کے ساتھ نہیں بلکہ درحقیقت وہ خود اپنے ساتھ بخل کرتا ہے، وہ  
 اس کی بدولت اس دنیا میں اپنے آپ کو ہر دوسری اور نیک نامی بلکہ جائز آرام و راحت  
 تک سے، اور آخرت میں ثواب کی نعمت سے محروم رکھتا ہے، قرآن حکیم نے اسی حقیقت کی  
 طرف توجہ دلائی ہے کہ:

فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۚ وَمَنْ يَبْخُلْ  
 قَاتِلًا يُبْخَلْ عَنْ نَفْسِهِ ۖ  
 (محمد: ۳۸)

بخل ہی کے بدترین درجہ کا نام ”بُخْلُ“ ہے، قرآن پاک نے بتایا کہ فلاح و کامیابی  
 اپنی لوگوں کا مقدر ہے جو شخص سے محفوظ ہوں :-

وَمَنْ يُؤَخِّرْ نَفْسَهُ فَإِنَّهَا  
 هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۚ  
 (حشر: ۹)

تصوّف اور علم تصوّف کی اصطلاحی تعریف  
 غرض ”فضائل“ اور ”ذائل“ کی ایک طویل فہرست ہے، تمام  
 باطنی خصلتوں کا الگ الگ بیان، ہر ایک کی حقیقت و  
 ماہیت، اس کے اسباب و علامات، فضائل حاصل  
 کرنے کے طریقے اور ذائل سے چھٹکارا پانے کی تدابیر، یہ تفصیلات تو تصوّف کی کتابوں اور  
 صوفیاء کرام کی مجلسوں میں ملیں گی، یہاں ان مثالوں سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ  
 جس طرح ظاہر کے کچھ اعمال فرض عین اور کچھ حرام ہیں اسی طرح باطن کے اعمال میں بھی کچھ  
 فرض عین ہیں، اور کچھ حرام، اور ان باطنی فرائض پر عمل کرنا اور باطن کی حرام خصلتوں سے  
 اجتناب کرنا ہی تصوّف ہے، چنانچہ علم تصوّف کی اصطلاحی تعریف جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ”احیاء العلوم جلد ثالث“ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ”التبیین“ اور ”تعلیم الدین“ اور ”روح تصوّف“ و ”قصیدہ سبیل“ وغیرہ۔  
 ۲۔ دیکھئے احیاء العلوم، ص ۱۹، ج اول (مطبوعہ مصر)۔

نے تفصیل سے بیان کی ہے، اس کا جامع مانع خلاصہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ:-

هُوَ عِلْمٌ يُعْرِفُ بِهِ الْاَنْوَاعَ  
 الْفَضَائِلِ وَكَيْفِيَّةَ اَكْتِسَابِهَا،  
 وَاَنْوَاعَ الرَّذَائِلِ وَكَيْفِيَّةَ  
 اجْتِنَابِهَا،  
 تصوّف وہ علم ہے جس سے اخلاق حمیدہ  
 کی قسمیں اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ  
 اور اخلاق رذیلہ کی قسمیں اور ان سے بچنے کا  
 طریقہ معلوم ہوتا ہے ۛ

فقہ کی طرح علم تصوّف کا بھی ایک حصہ  
 فرض عین پورا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے  
 جس طرح ہر مرد و عورت پر اپنے اپنے  
 حالات و مشاغل کی حد تک ان کے  
 فقہی مسائل جاننا فرض ہے اور پورے

فقہ کے مسائل میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا اور مفتی بننا سب پر فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ  
 ہے، اسی طرح جو اخلاق حمیدہ کسی میں موجود نہیں انھیں حاصل کرنا اور جو ذائل اس کے نفس  
 میں چھپے ہوئے ہیں ان سے بچنا تصوّف کے جتنے علم پر موقوف ہے اس کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے  
 اور پورے علم تصوّف میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا کہ دوسروں کی تربیت بھی کر سکے، یہ  
 فرض کفایہ ہے۔

۱۔ رد المحتار مع الدر المختار، ص ۴۰ ج اول -

۲۔ فرض کی دو قسمیں ہیں؛ فرض عین اور فرض کفایہ، فرض عین اُس فرض کو کہا جاتا ہے جس کا ادا  
 کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر ضروری ہے، بعض مسلمانوں کے کر لینے سے باقی مسلمان سبکدوش نہیں ہوتے  
 جیسے نماز روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ، اور فرض کفایہ وہ فرض ہے جو بعض لوگوں کے بقدر ضرورت ادا  
 کرنے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسے مسلمان میت کے کفن و دفن کا انتظام، نماز  
 جنازہ اور جہاد وغیرہ، پورے فقہ اور پورے علم تصوّف میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا بھی فرض کفایہ ہے کہ  
 اگر کسی بستی میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جو وہاں کے مسلمانوں کو پیش آنے والے شرعی مسائل بتا سکے  
 اور ان کے تزکیہ اخلاق کا کام بقدر ضرورت کر سکے تو اس بستی کے باقی مسلمانوں کے ذمہ سے یہ فرض ساقط  
 ہو جاتا ہے، اور اگر اس شہر میں ایک شخص بھی ایسا موجود نہ ہو تو وہاں کے لوگوں پر فرض ہے کہ ایسا عالم  
 اپنے یہاں تیار کریں یا کہیں اور سے بلا کر رکھیں، درنہ سب اہل شہر گنہگار ہوں گے (تفسیر معارف القرآن؛  
 ص ۴۸ تا ۴۹ ج ۴)۔

۳۔ رد المحتار مع الدر المختار، ص ۴۰ ج اول، و تفسیر معارف القرآن سورۃ توبہ آیت ۱۲ ص ۴۹ ج ۴۔



## صوفی و مرشد

جس طرح فقہ کے ماہر کو فقیہ "مفتی" اور مجتہد کہتے ہیں اسی طرح تصوف و سلوک کے ماہر کو صوفی، "شیخ" "مرشد" اور عام زبان میں "پیر" کہا جاتا ہے، جس طرح قرآن و سنت سے فقہی مسائل و احکام نکالنا اور حسب حال شرعی حکم معلوم کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں، بلکہ رہنمائی کیلئے اُستاد یا "فقیہ اور مفتی" کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اسی طرح باطنی اخلاق کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنا ایک نازک اور مشکل کام ہے جس میں بسا اوقات مجاہدوں، ریاضتوں اور طرح طرح کے نفسیاتی علاجوں کی ضرورت پیش آتی ہے، اور کسی ماہر کی رہنمائی کے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا، اس نفسیاتی علاج اور رہنمائی کا فریضہ شیخ و مرشد انجام دیتا ہے۔

اسی لئے ہر عاقل و بالغ مرد و عورت کو اپنے تزکیۂ اخلاق کے لئے ایسے شیخ و مرشد کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جو قرآن و سنت کا متبع ہو، اور باطنی اخلاق کی تربیت کسی مستند شیخ کی صحبت میں رہ کر حاصل کر چکا ہو۔

بیعت سنت ہے بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مرشد اور اس کے شاگرد (مرید) کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، مرشد یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا سکھائے گا، اور مرید وعدہ کرتا ہے کہ مرشد جو بتلائے گا اس پر عمل ضرور کرے گا، یہ بیعت فرض و واجب تو نہیں، اس کے بغیر بھی مرشد کی رہنمائی میں اصلاح نفس کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے، لیکن بیعت چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہو اور معاہدہ کی وجہ سے فریقین کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس بھی قوی رہتا ہے، اس لئے بیعت سے اس مقصد کے حصول میں بہت برکت اور آسانی ہو جاتی ہے۔

کشف کرامات مقصود نہیں جب اصلاح نفس کا مقصد ضروری حد تک حاصل ہو جاتا ہے، یعنی اپنے ظاہری اور باطنی اعمال قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

لفی شیخ میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہو اس کے لئے ملاحظہ فرمائیے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا رسالہ "تصدیق سہیل" ہدایت سوم ص ۵۔

کشف کرامات مقصود نہیں جب اصلاح نفس کا مقصد ضروری حد تک حاصل ہو جاتا ہے، یعنی اپنے ظاہری اور باطنی اعمال قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

لفی شیخ میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہو اس کے لئے ملاحظہ فرمائیے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا رسالہ "تصدیق سہیل" ہدایت سوم ص ۵۔

کی پیروری زندگی کے ہر گوشہ میں ہونے لگتی ہے، تو ایسے بعض لوگوں پر بعض حالات میں کشف و الہام اور کرامات کا ظہور بھی ہو جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے، جیسا کہ متعدد صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہ کے واقعات معروض ہیں، مگر یہ کشف و کرامات نہ فقہ کا مقصود ہیں نہ تصوف کا، نہ اُن پر دین کا کمال موقوف ہے نہ علم دین کا بلکہ بعض پوشیدہ یا آئندہ پیش آنے والی باتیں معلوم ہو جانا یا عجیب و غریب واقعات کا پیش آ جانا تو کمال دین کی دلیل بھی نہیں، کیونکہ اس قسم کی چیزیں تو مشق کرنے سے بعض اوقات ایسے لوگوں کو بھی پیش آ جاتی ہیں جو دین کے پابند نہ ہوں، مسمریم اور جادو کرنے والوں کی شعبدہ بازیاں بھی دیکھنے میں تو عجیب و غریب ہی ہوتی ہیں، مگر ان کے لئے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، خلاصہ یہ کہ کشف و کرامات شعبدہ بازی نہیں ہوتی، بلکہ محض اللہ جل شانہ کا عطیہ ہے جو وہ اپنے کسی نیک بندے کو بعض حالات میں دیدیتا ہے، مگر یہ تصوف کا مقصود نہیں اور دین کا کوئی کمال اس پر موقوف نہیں۔

مقصود صرف اتباع شریعت دین کا کمال تو اپنے ظاہر و باطن میں شریعت پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے میں ہے، اسی سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے، اور یہی فقہ اور تصوف کا حاصل و مقصود ہے، یہ مقصود نہ فقہ پر عمل کے بغیر حاصل ہو سکتا ہے نہ تصوف کے بغیر، تصوف کا مقصود نہ بیعت ہے نہ ریاضتیں اور مجاہدے ہیں، اور نہ کشف و کرامات، بیعت اور مجاہدے مقصود حاصل کرنے کے ذرائع ہیں، اور کشف و کرامات مقصود حاصل ہو جانے کے بعد اللہ کی طرف سے ایک قسم کا مزید انعام ہیں، کسی کو یہ انعام ملتا ہے، کسی کو کسی اور انعام سے نوازا دیا جاتا ہے، بالعرض جسے مجاہدوں اور ریاضتوں کے بغیر ہی اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح نصیب ہو جائے اور زندگی بھر ایک بار بھی سچا خواب نظر نہ آئے، نہ کسی کشف و کرامت کا ظہور ہو اس کے بھی ولی اللہ اور مؤمن کامل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس سے کشف و کرامت کا ظہور ہوتا ہو وہ اس کے مقابلہ میں زیادہ کامل و افضل ہو، مدار کمال و انضلیت تو صرف اور صرف تقویٰ پر ہے، جس میں زیادہ تقویٰ ہے وہی زیادہ افضل اور اللہ عز و جل کا زیادہ مقرب ہے، قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ:-



إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

(حجرات: ۱۳)

اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ

ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

تصوف کی حقیقت جو ان صفحات میں بیان کی گئی، تصوف کی تمام مستند کتابیں اسی اجمال کی تفصیل ہیں، تمام فقہاء اور صوفیاء کرام اس کی تعلیم و تربیت کرتے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ اسی تصوف اور اسی فقہ پر عمل کا کامل نمونہ ہے، اور یہی ایمان کے بعد قرآن و سنت کی تعلیمات کا حاصل ہے۔

اس سلسلہ میں اس شرط و تفریط اور مگر اہمیاں

فقہ اور تصوف کی جو حقیقت پچھلے صفحات میں بیان ہوئی اور انہیں جو گہرا ربط قرآن و سنت کی روشنی

میں بیان کیا گیا یہ اتنا صاف اور واضح ہے کہ اُمت کے تمام مفسرین و محدثین اور تمام صوفیاء و عارفین کا اس پر اجماع و اتفاق چلا آ رہا ہے، جس نے قرآن و سنت یا فقہ و تصوف کا مطالعہ کیا اس کے لئے اس میں کسی شبہ یا تردد کی گنجائش نہیں۔

مگر نہ جانے کیوں فقہ اور تصوف کے سلسلہ میں مسلمانوں کا خاصا بڑا طبقہ افراط و تفریط بلکہ طرح طرح کی گمراہیوں کا شکار ہو گیا، ان لوگوں نے فقہ اور تصوف کو سمجھے بغیر ان کے بارے میں عجیب و غریب مزعومات قائم کر لئے، جنہیں صرف فقہ کی کتابیں ہاتھ لگیں، مگر نہ علماء صلحاء کی تعلیم و تربیت ملی، نہ تصوف کی مستند کتابوں تک رسائی ہوئی، بلکہ جاہل مدعیان تصوف کی خود ساختہ غلط روش دیکھ کر اس کو تصوف سمجھ بیٹھے، انھوں نے دین اور احکام دین کو صرف فقہ میں منحصر جان کر سرے سے تصوف ہی سے بیزاری اختیار کر لی، اور تصوف کو دین سے خارج بلکہ الحاد و زندقہ قرار دے لیا یہ ایک شدید گمراہی ہے جو خالص بڑے طبقہ میں پائی جاتی ہے۔

ایک اور گمراہی اس سے کم درجہ کی مگر اس لحاظ سے نہایت تشویشناک ہے کہ وہ علم دین کے بعض طلبہ بلکہ بعض نام نہاد اہل علم میں بھی پائی جاتی ہے کہ انھوں نے تصوف کو دین سے خارج تو نہیں سمجھا، مگر نہ جانے کیوں یہ خیال کر بیٹھے کہ اس کا حاصل کرنا محض مباح یا مستحب ہی، شرعاً فرض و واجب نہیں، اصلاح باطن بھی ہو گئی تو جنت میں درجات بڑھ جائیں گے، نہ ہوئی تو جنت میں جانے کے لئے ظاہری اعمال کافی ہیں۔

دوسری طرف جاہل مدعیان تصوف کی گرم بازاری ہے۔ صوفیوں نے تصوف و طریقت کی اہمیت کو تو تسلیم کیا مگر اس کی حقیقت کو گم کر ڈالا، کسی نے کہا ”طریقت اور ہے شریعت اور،

فلاں بات اگرچہ شرع میں ناجائز ہے مگر فقہی میں جائز ہے، ان لوگوں نے تصوف کو ”رازینہ“ قرار دے کر اس میں گھڑت ”راز“ کی بنیاد پر دین کے کتنے ہی حرام کاموں کو حلال کر ڈالا، اور دین و تصوف کے نام پر الحاد و بے دینی کا شکار ہو گئے۔

کسی نے تعویذ گنڈوں کا اور کسی نے مریدوں سے نذرانے وصول کرنے کا نام تصوف رکھ لیا، کسی نے پیر صاحب سے بیعت ہونے ہی کو جنت کا پروانہ سمجھا، اور اصلاح نفس و اعمال سے غافل ہو کر مطمئن ہو گئے، کہ ”پیر صاحب بخشش کر دیں گے“ کسی نے دل کی خاص قسم کی دھڑکنوں کو اور کسی نے ”غیب کی باتیں“ بتلانے کو تصوف کا کمال سمجھ لیا، کسی نے صرف تسبیحات و وظائف اور نوافل کو تصوف و طریقت کا نام دے لیا، اور ظاہر و باطن کی اصلاح سے بے فکر ہو کر کتنے ہی فرائض اور حقوق العباد کو پامال کر ڈالا، کسی نے مجاہدوں، ریاضتوں، چلہ کشی، رہبانیت اور ترک دنیا کو طریقت و سلوک کی محراج قرار دے کر بال بچوں، ماں باپ اور اعزہ و اقارب سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنے ہی کو دین کا مقصود سمجھ بیٹھے۔

غرض یہ اور اسی طرح کی بہت سی گمراہیاں تصوف اور فقہ کے بارے میں پھیلی ہوئی ہیں، ... انتہا پسندی کا دور دورہ ہے، ایک جانب افراط ہے دوسری جانب تفریط اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسراط و تفریط کے بچوں پر راہ اعتدال ہے، وہ ترک دنیا کو دین نہیں کہتا، بلکہ دنیا کے تمام کاروبار کو شریعت کے قالب میں ڈھال کر تصوف کی راہ سے کارِ ثواب بنا دینا چاہتا ہے، وہ شریعت و طریقت کے تضاد کو نہیں مانتا، بلکہ دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کا قائل ہے، شریعت جسم ہے تو طریقت اس کی روح، تصوف فقہ کے بغیر ناکارہ ہے اور فقہ تصوف کے بغیر بے جان، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ:-

”شریعت بغیر طریقت کے نرا فلسفہ ہے، اور طریقت بغیر شریعت

کے زندہ و الحاد ہے

مشہور مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی جو بڑے درجہ کے صوفی بھی ہیں فرماتے ہیں کہ:-

”جن شخص کا ظاہر پاک نہ ہو اس کا باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا“

۱۵ تہمیل قصہ حبیبیل، ص ۸۔



چھٹی صدی ہجری کے تصوف کے مشہور امام شیخ عبدالقادر سرہروردی رحمۃ اللہ علیہ (پہلی بانی سلسلہ سرہروردیہ ہیں) نے حضرت سہیل بن عبداللہ کا یہ ارشاد اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے کہ:-

كُلُّ وَجْدٍ لَا يَشْهَدُ لَهُ الْكِتَابُ  
وَالسُّنَّةُ قَبَاطِلُ | جس وجدی کیفیت کی کوئی شہادت  
قرآن و سنت میں موجود نہ ہو وہ باطل ہے

یہی وہ حقیقت ہے جس کے برملا اظہار کے لئے ہمیں فقہ کے تعارف میں تصوف کا تعارف بھی خاصی تفصیل سے کرنا پڑا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان شرائط و تفریط کی بھول بھلیاں سے محفوظ و مامون فرمائے، اور قرآن و سنت کی صراط مستقیم پر گامزن فرما کر جنت کی لازوال نعمتوں سے مالا مال فرمائے، آمین۔

آدم بر سر مطلب | اب ہم اپنے اصل موضوع ”فقہ“ کی جانب لوٹتے ہیں، فقہ کی تعریف پیچھے ضروری تفصیل کے ساتھ سامنے آچکی ہے، جس کا حاصل متاخرین کی اصطلاح کی روش سے یہ ہے کہ:-

”انسان کے ظاہری اعضاء سے کئے جانے والے ہر کام کے متعلق قرآن، سنت، اجماع یا قیاس کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ یہ جاننے کو فقہ کہا جاتا ہے، کہ وہ کام فرض ہے یا واجب یا مستحب یا مباح یا حرام یا مکروہ“

موضوع بھی پیچھے معلوم ہو چکا ہے کہ ”انسان کے ظاہری اعمال“ فقہ کا موضوع ہیں۔ فقہ کے مآخذ یعنی احکام شرعیہ کے دلائل فقہ کی تعریف کے ذیل میں کسی درجہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام شرعیہ کے دلائل صرف چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع، قیاس، تمام شرعی احکام انہی میں سے کسی نہ کسی دلیل سے حاصل کئے جاتے ہیں، اسی لئے اُن کو ”فقہ کے مآخذ“ بھی کہا جاتا ہے، یہاں ان چاروں مآخذ کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:-

۱۔ پہلا مآخذ قرآن حکیم | قرآن حکیم کے نام یوں تو بعض علماء کرام نے نونے سے بھی ار پر بتائے ہیں، مگر مشہور نام جو خود قرآن نے بتائے پانچ ہیں:-  
۱۔ عوارث المعارف، ۲۔ حاشیہ احیاء العلوم، ۳۔ ج اول، مطبوعہ مصر۔  
۴۔ مناب العرفان، ۵۔ لآلہ، ۶۔ ج ۸، ۱، مطبوعہ مصر۔

القرآن، الفرقان، الکتاب، الذکر، التنزیل، ان میں بھی سب سے زیادہ مشہور نام ”قرآن“ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کو کم از کم اکتھ مقامات پر اسی نام سے یاد کیا ہے، مگر اصول فقہ کی کتابوں میں جس نام کا زیادہ استعمال ہوا وہ ”الکتاب“ ہے۔

جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ قرآن نے سورۃ فاتحہ کے بعد سب سے پہلی سورت کے بالکل شروع میں اپنا ہی نام بتایا ہے، ارشاد ہے:-

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ | یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں  
قرآن حکیم اس کائنات کی مشہور ترین کتاب ہونے کے باعث درحقیقت تو کسی تعارف کا محتاج نہیں، مگر علماء اصول فقہ جن کا منصب ہی یہ ہے کہ جوابات بھی فقہ کے دلائل سے متعلق ہوں اسے قاعدہ ضابطہ میں لے آئیں، جوابات کہیں بھی ملی ہو، انہوں نے قرآن حکیم جیسی بدیہی کتاب کی بھی تعریف کی ہے، تعریف بیان کر دینے میں بعض مصلحتیں ان کے پیش نظر تھیں جن کے ذکر کرنے کا یہاں فائدہ نہیں، بہر حال قرآن حکیم کی جو اصطلاحی تعریف کی گئی ہے یہ ہے کہ:-

”قرآن اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بہ لفظ نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا، اور آپ سے بغیر کسی شبہ کے تواتر کے ساتھ منقول ہے“

دجی کی دو قسمیں | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی بھی گئی وہ دو قسم کی تھی، ایک تو یہی قرآن حکیم جس کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ جل شانہ کی طرف سے ہیں، یعنی جس طرح اس کے مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اسی طرح اس کے الفاظ بھی بعینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں، الفاظ کے انتخاب، ترکیب، یا اسلوب و انشاء میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کوئی دخل ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، اس وحی کو ”وحی متلو“ کہا جاتا ہے، یعنی ایسی وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے، وحی کی یہ قسم پوری کی پوری حفاظ قرآن کے سینوں میں اور قرآنی مصاحف میں ہمیشہ کے لئے اس طرح محفوظ رکھی گئی ہے کہ اس کا ایک حرف بلکہ کوئی نقطہ بھی نہ بدلا جاسکے نہ بدلا جاسکے گا۔



دوسری قسم وحی کی وہ ہے جو قرآن پاک کا جزو بنا کر نازل نہیں کی گئی، اس کے ذریعہ آپ کو بہت سی تعلیمات اور شریعت احکام اس طرح بتائے گئے ہیں کہ آپ کے قلب مبارک پر صرف معانی و مضامین کا الفاظ ہوتا تھا، الفاظ اس کے ساتھ نہ ہوتے تھے، اُن معانی و مضامین کو آپ نے صحابہ کرام کے سامنے کبھی اپنے الفاظ سے کبھی اپنے افعال اور کبھی دونوں کے بیان فرمایا، وحی کی اس قسم کا نام وحی غیر متلو ہے، یعنی ایسی وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی، اسی وحی کو ”حدیث“ اور ”سنت“ کہا جاتا ہے، جس کا مفصل تعارف آگے آرہا ہے۔

## تواتر

تواتر کسی خبر کے اس طرح پے درپے نقل ہونے کو کہتے ہیں کہ جب وہ خبر وجود میں آئی اس وقت اُسے ہر زمانے میں لوگوں کی اتنی بڑی تعداد بلا اختلاف نقل کرتی چلی آئی ہو کہ عقل یہ باور نہ کرے کہ ان سب نے سازش کر کے جھوٹ بولا ہوگا یا سب کو مغالطہ لگ گیا ہوگا، جو خبر اس طرح ہے تواتر کے ساتھ منقول ہوا ہے ”متواتر“ کہتے ہیں، ایسی خبر دنیا کے تمام قابل ذکر اہل عقل اور ادیان مذاہب کے نزدیک ہمیشہ قطعی اور ہر شک و شبہ سے بالاتر بھی جاتی ہے، اس کے ایسا ہی یقین حاصل ہوتا ہے جیسا مشاہدے ہوتا ہے، ہم نے شہر نیویارک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر امریکہ کے اس شہر کا ذکر اور اسکی متفرق تفصیلات اتنی بیشمار انسانوں کے سنی ہیں کہ عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ نیویارک امریکہ کا کوئی نہرونی ہو، اور جتنے لوگوں نے اخبار اور سائل ہمیں اس کے حالات بتائے ان سب نے سازش کر کے متفقہ طور پر جھوٹ بولا ہوگا یا سب ہی کو مغالطہ لگ گیا ہوگا وہ پاکستان کے کسی گاؤں کو امریکہ کا عظیم شہر نیویارک سمجھ بیٹھے ہوں یہ تو اتنی ہی ہے جسکی بنا پر ہم نیویارک کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بغیر امریکہ کا بڑا شہر یقین کر لیں، اس یقین کو اگر ہم اپنے ذہن اور حافظہ سے کھرچنے کی کتنی بھی کوشش کریں تو ظاہر ہے کہ بے سود ہوگی

تواتر کی ہی یہ قوت ہے جسے اسلام بھی تسلیم کیا ہے، اور خبر متواتر کے ثبوت کو ہر قسم کے جھوٹ اور جھول چوک کے شبہ سے بالاتر قرار دیا ہے، قرآن کریم بھی حرت بہ حرت تواتر ہی کیساتھ منقول ہے، بلکہ اس کے تواتر کا تو حیل ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اللہ کا کلام بنا کر امت کے سامنے پیش کیا اس وقت اب تک اسے جو کاتون نقل کر نیوالوں اور حفظ کر نیوالوں کی اتنی بڑی تعداد ہر زمانہ میں ہی ہے کہ کسی بھی زمانہ میں اُن کو شمار نہیں کیا جاسکا، ایک نسل دوسری نسل کو اور دوسری تیسری کو اللہ کا یہ پیغام حرت بہ حرت پہنچاتی رہی اور قیامت تک پہنچاتی رہے گی۔

## ۲۔ دوسرا ماخذ سنت

لفظ ”سنت“ لغت عرب میں ”طریقہ اور عادت“ کے لئے اور فقہ میں ایسی عبادت کے لئے استعمال ہوتا ہے جو فرض یا واجب ہو، اور علم حدیث اور اصول فقہ کی اصطلاح میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو سنت کہا جاتا ہے، یہاں یہی اصطلاحی معنی مراد ہیں، سنت اور حدیث میں یہ فرق ہے کہ حدیث ”تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا نام ہے اور سنت آپ کے اقوال و افعال دونوں کا۔“ اقوال کی طرح آپ کے افعال بھی حجت ہیں یعنی احکام شرعیہ کی دلیل صرف حدیث

لہ مقدمہ فتح الملہم، ص ۵ ج اول، بحوالہ فخر الاسلام ہرزدوی و علامہ جزائری۔

نہیں، بلکہ سنت ہی جس طرح قرآن حکیم پورا کا پورا وحی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی امور دین کے متعلق سب کی سب وحی ہیں، اور آپ کے تمام اعمال و اخلاق وحی کے عین مطابق، اس لئے قرآن پاک کے بعد شرعی احکام کا سب سے بڑا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

**سنت کو خود قرآن نے**  
**حجت قرار دیا ہے**

”قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے، یہ تمھارے ساتھ رہنے والے (پیغمبر) نہ راہ حق سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ ہوئے اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے بائیں بنتے ہیں، اُن کا ارشاد نری وحی ہے“

وَالتَّجْمُ  
إِذَا هَوَىٰ هَ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ  
وَمَا غَوَىٰ هَ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ  
إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ه  
(التجیم: ۳۱)

جو اُن پر وحی بھیجی جاتی ہے (خواہ الفاظ کی بھی وحی ہو جو قرآن کہلاتی ہے، خواہ صرف معانی کی ہو جو سنت کہلاتی ہے، اور خواہ وحی جسزنی ہو یا کسی قاعدہ کلیہ کی ہو جس سے اجتہاد فرماتے ہوں)۔

سورہ قلم میں بھی آپ کے اخلاق و عادات کی عظمت کا اعلان قسم کھا کر کیا گیا ہے:-  
وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ه  
(القلم: ۴)

قرآن ہی نے آپ کے پورے طرز زندگی کو سب مسلمانوں کے لئے اللہ کا پسندیدہ نمونہ بنا کر پیش کیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ  
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب: ۲۰)

اسی نمونہ کو اللہ کی محبت کا معیار ٹھہرا کر مسلمانوں کو یہ مرزہ سنایا کہ:-  
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ  
فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ  
لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ه

آپ فرمادیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا،



(ال عمران: ۳۱)

اور صاف الفاظ میں حکم دیا کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا  
اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

(نساء: ۵۹)

اور بتایا کہ آپ کی اطاعت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ  
اللَّهَ

(نساء: ۸۰)

غرض وحی ہونے کے اعتبار سے قرآن و سنت میں کوئی فترق نہیں، دونوں کی اطاعت واجب ہے، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔

آثار صحابہ کی فقہی حیثیت

یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، اور وہ یہ کہ بعض شرائط کے ساتھ صحابہ کرام کے آثار یعنی اقوال و افعال سے بھی شرعی احکام ثابت کرنے میں ایک حد تک استدلال کیا جاتا ہے، مگر ان کے سب اقوال و افعال مکمل دلیل فقہ کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ ان میں کچھ تفصیل ہے جو اصول فقہ اور اصول حدیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے، چونکہ یہ کوئی مستقل دلیل نہیں بلکہ سنت ہی کے تابع ہے، لہذا اس دلیل کو الگ شمار نہیں کیا جاتا۔

قرآن اور سنت کے درمیان درجہ کا تفاوت

یہ بات پیچھے واضح ہو چکی ہے کہ وحی ہونے نہیں اور دونوں ہی کی اطاعت لازم ہے، مگر اس کے باوجود در بنیادی فرق ایسے ہیں جن کا اثر فقہ کے بہت سے احکام پر پڑتا ہے:

(۱) ایک یہ کہ قرآن کریم "وحی مکتوب" ہے اور سنت "وحی غیر مکتوب" یعنی جیسا کہ پیچھے بیان ہوا قرآن کریم کے الفاظ اور معنی دونوں وحی ہیں، اور سنت کے صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کئے گئے ہیں، الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کو بلا وضو پھونکا جائز نہیں جبکہ حدیث شریف کو بلا وضو بھی چھو یا جاسکتا ہے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ با وضو ہو کر

چھو دیا جائے، نیز قرأت قرآن جو نماز میں فرض ہے وہ فرض حدیث کے پڑھ لینے سے ادا نہیں ہو سکتا۔  
۲۔ قرآن و سنت میں دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن کریم تو پورا پورا متواتر ہونے کی وجہ سے ..... قطعی الثبوت (قطعی اور بالکل یقینی طور پر ثابت شدہ) ہے، اور سنت کی تعلیمات چونکہ سب کی سب تواتر سے ثابت نہیں، لہذا اس کی جو تعلیمات تواتر سے ثابت ہو گئیں وہ تو قطعی الثبوت ہیں اور جو تعلیمات ہم تک بغیر تواتر کے مگر قابل اعتماد سند کے ذریعہ پہنچی ہیں وہ "ظنی الثبوت" (ظنی طور پر ثابت شدہ) ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن کریم کا تو ایک ایک حرف بلکہ زیر، زبر، پیش بھی ہم تک تواتر سے پہنچا ہے، لہذا اس کے متعلق ہمیں قطعی علم اور پختہ یقین ہے کہ یہی وہ بعینہ کلام ہے، جسے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے اللہ کا کلام بتا کر پیش کیا تھا، تواتر کی وجہ سے ہمیں اس کے ثبوت کے لئے سند اور راویوں کے حالات کی جانچ پڑتال کی ضرورت نہیں، کیونکہ سند اور راویوں کے حالات کی چھان بین کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جہاں روایت کریموالے تھوڑی تعداد میں ہوں، اور جہاں روایت کرنے والوں کی تعداد ہر زمانہ میں تواتر تک پہنچی ہوئی ہو وہاں سند اور راویوں کی تحقیق کا مطالبہ ذہنی شخص کر سکتا ہے جو دوپہر کی چٹپلائی دھوپ میں کھڑا ہو اور لوگوں سے وجود آفتاب کی دلیل مانگ رہا ہو۔

برخلاف سنت کے کہ وہ ہم تک سب کی سب تواتر سے نہیں پہنچی، بلکہ سنت کی کچھ تعلیمات تواتر سے اور کچھ بغیر تواتر کے سند کے ذریعہ پہنچی ہیں، جو تعلیمات بغیر تواتر کے پہنچی ہیں ان کے متعلق یہ علم حاصل کرنے کے لئے کہ یہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تعلیمات ہیں سند کے ایک ایک راوی کے حالات کی مکمل چھان بین اور سند کی نہایت دقیق اور پیچیدہ تحقیقات سے گزرنا پڑتا ہے، جن کے اصول "علم روایت حدیث" "فن اصول حدیث" "فن اسما الرجال" اور "فن اصول فقہ" میں بیان کئے گئے ہیں، ان تمام تحقیقات میں جو حدیث (غیر متواتر) سند کے اعتبار سے قابل اعتماد ثابت ہو اس سے ایک گونہ یقین اس بات کا حاصل ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مگر اس "ایک گونہ یقین" کے باوجود بھی ضعیف سا احتمال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ سند کے راویوں سے پوری کوشش اور احتیاط کے باوجود بھول چوک ہو گئی ہو، اس لئے ایک گونہ یقین قوت میں اس یقین کے برابر نہیں ہوتا، جو ... قرآن کریم یا سنت متواترہ سے حاصل ہوتا ہے۔



## ظن غالب کی حقیقت و اس کا درجہ

تواتر سے ہونے والے یقین کو "علم قطعی" کہا جاتا ہے، اور اس کا انکار کفر ہے، اور جو یقین تواتر کے بغیر سند سے حاصل ہوا اسے اصطلاح میں "ظن" کہتے ہیں، اس کا انکار گناہ ہے مگر کفر نہیں۔

عام طور پر ظن "کا اردو ترجمہ صرف "گمان" سے کر دیا جاتا ہے، مگر یاد رہے کہ اصول فقہ کی اصطلاح میں ظن سے مراد صرف گمان نہیں بلکہ ایک درجہ کا یقین مراد ہے، جسے "ظن غالب" کہا جاتا ہے، اور "ظن غالب" دنیا کے تمام ادیان و مذاہب، ہر ملک کے قوانین اور روزمرہ کے معاملات میں قابل اعتماد اور قابل استدلال قرار دیا جاتا ہے، دنیا بھر کی عدالتیں گواہیوں کی بنیاد پر بڑے بڑے فیصلے کرتی ہیں، ظاہر ہے کہ محض دو چار گواہوں کا بیان حد تواتر کو نہیں پہنچاتا، اور نہ اس کے بالکل سچ اور درست ہونے کا علم قطعی حاصل ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ احتمال عقلی طور پر موجود رہتا ہے کہ ان چاروں گواہوں نے سازش کر کے جھوٹ بولا ہو یا ان سب کو مغالطہ لگ گیا ہو، لہذا ان گواہیوں سے حاصل ہونے والا علم ظن غالب ہی ہے علم قطعی نہیں، علم قطعی تو وہ ہے جس میں عقل کے نزدیک جھوٹ یا مغالطہ کا کوئی احتمال سکر سے باقی ہی نہ رہے، غرض دنیا بھر کی عدالتوں میں گواہیوں پر اعتماد کر کے جو فیصلے کئے جاتے ہیں، وہ "ظن غالب" ہی کی بنیاد پر ہوتے ہیں، اسی طرح جو سنت تواتر سے تو ثابت نہ ہو، مگر ایسی قابل اعتماد سند کے ذریعہ پہنچی ہو کہ اس کے درست ہونے کا ظن غالب حاصل ہو جائے، شریعت میں اس کو حجت (یعنی فقہی دلیل) قرار دیا گیا ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ دلیل "ظنی" ہونے کے باعث "قطعی" سے کم درجہ کی ہو خلاصہ کلام یہ کہ تواتر و سنت کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن کریم تو پورا کا پورا متواتر ہونے کی وجہ سے قطعی ہے، اور سنت کی تمام تعلیمات چونکہ تواتر سے ثابت نہیں، اس لئے سنت متواترہ قطعی ہے اور سنت غیر متواترہ جو قابل اعتماد سند سے ثابت ہوئی ہو وہ ظنی ہے۔

## دلیل قطعی اور دلیل ظنی کے فرق کا اثر احکام پر

دلیل قطعی اور دلیل ظنی میں چونکہ قوت کے اعتبار سے تفاوت ہے لہذا ان سے ثابت ہونے والے احکام پر بھی اس تفاوت کا اثر ظاہر ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ سچے احکام شرعیہ کی جو سات قسمیں بیان ہوئی ہیں، یعنی فرض، واجب، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، ان میں فرض اور حرام کا ثبوت صرف دلیل قطعی سے ہو سکتا ہے، دلیل ظنی کسی فعل کی فرضیت یا حرمت ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں، اور باقی پانچ قسم کے احکام یعنی واجب، مستحب

مباح، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کا ثبوت "دلیل ظنی" سے بھی ہو سکتا ہے، قرآن کریم اور سنت متواترہ دونوں "قطعی الثبوت" ہیں، لہذا ان سے ساتوں قسم کے احکام ثابت ہو سکتے ہیں، اور سنت غیر متواترہ دلیل ظنی ہے، لہذا اس سے کسی فعل کا فرض یا حرام ہونا ثابت نہیں کیا جاسکتا، البتہ باقی پانچ قسم کے احکام اس سے بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔

مثلاً نماز اس لئے فرض ہے کہ تواتر قرآن کریم میں اس کا مطالبہ صراحت سے کیا گیا ہے، اسی طرح مثلاً ہر نماز میں رکعتوں کی ایک خاص تعداد یعنی فجر کی دو، مغرب کی تین، اور باقی تین نمازوں میں چار چار رکعتیں اگرچہ تواتر قرآن کریم سے صراحتاً ثابت نہیں مگر سنت متواترہ سے ان کی پابندی ثابت ہے، لہذا اس تعداد کی پابندی بھی فرض اور اس میں کمی بیشی حرام ہے، اور نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورت یا چند آیات پابندی سے پڑھنے کا مطالبہ نہ قرآن کریم سے صراحتاً ثابت ہے نہ سنت متواترہ سے، بلکہ اس کا ثبوت صرف سنت غیر متواترہ سے ہوا ہے، لہذا یہ واجب ہے فرض نہیں۔

فرض اور واجب میں یہی فرق ہے کہ فرض کا مطالبہ دلیل قطعی سے ہوتا ہے اور واجب کا مطالبہ دلیل ظنی سے، لہذا عمل تو دونوں پر ضروری ہے، اور خلاف درزی بھی دونوں کی گناہ ہے، مگر فرض کا انکار کفر ہے، واجب کا انکار کفر نہیں، اسی طرح حرام اور مکروہ تحریمی میں یہ فرق ہے کہ حرام کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے، اور مکروہ تحریمی کی ممانعت دلیل ظنی سے، دونوں کا ارتکاب گناہ ہے مگر حرام کی ممانعت کا انکار کفر ہے، مکروہ تحریمی کی ممانعت کا انکار کفر نہیں۔

فقہ کا تیسرا مأخذ "اجماع" لغت میں "اجماع" متفق ہونے کو کہتے ہیں، لغوی معنی کے اعتبار سے اتفاق اور اجماع ایک ہی چیز ہے، مگر اصطلاح شریعت

میں ایک خاص قسم کے اتفاق کو "اجماع" کہا جاتا ہے، جس کی تعریف یہ ہے کہ:-  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاء مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہو جانا "اجماع" ہے۔

یہ "اجماع" فقہ کا تیسرا مأخذ اور احکام شرعیہ کے چار دلائل میں سے ایک ہے، جس مسئلہ کے شرعی حکم پر اجماع منعقد ہو گیا ہے اسے "اجماعی فیصلہ" یا "مسئلہ اجماعیہ" یا "مسئلہ مجمع علیہا" کہا جاتا ہے، اس کی حیثیت احکام شرعیہ کی دلیل اور فقہ کا مأخذ ہونے کے اعتبار سے وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ہے، کہ جس طرح سنت متواترہ دلیل قطعی ہے اور سنت غیر متواترہ



دلیل ظنی، اسی طرح جو اجماعی فیصلہ ہم تک تو اترے پہنچا ہو وہ فقہی احکام کے لئے دلیل قطعی ہے، اور جو تو اتر کے بغیر قابل اعتماد روایت سے پہنچا ہو وہ دلیل ظنی۔

**اجماع کو خود قرآن و سنت**  
قرآن و سنت نے مسلمانوں پر اجماع کی پیردی ایسی ہی لازمی قرار دی ہے، جیسی وحی سے ثابت شدہ احکام کی پیردی لازم ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر شریعت کے احکام بذریعہ وحی آنے کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جانے والا تھا، اور یہ شریعت قیامت تک نافذ رہنے والی اور طرح طرح کے نئے مسائل امت کو قیامت تک پیش آنے والے تھے، لہذا آئندہ کے مسائل شرعی اصول پر حل کرنے کا انتظام اللہ جل شانہ نے یہ فرما دیا کہ خود قرآن و سنت میں ایسے اصول اور نظائر رکھ دیئے جن کی روشنی میں غور و فکر کر کے ہر زمانہ کے مجتہدین اس وقت کے پیدا شدہ مسائل کا شرعی حکم معلوم کر سکیں، اور جو فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں وہ اپنے متفقہ اقوال یا افعال سے کر دیں، اس کی پیردی بعد کے تمام مسلمانوں پر خود قرآن و سنت کے ذریعہ لازم اور اس کی خلافت درزی حرام قرار دیدی گئی۔

قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعزاز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امت کو ملا ہے، کہ اس کے مجموعہ کو اللہ تعالیٰ نے دینی امور میں ہر خطا، دلغزش سے معصوم اور محفوظ فرما دیا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اس امت کے کسی فرد سے دینی امور میں غلطی نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ بات تو ہر وقت مشاہدہ میں آتی ہے کہ اس امت میں بھی ہر قسم کے لوگ ہیں، نیکوکار متقی بھی ہیں، فاسق و فاجر بھی، ہر مسلمان سے بلکہ علماء و صلحا سے بھی فرداً فرداً بہت سے دینی امور میں غلطی ہو جاتی ہے، لہذا امت کا ہر فرد تو خطا، دلغزش سے معصوم نہیں، مگر امت کا مجموعہ معصوم ہے، یعنی پوری امت بحیثیت مجموعی متفقہ طور پر کوئی ایسا فیصلہ یا عمل نہیں کر سکتی جو قرآن و سنت اور اللہ کی مرضی کے خلاف ہو، جس طرح قرآن و سنت کا کوئی فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا اسی طرح کسی زمانہ کے تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ جو کسی دینی مسئلہ میں ہوا ہو غلط نہیں ہو سکتا، بعد کے تمام مسلمانوں پر اس کی پابندی لازم ہے۔

اس سلسلہ میں چند آیات قرآنیہ چنانچہ قرآن کریم نے بتایا کہ آخرت میں جو سزا کو ملے گی وہی سزا ان لوگوں کو دی جائے گی جو مسلمانوں کا متفقہ دینی طریقہ چھوڑ کر کوئی دوسرا

راستہ اختیار کریں گے، ارشاد ہے:-

(۱) وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمَوْعِظِينَ نُؤْتِهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ (نساء: ۱۱۵)

”اور جو شخص رسول و صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر ظاہر ہو چکا ہو اور سب مسلمانوں کے (دینی) راستہ کے خلاف چلے گا تو ہم اس کو (دنیا میں) جو کچھ وہ کرتا ہی کرنے دیں گے، اور (آخرت میں) اس کو

جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔“

معلوم ہوا کہ امت کے متفقہ فیصلے (اجماع) کی مخالفت گناہ عظیم ہے۔

(۲) قرآن کریم نے اس امت کے مجموعہ کو یہ مشورہ سنایا ہے کہ:-

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۝ (بقرہ: ۲۱۳)

”اور اسی طرح ہم نے تم کو ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور تمہاری (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے) لئے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ بنیں۔“

معلوم ہوا کہ اس امت کے جو اقوال و اعمال متفقہ طور پر ہوں وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست اور حق ہیں، کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو اس ارشاد کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ یہ امت نہایت اعتدال پر ہے، نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گواہ قرار دے کر دوسرے لوگوں پر اس کی بات کو حجت قرار دیا ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اس امت کا اجماع حجت ہے، اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجماع کا حجت ہونا صرف صحابہ یا تابعین کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر زمانہ کے مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے، کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت صرف صحابہ و تابعین نہ تھے، بلکہ قیامت تک آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپ کی امت ہیں تو ہر زمانہ کے مسلمان اللہ کے گواہ ہوں گے، جن کا قول حجت ہو، وہ سب کسی غلط کاری یا گمراہی پر



متفق نہیں ہو سکتے۔

(۳) قرآن حکیم ہی نے اس امت کو "خیر الامم" قرار دے کر اس کی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ اچھے کاموں کا حکم دیتی اور بُرے کاموں سے منع کرتی ہے، ارشاد ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ  
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ  
الْمُنْكَرِ وَذُوْا مِمَّنْ يَبْدُوْنَ

”تم سب بہتر امت ہو جو لوگوں کے رافع ہدایت  
بہانے کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا  
حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو، اور  
اللہ پر ایمان رکھتے ہو“

بجلی آیت کی طرح اس آیت میں بھی پوری امت سے بحیثیت مجموعی خطاب ہے، اور اس میں تین طریقوں سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اس امت کا اجماع شرعی حجت اور فقہی دلیل ہے۔

اول یہ کہ اس امت کو ظاہر ہے کہ بہترین امت اس لئے کہا گیا ہے کہ اس امت کا مجموعہ دین کی صحیح تعلیمات پر قائم رہے گا، اگرچہ اس کے بہت سے افراد الگ الگ دین میں کمزور بلکہ بہت کمزور ہوں، مگر ہر زمانہ میں اس امت کا مجموعہ مل کر اللہ کے دین کو مکمل طور پر بھلے رہے گا، پورا مجموعہ کبھی گمراہ نہ ہوگا، لہذا ان کا اجماع بھی لامحالہ حجت ہوگا، اس لئے کہ اگر ان سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو وہ اتفاق گمراہی پر ہوگا، پھر ایک گمراہ امت بہترین امت کیسے ہو سکتی ہے؟

دوسرے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے متعلق یہ تصدیق فرمادی ہے کہ ”یہ نیک کاموں کا حکم دیتی ہے“ معلوم ہوا کہ جس کام کا یہ حکم دے گی وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور نیک کام ہوگا، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ امت متفقہ طور پر جس کام کا حکم دے گی چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے لہذا اس کی پابندی سب پر لازم ہوگی۔

تیسرے اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ”یہ امت بُرے کاموں سے منع کرتی ہے“ معلوم ہوا کہ

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے احکام القرآن للجصاص، ص ۱۰۱ تا ۱۰۲، ج اول مطبوعہ مصر، ۱۳۴۲ھ  
وتفسیر معارف القرآن، ص ۳۷۲ تا ۳۷۳، ج اول۔

۲۔ دیکھئے شیخ ابوبکر جصاص رازی کی مشہور کتاب ”احکام القرآن“ ص ۴۱ ج ۲، طبع مصر،  
اور تہبیل الوصول ص ۳۷۳، طبع لبنان۔

جس کام سے یہ امت متفقہ طور پر منع کر دے وہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور بُرا ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

الحاصل اس امت کا اجماعی فیصلہ خواہ کسی کام کے کرنے کا ہو یا کسی کام سے باز رہنے کا، ہر صورت میں وہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگا، ورنہ اگر ان کے فیصلہ کو غلط قرار دیا جائے، یعنی جس کام کا اس نے حکم دیا اسے بُرا سمجھا جائے اور جس کام سے منع کیا اسے اچھا سمجھا جائے تو لازم آئے گا کہ یہ امت بُرائی کا حکم دینے والی اور اچھائی سے منع کرنے والی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات اس آیت کے صریح خلاف ہے۔

(۴) نیز قرآن کریم کا حکم ہے کہ:-  
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا  
تَفَرَّقُوا فِيهِ (آل عمران: ۱۰۳)

”اور اللہ کی رسی (دین) کو سب مل کر مضبوطی  
پکڑے رہو، اور آپس میں بھوٹ نہ ڈالو،“

اور ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کے متفقہ دینی فیصلے (اجماع) کی مخالفت امت میں بھوٹ ہی ڈالنا ہے، جس سے قرآن کریم نے واضح طور پر ممانعت فرمائی ہے۔

رہا یہ سوال کہ فقہ کے بے شمار مسائل میں فقہاء کا آپس میں اختلاف ہوا ہے، لہذا وہ بھی اس آیت کی رو سے ناجائز ہونا چاہتے؟ جواب یہ ہے کہ فقہاء کا اختلاف جن مسائل میں ہوا ہے ان میں سے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا صریح فیصلہ قطعی طور پر قرآن و سنت سے یا اجماع امت سے ثابت ہو چکا ہو، فقہاء کا اختلاف صرف ان فردی مسائل میں ہوا ہے جن میں قرآن و سنت کا کوئی صریح اور قطعی فیصلہ موجود نہیں تھا، یا جن کے متعلق خود احادیث میں اختلاف پایا جاتا تھا، اور ان پر امت کا اجماع بھی منعقد نہیں ہوا تھا، لہذا فقہاء کا یہ اختلاف اس آیت کی ممانعت میں داخل نہیں، بلکہ ان کا اختلاف فردی مسائل میں اجتہادی نوعیت کا ہے، جو صحابہ کرام کے زمانہ سے چلا آ رہا ہے، خود ہمہ رسالت میں بھی فردی مسائل میں صحابہ کا اختلاف ہوا ہے، جس کی بہت سی مثالیں کتب حدیث میں موجود ہیں، اور آنحضرتؐ

۱۔ یہ سب تفصیل بھی شیخ ابوبکر جصاص رازی نے ”احکام القرآن“ میں ذکر فرمائی ہے، ص ۴۱ ج ۲۔  
۲۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ آدمی کی ”الاحکام فی اصول الاحکام“، ص ۱۰۹ تا ۱۱۱ ج اول مطبوعہ مصر۔  
۳۔ حوالہ بالا، ص ۱۱۱ ج اول وتفسیر وشرطی، ص ۱۶۲ ج ۲، مطبوعہ مصر۔



صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کبھی مذمت نہیں فرمائی، بلکہ ایسے اختلاف کو امت کے لئے رحمت قرار دیا ہے، اور جس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہو وہ مسئلہ ظنی یا اجتہادی نہیں رہتا، بلکہ قطعی ہو جاتا ہے، اس سے اختلاف کرنا فقہاء مجتہدین کو بھی جائز نہیں، کیونکہ اس کی مخالفت درحقیقت امت میں پھوٹ ڈالنا ہے جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

(۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ  
وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (توبہ: ۱۱۹)

اس آیت میں ہر زمانہ کے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ سچے لوگوں "الصادقین" کے ساتھ رہیں، جس کا مقصد ظاہر ہے کہ اعمال میں ان کی پیروی کی جائے، رہا یہ سوال کہ صادقین سے کیسے لوگ مراد ہیں؟ تو اس کا جواب خود قرآن کریم ہی نے سورہ بقرہ کی آیت (نمبر ۱۷۷) لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ تَا... اُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ میں دیا ہے، وہاں صادقین کی صفات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ صادقین وہ حضرات ہیں جو اعتقاد کے بھی سچے ہوں، قول و عمل کے بھی سچے ہوں اور ظاہر و باطن کے بھی سچے ہوں۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صادقین کا وجود ہر زمانہ میں باقی رہے گا، ورنہ ان کے ساتھ رہنے کا حکم ہر زمانہ کے تمام مسلمانوں کو نہ دیا جاتا، کیونکہ اسلام نے کسی کو ایسا حکم نہیں دیا جس پر عمل کرنا اس کی قدرت سے باہر ہو، تو اس آیت سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ صادقین ہر زمانہ میں موجود رہیں گے تو یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ کسی زمانہ کے سب مسلمان کسی غلط کاری یا گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ کچھ لوگ بلکہ اکثر لوگ بھی اگر کوئی غلط کام یا فیصلہ کرنا چاہیں گے تو اس زمانہ کے صادقین اس سے اتفاق نہیں کر سکتے معلوم ہوا کہ امت کا اجماعی فیصلہ کبھی گمراہی اور بے دینی کی بات پر یا حق کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

### چند احادیث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اجماع کی حقانیت کو اور زیادہ صراحت اور تاکید سے بیان فرمایا، اس سلسلہ کی احادیث اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا مجموعہ تواتر کو پہنچا ہوا ہے، فقہاء و محدثین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جن احادیث سے اجماع کے حجت بنی ہے

لے تفسیر کبیر، ص ۵۱۳ ج ۲۔

استدلال کیا ہوا ان میں سے صرف وہ حدیثیں جو احقر کو سرسری تلاش سے دستیاب ہو گئیں انہی کو روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد مجموعی طور پر یہاں لکھی ہے، ذرا اہتمام سے جستجو کی جائے تو اس مضمون کی نہ جانے کتنی حدیثیں جو کتنے ہی مزید صحابہ کرامؓ نے روایت کی ہوں گی اور مل جائیں بہر حال جن صحابہ کرامؓ کی روایتیں اس ناچیز کو چند روز کی سرسری تلاش میں ملی ہیں انکے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت ابو بکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت علی (۴) حضرت عبداللہ بن مسعود (۵) حضرت ابن عباس (۶) حضرت عبداللہ بن عمر (۷) حضرت انس (۸) حضرت ابوسعید خدری (۹) حضرت ابو ہریرہ (۱۰) حضرت حذیفہ بن الیمان (۱۱) حضرت میسرہ بن شعبہ (۱۲) حضرت معاویہ (۱۳) حضرت جابر بن عبداللہ (۱۴) حضرت ابوسعود انصاری (۱۵) حضرت ابوذر غفاری (۱۶) حضرت ثوبان (۱۷) حضرت قتادہ بن عبد اللہ بن عمار الکلابی (۱۸) حضرت ابومالک اشجری (۱۹) حضرت عوف بن ہاشم (۲۰) حضرت حارث اشجری (۲۱) حضرت عامر بن ربیعہ (۲۲) حضرت فضالہ بن عبید (۲۳) حضرت ابولہبہ (۲۴) حضرت زید بن ارقم (۲۵) حضرت جابر بن سمرہ (۲۶) حضرت ابوامامہ (۲۷) حضرت سعد ابن ابی وقاص (۲۸) حضرت قرۃ البہزی (۲۹) حضرت قرۃ (۳۰) حضرت عقبہ بن عامر (۳۱) حضرت معاذ ابن جبل (۳۲) حضرت مجیر بن مطعم (۳۳) حضرت زید بن ثابت (۳۴) حضرت نعمان بن بشیر (۳۵) حضرت ابوالدرداء (۳۶) حضرت ابو قریصافہ (۳۷) حضرت اسامہ بن شریک (۳۸) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (۳۹) حضرت عوف بن مالک (۴۰) حضرت عمرو بن مومل (۴۱) حضرت عثمان غنی (۴۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جمعین۔

ان حضرات میں بعض صحابہ کرامؓ نے تو مذکورہ بالا مضمون کی کسی کسی حدیث کی روایت کی ہیں، لہذا اجماع اجماع پر دلالت کرنیوالی احادیث کی تعداد تو بہت ہی زیادہ ہو جاتی ہے، پھر صحابہ کرامؓ کے بعد ان احادیث کے راویوں کی تعداد ہر زمانہ میں بڑھتی ہی چلی گئی ہے، ان میں ہر حدیث اگرچہ الگ الگ خبر واحد (غیر متواتر) ہے، اور انکے الفاظ بھی باہم مختلف ہیں مگر اتنی بات ان سب احادیث میں مشترک اور متواتر پائی جاتی ہے کہ اس امت کا متفقہ فیصلہ یا عمل ہر خطا و لغزش سے پاک ہے، اس طرح اجماع کا حجت ہونا تو اس سے بزرگ روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے، یہاں سب احادیث نقل کرنے کا تو موقع نہیں، مثال کے طور پر چند ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کے متعلق کوئی صریح حکم یا ممانعت (قرآن و سنت میں) موجود نہ ہو تو میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:-

لے ان سب صحابہ کرامؓ کی روایتوں کے مفصل حوالے آگے احادیث کے ذیل میں تفصیل سے آئیں گے۔

لے دیکھئے علامہ ابن ابیہام کی کتاب "التحریر" کی شرح "التقریر النجیہ" لابن امیر الحاج، ص ۸۵ ج ۳ مطبوعہ مصر ۱۳۱۴ھ۔



شاوروا فيه الفقهاء والعابدين  
ولا تمتصوا فيه رأى خاصة،  
(الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اهل الصحيح کذا فی مجمع الزوائد)  
معلوم ہوا کہ کسی زمانہ کے فقہاء و عابدین متفقہ طور پر جس چیز کا حکم دیں یا ممانعت کریں،  
اس کی مخالفت جائز نہیں، کیونکہ ان کا متفقہ فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔  
(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے  
ہوئے سنا ہے کہ:

لا تزال طائفة من امتی یقاتلون  
على الحق ظاهرين الى یوم القیامۃ  
ثیری امت میں ایک جماعت (قرب)  
قیامت تک حق کے لئے سر بلندی کے ساتھ  
برسر بیکار رہے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ مزید آٹھ صحابہ کرامؓ  
نے بھی تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ (جس سے معنی نہیں بدلتے) روایت کیا ہے، ان  
حضرات کی روایتیں صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ مستند کتب حدیث میں مذکور ہیں، وہ آٹھ  
صحابہ کرامؓ یہ ہیں:-

(۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ (۲) حضرت ثویان (۳) حضرت عمر فاروق (۴) حضرت جابر  
ابن سمرہ (۵) حضرت ابو ہریرہ (۶) حضرت زید بن ارقم (۷) حضرت ابوامامہ (۸) حضرت مرہ  
الہنزی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۱۵ مجمع الزوائد باب فی الاجماع، ص ۸، ج اول، طبع بیروت۔

۱۶ مسلم شریف، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام، ص ۸، ج اول، طبع کراچی۔

۱۷ صحیح بخاری، کتاب الاعتقاد، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لا تزال طائفة من امتی الخ" ص ۱۰۸، ج ۲، طبع کراچی۔

۱۸ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، ص ۵۸۳، ۵۸۴، ج ۲، طبع کراچی، سنن ابن جہر  
ابواب الفتن باب ما یكون من الفتن، ص ۲۸۳، طبع کراچی۔

۱۹ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب "من یرد اللہ بہ خیراً" الخ ص ۱۶، ج اول۔

۲۰ جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب لزوم الجماعة، ص ۲۹، ج ۲، طبع کراچی و مستدرک حاکم کتاب  
کتاب العلم، ص ۱۱۵ تا ۱۱۶، ج اول، طبع دکن ۱۳۳۲ھ، ترمذی نے اس حدیث کو "حدیث غریب"  
من ہذا الوجه" کہا ہے، مگر یہ غریب "کمنا سند کے ایک خاص طریق کی بناء پر۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

امام بخاریؒ کی رائے ہے کہ اس حدیث میں جس جماعت کا ذکر ہے اس سے مراد اہل علم ہیں، ...  
بہر حال اس حدیث میں صراحت ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہر زمانے میں حق پر قائم رہے گی،  
جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس امت کا مجموعہ کبھی کسی گمراہی یا غلط کاری پر متفق نہیں ہو سکتا۔  
(۳) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خطبہ دیتے ہوئے  
مجمع عام میں سنایا کہ:-

لن یزال امر هذه الامة مستقیماً  
حتى تقوم الساعة،  
اس امت کی حالت قیامت تک سیدھی  
اور درست رہے گی۔

معلوم ہوا کہ پوری امت کا مجموعہ کبھی کسی غلط بات پر متفق نہیں ہو سکتا۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اجماع کے حجت ہونے پر سب سے زیادہ صریح ہے کہ:-

ان الله لا یجمع ائمتی اوقال اُمت  
محمد علی ضلالة، وید الله علی  
الجماعة ومن شذّ شذّ علی لنا  
اللہ میری امت کو کسی گمراہی پر متفق  
نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت  
(مسلمین) پر ہرگز اور جو الگ رہستہ اختیار  
کرے گا جہنم کی طرف جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آٹھ صحابہ کرامؓ نے تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ

نقل کیا ہے، کسی نے تفصیل سے کام لیا ہے کسی نے اختصار سے، مگر اتنا جملہ سب صحابہ کرامؓ نے

نقل فرمایا ہے کہ: "امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر متفق نہیں کرے گا،"

ادھر حدیث کے جو الفاظ لکھے گئے ہیں یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے روایت کردہ  
ہیں، باقی سات صحابہ کرامؓ جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے یہ ہیں:-

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) نقل فرما کر سب کی سندوں کی توفیق فرمائی ہے، البتہ صرف حضرت مرہ الہنزی رضی اللہ عنہ

کی روایت جو طبرانی کے حوالہ سے نقل کی ہو، اس کی سند کے متعلق یہ کہا ہے کہ "وفیہ جماعة لم اعرفہم" دیکھتے  
مجمع الزوائد، ص ۲۸، تا ۲۸۹، ج ۲، طبع بیروت ۱۹۶۷ء۔

۱۵ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب "من یرد اللہ بہ خیراً" الخ ص ۱۶، ج اول۔

۱۶ جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب لزوم الجماعة، ص ۲۹، ج ۲، طبع کراچی و مستدرک حاکم کتاب  
کتاب العلم، ص ۱۱۵ تا ۱۱۶، ج اول، طبع دکن ۱۳۳۲ھ، ترمذی نے اس حدیث کو "حدیث غریب"

من ہذا الوجه" کہا ہے، مگر یہ غریب "کمنا سند کے ایک خاص طریق کی بناء پر۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)



(۱) حضرت ابن عباس (۲) حضرت انس (۳) حضرت ابوالکاکب اشعری (۴) حضرت ابوبصرہ (۵) حضرت قدامہ بن عبد اللہ بن عمار الکلابی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) در نہ حاکم نے اسی حدیث کی سند شات مختلف طرق سے بیان کی ہے، ان سب طرق کا مدار معمر بن سلیمان پر ہے، جو ائمہ حدیث میں سے ہیں، اور ان میں کئی طریق سند کے لحاظ سے صحیح ہیں، چنانچہ طریق اول میں معمر کے شاگرد خالد کے متعلق حاکم فرماتے ہیں کہ "خالد بن یزید یسری شیخ قدیم للبغدادین" و لو حفظ هذا الحديث لمكانه باليقظة "پانچواں طریق جس میں معمر کے شیخ سالم بن ابی الزیال" ہیں اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "هذا لو كان محفوظاً من الراوى لكان من شرط الصحيح" کیونکہ بقول حافظ ابن حجر سلم بن ابی الزیال ثقہ ہیں، اور ان سے ایک حدیث صحیح مسلم میں مروی ہے (تقریب التہذیب، ص ۳۱۳ ج اول)

حاکم نے ساتوں طریق بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ "ان المعتمر بن سلیمان احداً من ائمة الحديث وقد روى عن هذا الحديث باسناد صحيح بمثلها الحديث فلا بد ان يكون له اصل باحد هذه الاسانيد (حاکم کی اس پوری تحقیق پر حافظ ذہبی نے سکوت فرمایا ہے جو ان کی توثیق کی علامت ہے)۔

۱۔ جامع ترمذی حوالہ بالا و مستدرک حاکم حوالہ بالا، ص ۱۱۶ ج اول۔  
۲۔ سنن ابن ماجہ ابواب الفتن، باب السواد الاعظم، ص ۲۸۳، طبع کراچی و مستدرک کتاب العلم ص ۱۱۶ ج اول و کتاب الفقیہ والمتفقہ للخطیب ص ۱۶۱ جز و پنجم مطبوعہ ریاض، ۱۳۸۹ھ۔  
۳۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، ص ۵۸۲، ج ۲، طبع کراچی، و مجمع الفوائد، ص ۵۸۲ ج ۲، طبع المدینۃ المنورۃ، ابوداؤد نے ابوالکاکب اشعری کی اس روایت پر سکوت کیا، جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کی سند ان کے نزدیک قابل استدلال ہے۔

۴۔ مجمع الزوائد بحوالہ مسند حماد، باب فی الاجماع، ص ۱۱۶ ج اول، طبع بیروت ۱۹۶۷ء، و التفسیر والتجیر بحوالہ مسند الطبرانی، ص ۸۵ ج ۳، ابن امیر الحاج "التقریر" میں نقل فرماتے ہیں کہ: ابوبصرہ کی اس روایت کے تمام راوی رجال صحیح ہیں، سوائے ایک تابعی کے جو مبہم ہے، لیکن اس روایت کا ایک شاہد حدیث مرسل ہے، جس کے سب رجال صحیح ہیں، اُسے طبری نے سورۃ انعام کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ مستدرک حاکم، ص ۵۰ ج ۲، حاکم حضرت قدامہ کی اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ: "هذا الحديث لم نكتب بهذا الاسناد الا حديثاً واحداً" حافظ ذہبی نے یہاں بھی سکوت فرمایا ہے۔

(۶) حضرت ابوہریرہ (۷) حضرت ابوسعود انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان آٹھ صحابہ کرام کے علاوہ اس حدیث کو مشہور تابعی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صحابی کا حوالہ دیتے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

۵۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حاضرین کے سامنے خطبہ دیا، اور فرمایا کہ آج میں تمہارے سامنے اس طرح خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے کھڑے ہوتے تھے، اور آپ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

او صيكم بأصحابي ثم الذين	میں تم کو اپنے صحابہ (کی پیروی) کی وصیت
يلونهم ثم الذين يلونهم، ثم	کرتا ہوں، پھر ان لوگوں (کی پیروی) کی جو
يفشوا الكذب حتى يحلف الرجل	اُن کے بعد ہوں گے، (یعنی تابعین) پھر ان
ولا يستحلفون ولا يستشهدون،	لوگوں (کی پیروی) کی جو اُن (تابعین) کے

۱۔ کتاب الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی، ص ۱۶۲ جز و خامس، مطبوعہ ریاض، خطیب نے ابوہریرہ کی یہ روایت اپنی سند سے بیان کی ہے، اور سند پر کوئی کلام نہیں کیا۔

۲۔ مستدرک حاکم، ص ۵۰ ج ۲ و فتح الباری، ص ۳۱ ج ۱۳ مطبوعہ بیروت سنہ ۱۳۸۹ھ، حافظ ابن حجر اور حاکم نے ابوسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موقوفاً بیان کی ہے، حافظ ابن حجر نے سکوت فرمایا ہے جو اُن کی توثیق کی علامت ہے، اور حاکم نے اُسے "صحیح علی شرط مسلم" قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ "یہ حدیث ہم نے مسنداً غالباً مرفوعاً مراد ہیں، رفع) بھی اپنے پاس لکھی ہے، مگر اس کی سند شرط مسلم کے معیار پر نہیں (اس لئے مستدرک میں اسے ذکر نہیں کیا، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم کی اس پوری تحقیق پر یہاں بھی سکوت فرمایا ہے۔

۳۔ دیکھئے التقریر والتجیر، ص ۸۵ ج ۳، و تفسیر ابن جریر طبری، سورۃ انعام، ص ۱۳ ج ۱، علامہ ابن امیر الحاج نے حضرت حسن بصری کی اس مرسل روایت کے بارے میں کہا ہے کہ "اُس کے تمام راوی صحیح کے رجال ہیں"

۴۔ جامع الترمذی، ص ۸۴/۲۹ ج ۲ مطبوعہ قرآن محل کراچی، و مستدرک حاکم، ص ۱۱۲ ج ۱، امام ترمذی نے اس حدیث کو "حسن صحیح غریب من ہذا الوجه" کہا ہے، اور حاکم اور حافظ ذہبی دونوں نے "صحیح علی شرط الشیخین" قرار دیا ہے۔



فمن اراد منكم بُعْثُوحَةُ الْجَنَّةِ  
فليُلمِزْ الجماعة فان الشيطان  
مع الواحد وهو من الاثنين  
إلحد، (رواه الترمذی فی  
الجامع والحاکم فی المستدرک  
واللفظ له قال الحاكم هذا  
حدیث صحیح علی شرط الشيخین  
ولم یخرجاه واقرة الذہبی)

بعد ہوں گے (یعنی تیج تابعین) پھر جھوٹ  
بھیمل جائے گا حتیٰ کہ آدمی قسم کھائے گا، حالانکہ  
اس سے کسی نے قسم کا مطالبہ نہ کیا ہوگا  
اور گواہی دے گا حالانکہ اس سے کسی نے  
گواہی طلب نہ کی ہوگی، پس تم میں سے  
جو شخص جنت کے بچوں سے رہنا چاہتا ہو  
وہ الجماعۃ (مخصوص جماعت) کو لازم پکڑے  
(یعنی اپنے اعتقاد اور افعال میں اس جماعت

کا اتباع کرے) کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسے زیادہ دد رہتا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیج تابعین کے بعد دنیا میں جھوٹ بھیل  
جانے کی خبر دی ہے، مگر ساتھ ہی "الجماعۃ" (مخصوص جماعت) کے ساتھ رہنے اور اس کی  
پیروی کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دینی اعتبار سے بگڑے ہوئے زمانے میں بھی امت  
میں ایک خاص "جماعت" ایسی موجود رہے گی جو حق پر ہوگی، اور اس کا اتباع واجب ہوگا،  
جس کا لازمی نتیجہ وہی ہے جو پیچھے کئی آیات و احادیث سے معلوم ہو چکا ہے، کہ امت کا پورا مجموعہ  
کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگا، رہی یہ بات کہ "الجماعۃ" سے مسلمانوں کی کیسی جماعت مراد ہے؟  
اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

"الجماعۃ" کے ساتھ رہنے اور اس کے اتباع کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو  
حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں نقل فرمایا ہے اسے چار اور صحابہ کرام (۱) حضرت  
سعد بن ابی وقاص (۲) حضرت عبداللہ بن عمر (۳) حضرت حذیفہ اور (۴) حضرت معاذ بن جبل  
۱۔ "الجماعۃ" عربی زبان میں مخصوص جماعت کو کہتے ہیں، جس کی تشریح آگے آئے گی۔

۲۔ مستدرک حاکم، ص ۱۱۲ و ۱۱۵، ج اول، حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی روایت کو بھی سنداً  
صحیح قرار دیا ہے، ۳۔ مستدرک حاکم، ص ۱۱۲، ج اول۔

۴۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب کیف الامر اذا لم یکن جماعۃ، ص ۱۰۴۹، ج ۲، صحیح مسلم کتاب الامارۃ  
باب وجوب ملازمة جماعۃ المسلمین عند ظهور الفتن، ص ۱۲، ج ۲۔

۵۔ مشکوٰۃ شریف، ص ۳۱، ج ۱، کتاب العلم باب الاعتصام بالکتاب السنۃ بحوالہ مسند احمد۔

رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی مسجد خیف میں خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا کہ:

ثَلَاثٌ لَا يَغْلُ عَلِيْمٌ قَلْبُ مُسْلِمٍ  
اخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ، وَالنَّصِيحَةُ  
لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلِزُومُ جَمَاعَتِهِمْ فَاِنْ  
دَعَوْهُمْ تَعْيِطُ مِنْ وَرَائِهِمْ۔

تین خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کی موجودگی میں  
کسی مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا، عمل میں  
اللہ کے لئے اخلاص، مسلمانوں کی خیر خواہی  
اور جماعتِ مسلمین کا اتباع، کیونکہ ان کی دعا  
پیچھے سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے (جو ان کو گمراہی اور نفس و شیطان کی جیلہ ساز یوں سے  
بچاتی ہے)۔

معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے اعتقاد اور عمل میں جماعتِ مسلمین کا اتباع کرے گا، خیانت  
اور گمراہی سے محفوظ رہے گا، اس حدیث کا حاصل بھی وہی ہے کہ جماعتِ مسلمین کا متفقہ عقیدہ  
یا عمل کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث کو دس صحابہ کرام نے روایت کیا ہے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:-  
(۱) حضرت ابن مسعود (۲) حضرت انس (۳) حضرت جبیر بن مطعم (۴) حضرت زید بن ثابت،

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص ۳۵، ج اول، (اصح المطابع کراچی) بحوالہ امام شافعی و بیہقی  
نیز دیکھئے "الرسالۃ" للامام الشافعی، الجزء الثالث، ص ۲۰۱ تا ص ۲۰۳ (مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبي، مصر  
الطبعة الاولى سنة ۱۲۸۴ھ) امام شافعی نے اس حدیث سے بھی اجماع کی حجت پر استدلال کیا ہے۔

۲۔ مسند احمد، ص ۲۲۵، ج ۳، مطبوعہ بیروت

۳۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الخطبہ یوم النحر، ص ۲۱۹، (اصح المطابع کراچی) ابن ماجہ کی روایت معلوم  
ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد خطبہ حجۃ الوداع میں منیٰ کی مسجد خیف میں فرمایا تھا، اور

مجمع الزوائد میں تو اس کی پوری صراحت ہی دیکھئے مجمع الزوائد، ص ۱۳۹ تا ۱۴۰، ج ۱، ومنہ احمد، ص ۸۰ و ۸۲، ج ۲  
۴۔ مستدرک حاکم، کتاب العلم، باب "ثلاث لا یغل علیہن الخ"، ص ۸۸ تا ۸۹، ج اول، حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی  
روایت کو صحیح علی شرط الشيخین کہا ہے۔

۵۔ مسند احمد، ص ۱۸۳، ج ۵۔



(۵) حضرت نعمان بن بشیر (۶) حضرت ابوسعید خدری (۷) حضرت ابوالدرداء (۸) حضرت معاذ بن جبل (۹) حضرت جابر (۱۰) حضرت ابوترصافہ، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:-

يَدُّ اللّٰهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ  
مَشَىٰ مَشًّٰى إِلَى النَّارِ  
”اللہ کا ہاتھ جماعت (مسلمین) پر ہے،  
اور جو شخص (ان سے) الگ راستہ اختیار  
کرے گا جہنم کی طرف جائے گا“

معلوم ہو کہ ”الجماعة“ (مسلمانوں کی ایک مخصوص جماعت) کو اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و رہنمائی حاصل ہے، جو اس کو ہر خطا سے بچاتی ہے، اُن کے متفقہ عقیدہ یا عمل کے خلاف جو بات ہوگی غلط اور باطل ہوگی، اسی لئے پچھلی احادیث میں ”الجماعة“ کے اتباع کا حکم بڑی تاکید سے دیا گیا ہے، اور یہاں ”الجماعة“ سے الگ راستہ اختیار کرنے والوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اُن کا راستہ جہنم کا راستہ ہے۔

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے، اور اس کا پہلا حوالہ ”یَدُّ اللّٰهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ“ مزید دو صحابہ کرام (۱) حضرت عبداللہ بن عباس اور (۲) حضرت عوف بن

سہ مستدرک، کتاب العلم، باب ”ثلاث لا یغل علیہن الخ“ ص ۸۸ ج اول، حاکم اور ذہبی دونوں نے ان کی روایت کو صحیح علی شرط مسلم قرار دیا ہے۔

۸۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے حضرت ابوترصافہؓ تک پانچ صحابہ کرام کی روایتیں علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں قدسے ضعیف یا غیر موثق سندوں سے ذکر کی ہیں، ص ۱۳۷ تا ۱۳۹ ج ۱۔

۹۔ ابوترصافہ، ان کی کنیت اور نام ”جندرة بن خيشنة“ ہے، علامہ ابن الاثير جزیری نے اُسد الغابہ میں کہا ہے کہ یہ صحابی ہیں، فلسطین جا کر آباد ہو گئے تھے، شام کے محدثین نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، اُسد الغابہ میں ان کے والد کا نام ایک جگہ ”خيشنة“ اور دوسری جگہ ”خيشنة“ لکھا ہے، یہ ظاہر پہلا ہی نام صحیح ہے، کیونکہ اس کے

حرف کو علامہ جزیری نے ضبط کیا ہے، دوسرے کو ضبط نہیں کیا، اُسد الغابہ ص ۳۰۷ ج ۱ و ص ۳۰۷ ج ۲، مجمع الزوائد میں ان صحابی کا نام ”خیدره بن خيشنة“ لکھا ہے، جو بظاہر کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، دیکھئے مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۵ ج ۱۔

۱۰۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب لزوم الجماعة، ص ۲۹ ج ۲، مستدرک کتاب العلم، ص ۱۱۵ ج ۱، اس حدیث کی سند کا مفصل حال حدیث نمبر ۴ کے متعلقہ حاشیہ میں پیچھے بیان ہو چکا ہے، کیونکہ یہ حدیث درحقیقت حدیث نمبر ۴ ہی کا آخری حصہ ہے۔ ۱۱۔ جامع ترمذی حوالہ بالا، مستدرک حوالہ بالا، ص ۱۱۶ ج ۱۔

۱۲۔ سنن نسائی، ص ۵۸ ج ۲، کتاب الفقه والمقصد، ص ۱۶۲ جزو خامس۔

رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے۔

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

مَنْ قَارَعَ الْجَمَاعَةَ يَشْبُرًا  
فَمَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً، وَمَنْ آذَى  
الْبَخَارِيَّ وَمُسْلِمًا وَخَطِيبًا وَغَيْرَهُ  
عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرِهِ  
”جس شخص نے جماعت (مسلمین) سے علحدگی  
اختیار کی اور اسی حالت میں مر گیا، تو وہ  
جاہلیت کی موت مرا“  
عن ابن عباس وغیرہ

”جاہلیت“ قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس دور کو کہا گیا ہے جب عرب میں کفر کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، اور اسلام کا سورج طلوع نہ ہوا تھا، اس حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”الجماعة“ سے علحدگی اختیار کرنے یعنی اُن کے متفقہ فیصلے، عقیدے یا عمل کی مخالفت کو کتنا سنگین جرم قرار دیا ہے، آپؐ نے اس کی ممانعت میں اتنی تاکید سے کام لیا کہ معتز کتب حدیث میں صرف اسی مضمون کی اٹھارہ حدیثیں ائمہ الحرمین کو ملی ہیں جو سولہ صحابہ کرام نے روایت کی ہیں، ان میں ”الجماعة“ سے علحدگی کی نہ صرف شدید مذمت کی گئی، بلکہ اس پر دنیا و آخرت کی سخت سزائیں مختلف انداز اور مختلف الفاظ میں بیان فرمائی ہیں، کئی حدیثوں میں ارشاد ہے کہ جس نے ”الجماعة“ سے بالشت بھر علحدگی اختیار کی اور مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا، کچھ حدیثوں میں ارشاد ہے کہ:-

فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ  
عُنُقِهِ  
”اُس نے اسلام کا پھندا اپنی گردن  
سے نکال دیا“

کہیں ارشاد ہے کہ:-

دَخَلَ النَّارَ  
”وہ آگ میں داخل ہو گا“

کہیں ارشاد ہے کہ:-

فَلَا حُجَّةَ لَهُ  
”اُس کے پاس کوئی دلیل نہ رہی جس کی بناء پر اسے معذور قرار دیا جاسکے اور وہ عذاب سے بچ سکے“

کہیں ارشاد ہے:-

فَلَا تَسْأَلُ عَنْهُ  
”اُسے لوگوں کا کچھ حال نہ پوچھو کہ اُن پر آخرت

میں کیا عذاب ہونے والا ہے“



کہیں سرمان ہے کہ:-

فَاتْلُوْهُ

کہیں حکم ہے کہ:-

فَاَصْبِرْ بُوْءُ عُنُقِهٖ كَاِذَا مَنَّ كَانَ

کہیں سرمایا کہ:-

فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ مَنْ فَارَقَ

الْجَمَاعَةَ يَزْكُضُ

اُس کی گردن مار دو خواہ وہ کوئی بھی ہو

جو شخص "الجماعۃ" سے علیحدگی اختیار کرے  
اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے جو اسے گناہوں  
کی طرف ایڑ لگاتا (دوڑاتا) رہتا ہے

کہیں سرمایا:-

اَقْتُلُوا الَّذِي مَنَّ كَانَ مِنَ النَّاسِ

"علحدگی اختیار کرنے والی جماعۃ کی مخالفت

کرنے والے کو قتل کر دو، وہ کوئی بھی آدمی ہو

کہیں ارشاد ہے کہ:-

وَاَمَّا تَرَكُ الشُّنَّةَ فَالْخُرُوجُ

"ترک سنت یہ ہے کہ "الجماعۃ" سے خارج

مِنَ الْجَمَاعَةِ

ایک حدیث صحیح میں یہ قانون بتایا گیا ہے کہ کسی کلمہ گو مسلمان کا خون مٹانے میں

حلال ہوتا ہے جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ وہ:-

الشَّارِكُ لِدِيْنِهٖ الْمُتَفَارِقُ

"اپنے دین کو چھوڑنے والا (یعنی) الجماعۃ

سے علیحدگی اختیار کرنے والا ہو"

جن صحابہ کرام نے یہ حدیثیں روایت کی ہیں اُن کے اسماء گرامی یہ ہیں:-

(۱) حضرت ابن عباس (۲) حضرت عثمان غنی

۱۔ صحیح بخاری، اول کتاب الفتن، باب ماجاء فی قول اللہ "وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُغْنِيَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا" ص ۱۰۴

ج ۲، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمة المسلمين ص ۱۲۸ ج ۲، کتاب الفقیہ والمتفقۃ ص ۱۲۳

جزر و خامس، ۱۔ ان کی روایت التارک لدینہ المفارق للجماعۃ کے لئے دیکھئے جامع ترمذی باب ماجاء لایکل

دم امر المسلم الاباحی ثلاث ابواب الدیات، ص ۲۰۴ ج ۱

(۳) حضرت عرفجہ (۴) حضرت اسامہ بن شریک (۵) حضرت عائشہ (۶) حضرت ابو ہریرہ  
(۷) حضرت ابوذر غفاری (۸) حضرت حارث اشعری (۹) حضرت معاویہ (۱۰) حضرت ابن عمر

۱۔ ان کی روایت "فاضر بواہ باسیف" کے لئے دیکھئے صحیح مسلم کتاب الامارۃ، باب حکم من فرق امر المسلمین  
ج ۲، سنن نسائی، کتاب المحاربة "قتل من فارق الجماعة" ص ۵۸ ج ۲، سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ  
باب قتل الخواج، ص ۱۵۵ ج ۲

۲۔ ان کی روایت "فاضر بواہ باسیف" کے لئے دیکھئے سنن نسائی، حوالہ بالا۔

۳۔ ان کی روایت "التارک لدینہ المفارق للجماعۃ" کیلئے دیکھئے صحیح مسلم، کتاب القسامۃ والعصا، باب ما یباح  
بدم المسلم، ص ۵۹ ج ۲، ترمذی ابواب الدیات باب ماجاء لایکل دم امر المسلم الخ ص ۲۰۳ ج ۱

۴۔ ان کی روایت "ما تہتہ جاہلیۃ" کے لئے دیکھئے سنن نسائی کتاب المحاربة "التغلیظ فیمن قاتل تحت  
راۃ عثمیۃ" ص ۶۸ ج ۲، مستدرک کتاب العلم "من فارق الجماعة الخ" ص ۱۱۸ ج ۱، اول حاکم اور ذہبی نے  
ابو ہریرہ کی اس روایت کی سند کے متعلق کہا ہے کہ "قد اتفق علی اخراج ابی ہریرۃ فی مثل ہذا"

نیز ابو ہریرہ کی روایت "واما ترک السنۃ فالخروج من الجماعة" کے لئے دیکھئے مستدرک کتاب العلم،  
ص ۱۲۰ ج ۱، اس روایت کو حاکم اور ذہبی نے "صحیح علی شرط مسلم" قرار دیا ہے،

۵۔ ان کی روایت "فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه" کے لئے دیکھئے سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ باب قتل  
الخوارج، ص ۶۵۵ ج ۲، ابو داؤد نے ان کی روایت کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا، نیز دیکھئے مستدرک  
ص ۱۱۴ ج ۱، قال الذہبی فی سندہ "خالد لم یضعف"

۶۔ ان کی روایت میں بھی وہی الفاظ ہیں جو ابوذر نے کی روایت میں ہیں، دیکھئے جامع ترمذی ابواب  
الامثال باب ماجاء فی مثل الصلوۃ والصیام الخ، ص ۱۲۹ ج ۲، امام ترمذی نے ان کی روایت کو حدیث  
حسن صحیح "غریب" کہا ہے، اور اسی حدیث کا ایک اور طریق بھی بیان کیا ہے، نیز دیکھئے مستدرک کتاب العلم  
ص ۱۱۴ و ۱۱۸ ج ۱

۷۔ مستدرک، ص ۱۱۸ ج ۱، حاکم اور ذہبی نے ان کی روایت "من فارق الجماعة شبرا وحل  
النار" کی سند پر سکوت کیا ہے۔

۸۔ ان کی روایت "ما تہتہ جاہلیۃ" کی سند کے متعلق حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ "قد اتفق علی اخراج ابی ہریرۃ فی مثل ہذا"  
دیکھئے مستدرک مع تلخیص ص ۱۱۸ و ۱۱۹ ج ۱، نیز ابن عمر کی ایک اور روایت "اخروج من عنقه ربقة



(۱۱) حضرت حذیفہؓ (۱۲) حضرت عامر بن ربیعہ (۱۳) حضرت فضالہ بن عبید (۱۴) حضرت ابن مسعودؓ (۱۵) حضرت ابوالک اشعری (۱۶) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:-

ان امتی لا تجتمع علی ضلالة  
فاذا رأیتم اختلافاً فعلیکم  
بالسواد الاعظم۔

میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی  
پس جب تم (لوگوں میں) اختلاف دیکھو تو  
سواد اعظم کو لازم پکڑو (یعنی اس کا اتباع کرو)۔

اس حدیث کا پہلا جملہ تو سچے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے آچکا ہے، یہاں اس کا دوسرا جملہ "پس جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کو لازم پکڑو" بیان کرنا مقصود ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دوسرا جملہ حضرت انسؓ کے علاوہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک اور روایت میں اس طرح نقل کیا ہے کہ:-

۱۔ مستدرک ص ۱۱۹ ج اول، حافظ ذہبی نے ان کی روایت کردہ حدیث کو "صحیح" کہا ہے۔

۲۔ ان کی روایت "مات مینتہ جاہلیۃ" کے لئے دیکھئے کتاب الفقیہ والمتفقہ، ص ۱۶۳، جزو خامس۔

۳۔ مستدرک ص ۱۱۹ ج اول، حاکم اور ذہبی نے ان کی روایت "فلا تسأل عنہم" کو "صحیح علی شرط الشیخین" کہا ہے۔

۴۔ ان کی روایت "فاقتلوا" کے لئے دیکھئے کتاب الفقیہ والمتفقہ، ص ۱۶۳، جزو خامس، نیز ان کی ایک اور روایت "التارک لدینہ المغارق للجماعۃ" کے لئے دیکھئے کتاب القسامۃ والقصاص باب ما یباح بہ دم المسلم ص ۲۳۰ و ترمذی ابواب الذیات باب ما جاء لا یحل دم امرأ مسلم، ص ۲۰۳ ج اول۔ ۵۔ حوالہ ایضاً

۶۔ یہ اسم گرامی سب پہلے لکھنا چاہئے تھا، مگر ان کی روایت "أُقتلوا ألفتاً" الخ جس سند سے منقول ہے، اس میں ایک راوی "صالح بن میثم" ہیں جن کے متعلق حافظ ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ "میں ان کو نہیں جانتا اس سند کے باقی سب راوی ثقہ ہیں"، دیکھئے مجمع الزوائد، ص ۲۳۳ ج سادس،

۷۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب السواد الاعظم، ص ۲۸۳

۸۔ مستدرک کتاب العلم ص ۱۱۵ ج اول، حاکم نے ابن عمرؓ کی یہ روایت دو طریق سے نقل کی ہے اور دونوں کے بائیں میں صحت سند کا رجحان ظاہر کیا ہے، مگر صحت کا فیصلہ نہیں کیا، حافظ ذہبیؒ نے سکوت کیا ہے۔

فَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ  
مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ۔

پس تم سواد اعظم کا اتباع کرو، کیونکہ شخص  
اگلب راستہ اختیار کرے گا جہنم میں جائے گا۔

معلوم ہوا کہ امت کا سواد اعظم ہمیشہ حق پر رہے گا، یعنی کبھی غلط بات پر متفق نہ ہوگا، ورنہ اس کے اتباع کا حکم نہ دیا جاتا۔

"الجماعۃ" اور "سواد اعظم" "السواد الاعظم" عربی زبان میں "عظیم ترین جماعت" کو کہا جاتا ہے، یہاں سے کیا مراد؟ مسلمانوں کا وہ فرقہ مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریقہ پر ہو، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقہ کو حق اور واجب الاتباع سمجھتا اور اس کی مخالفت کو باطل قرار دیتا ہو، چنانچہ چار صحابہ کرام، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوامامہ، حضرت واثلہ بن الاسقع اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "سواد اعظم کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ "وہ لوگ جو اُس طریقہ پر ہوں جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے" یہی مضمون اگلی حدیث میں بھی دھنا سے آرہا ہے:-

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

أَنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى  
ثَلَاثِينَ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَ

"بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے،  
اور میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی،

۱۔ مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب ما جاء فی المراء، ص ۱۵۶، ج اول و کتاب الفتن، باب افتراق الامم ص ۲۵۹ ج سابع بحوالہ بطرانی الکبیر، حافظ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی "کثر بن مردان" ہیں جو بہت ضعیف ہیں، لیکن راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جو مضمون اس روایت میں بیان کیا گیا ہے وہی مضمون اگلی حدیث نمبر ۱۱ میں قوی سند کے ساتھ آرہا ہے، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی اشکال نہیں، (رفیع)

۲۔ جامع ترمذی، ابواب الایمان، باب افتراق ہذہ الامۃ، ص ۱۰۳ ج ثانی، امام ترمذیؒ نے یہ حدیث قوی سند سے روایت کی ہے، اور اسے "حسن" قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ "ہذا حدیث حسن غریب مستدرک لا تعرفہ مثل ہذا الا من ہذا الوجه"۔



وَقَفَرَتْ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ  
مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً  
قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ  
مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي

یہ سب آگ میں جائیں گے سوائے ایک فرقہ  
کے صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کونسا  
فرقہ ہے؟ فرمایا جس پر میں اور میرے  
صحابہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے علاوہ مزید پانچ  
صحابہ کرام نے تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ روایت کیا ہے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:-  
(۱) حضرت معاذ بن (۲) حضرت عوف بن مالک (۳) حضرت انس (۴) حضرت عمر بن  
عمر (۵) حضرت ابوالانامہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان سب حضرات کی روایتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے میں متفق ہیں  
کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک فرقہ نجات پائے گا باقی سب فرقے  
آگ میں جائیں گے، رہا یہ سوال کہ وہ نجات یافتہ فرقہ کونسا ہے؟ تو اس کا جواب ان روایتوں  
میں مختلف الفاظ سے دیا گیا ہے، ایک جواب حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت  
میں اور پر آیا ہے کہ ”وہ فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں“ یہ وہی بات ہے جو پچھلی  
حدیث (نمبر ۹) میں ”السواد الاعظم“ کے متعلق فرمائی گئی ہے۔

حضرت ابوالانامہؓ کی روایت میں اس منسرقہ کو ”السواد الاعظم“ کے نام سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

۱۵ سنن ابوداؤد اول کتاب السنہ، ص ۶۳۱ ج ثانی، مشکوٰۃ، ص ۳۰ ج اول بحوالہ ترمذی۔

۱۶ سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب افراق الامم، ص ۲۸۷۔

۱۷ مجمع الزوائد، کتاب قتال اہل البغی، باب ماجاء فی الخوارج، ص ۲۲۶ ج سادس، و باب افراق الامم  
ص ۲۵۸ ج سابع، و کتاب الفقیہ والمنفقہ (للخطیب) ص ۱۶۵ جزو خامس۔

۱۸ مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب افراق الامم، ص ۲۶۰ ج ۷۔

۱۹ حوالہ بالا، ص ۲۵۸ ج ۷، بحوالہ طبرانی فی الادسط والکبیر، علامہ بیہقی نے اس کی سند کی  
توثیق کی ہے۔

۲۰ سوائے حضرت انسؓ کے کہ انھوں نے مکمل بہتر کا عدد روایت کیا ہے، باقی مضمون انھوں نے بھی  
وہی نقل فرمایا ہے جو دوسرے صحابہ کرام کی روایتوں میں ہے۔

حضرت عمر بن عوفؓ کی روایت میں ہے کہ وہ فرقہ ”الاسلام وجماعتہم“ ہے، یعنی ”اسلام اور  
مسلمانوں کی جماعت“ باقی تینوں صحابہ کرام کی روایتوں میں ہے کہ وہ فرقہ ”الجماعۃ“ ہے۔  
روایات کی اس تفصیل سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آئیں:-

۱۔ وہ نجات یافتہ فرقہ ان لوگوں کا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام  
کی سنت کے پیرو ہوں گے۔

۲۔ یہاں جو صفت اس نجات یافتہ فرقہ کی بیان فرمائی گئی وہی صفت پیچھے حدیث (نمبر ۹) میں  
”السواد الاعظم“ کی بیان کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ کا نام ”السواد الاعظم“ ہے۔

۳۔ اس نجات یافتہ منسرقہ کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض روایات میں ”السواد  
الاعظم“ اور بعض روایات میں ”الجماعۃ“ بتایا ہے۔

ان تینوں باتوں کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ”السواد الاعظم“ اور ”الجماعۃ“ درحقیقت اس نجات پانے  
والے ایک فرقہ کے دو نام ہیں، اور یہ فرقہ ایسے لوگوں کا مجموعہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور  
صحابہ کرام کے طریقہ پر قائم ہوں، صرف انہی لوگوں کا راستہ راہ ہدایت و نجات ہے، اس کے  
خلاف سب راستے گمراہی اور جہنم کی طرف جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پیچھے حدیث (نمبر ۹) میں  
”الجماعۃ“ اور ”سواد اعظم“ کے اتباع کا حکم نہایت تاکید سے دیا گیا ہے، جن کی خصوصیت  
یہ بتائی گئی ہے کہ ”اُن پر اللہ کا ہاتھ ہے“ اُن کے اتباع کی تاثیر یہ بتائی گئی کہ وہ نفس و  
شیطان کی حیلہ سازیوں سے بچتا ہے، اور اس کی مخالفت کی سزا دنیا میں سزائے موت  
اور آخرت میں جہنم کی آگ مقرر فرمائی گئی ہے، (نور ذی اللہ منہما)۔

بہر حال زیر بحث حدیث (نمبر ۱) سے بھی وہ بات معلوم ہوئی جو پچھلی تمام احادیث سے ثابت  
ہوتی آرہی ہے، کہ امت میں فساد اور بگاڑ پھیل جانے کے باوجود مسلمانوں کا ایک فرقہ حق پر قائم  
رہے گا، پوری امت کا مجموعہ کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگا، جس کا لازمی نتیجہ وہی ہے جو ”جمیعت اجماع“  
کا حاصل ہے کہ ”امت کا متفقہ عقیدہ، عمل یا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا، اس کا اتباع فرض  
اور مخالفت سخت حرام ہے۔“

یہاں تک جمیعت اجماع پر ہم نے قرآن حکیم کی پانچ آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کی دس حدیثیں بیان کی ہیں جو بیا لیں صحابہ کرام نے روایت کی ہیں، ظاہر ہے کہ ان صحابہ کرام  
سے یہ حدیثیں سن کر روایت کر لے والے تابعین کی تعداد اور ان کے بعد سے اب تک



ان حدیثوں کو بعد کے لوگوں تک پہنچانے والے راویوں کی تعداد ہر زمانہ میں کم ہونے کی بجائے مسلسل بڑھتی ہی چلی گئی ہے، ان میں سے ہر حدیث الگ الگ اگرچہ متواتر نہ ہو مگر ان سب احادیث کا مشترک مضمون جو اجماع کی حیثیت کو ثابت کرتا ہے متواتر ہے، لہذا تواتر سے اجماع کا حجت ہونا اور فقہ کے لئے عظیم مآخذ ہونا قرآن و سنت کی روشنی میں رد و روشن کی طرح واضح ہے۔ یہ سب وہ آیات و احادیث ہیں جن سے اجماع کے حجت ہونے پر فقہاء اور محدثین و مفسرین نے عام طور پر استدلال کیا ہے، بعض علماء محققین نے اور بھی کئی آیات و احادیث استدلال کیا ہے، مگر ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف وہ آیات و احادیث یہاں ذکر کی ہیں جو اجماع کی حیثیت میں زیادہ واضح تھیں، مطالعہ کے دوران اس سلسلہ میں صحابہ کرام کے اقوال و آثار بھی سامنے آئے مثال کے طور پر چند یہ ہیں:-

حجیت اجماع پر چند آثار صحابہ (۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:-

لہ تواتر کی اس قسم کو "تواتر فی القدر المشرک" کہا جاتا ہے، اور یہ بھی تواتر کی باقی قسموں کی طرح علم قطعی یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔ (رفیع)

۱۔ مثلاً سورہ نساء کی آیت "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ" (نساء: ۵۹) اور سورہ اعراف کی آیت "وَمَنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِأَخِيَّتِي وَيُتَّبِعُونَ" (اعراف: ۱۰۷) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "يوشك ان تعرفوا اهل الجنة من اهل النار" اوقال "خيركم من شراكم" قيل يا رسول الله بمذا؟ قال بالشئنا الحسن والشئنا السيئ انتم شهداء بعضكم على بعض" (مسند رک، کتاب العلم، ص ۲۰ ج اول) قال الحاكم هذا حديث صحيح الاسناد وقال الذهبي صحيح۔

۲۔ مؤطا امام محمد، کتاب الصلوٰۃ، باب قیام شہر رمضان، ص ۱۲۰ و مجمع الزوائد، ص ۸، ج اول، بحوالہ احمد والبرازد الطبرانی فی الکبیر، وقال رجالہ، مؤثنون، امام محمد نے مؤطا میں اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار دیا ہے، مگر سند ذکر نہیں فرمائی، ان تک یہ ارشاد مندرجہ قابل اعتماد سند سے پہنچا ہوگا، اور ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سنا ہوگا، کیونکہ اتنا بڑا قاعدہ کلیہ جو اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسندیدگی کی خبر دے رہا ہو محض قیاس سے دریافت نہیں کیا جاسکتا، یہ بات صریح وحی سے ہی معلوم ہو سکتی ہے، اور صاحب وحی ہی بتلا سکتا ہے، مگر ہم نے اس ارشاد کو احادیث نبویہ کے بجائے آثار صحابہ میں اس لئے شمار کیا ہے کہ جن قابل اعتماد سندوں سے یہ ہم تک پہنچا ہے (باقی صفحہ آئندہ)

مَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَعَمُوا  
عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَسَاءً أَعْمَى  
الْمُسْلِمُونَ قَبِلُوا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ  
قَبِيحٌ۔

جس چیز کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھی اور جس کو تمام مسلمان بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بُری ہے۔

۲۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور قاضی "شریح" کو عدالتی فیصلوں کے لئے جو بنیادی اصول لکھ کر بھیجے ان میں تیسرا اصول یہی تھا کہ جس مسئلہ کا حکم قرآن و سنت میں (صریح طور پر) نہ ملے، اس میں امت کے اجماعی فیصلہ پر عمل کریں۔ حضرت عمرؓ کا یہ سرکاری فرمان امام شعبیؒ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ:-

كتب عمر الى شرح ان اقبض بما  
في كتاب الله فان اتاك امر  
ليس في كتاب الله فاقض بما  
سن رسول الله صلى الله عليه  
وسلم فان اتاك امر ليس في  
كتاب الله ولم يسنه رسول الله  
صلى الله عليه وسلم فانظر له  
الذي اجتمع عليه الناس فان  
جاءك امر لم يتكلم فيه احد  
فامر بما شئت فخذ به  
ان شئت فقدم وان شئت  
فتأخر ولا اري التأخر الا خيرا  
للشئ۔

حضرت عمرؓ نے شرح کو لکھ کر بھیجا کہ تم فیصلے قرآن حکیم کے مطابق کرو، اور اگر تمھارے پاس کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا (صریح) حکم قرآن شریف میں نہ ہو تو۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو، اور اگر کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا حکم (صریح طور پر) نہ قرآن حکیم میں ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تو تم اس کے لئے وہ فیصلہ تلاش کرو جس پر سب لوگ متفق ہو چکے ہوں، اور اگر کوئی ایسا مقدمہ آجائے جس کے متعلق کسی کا فیصلہ موجود نہ ہو (نہ قرآن میں نہ سنت میں نہ اجماع میں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہ سب ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جا کر ختم ہو جاتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتیں، بعض سندوں میں یہ ضرور ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے ارشاد نبویؐ بتا کر روایت کیا ہے، مگر وہ سندیں قابل اعتماد نہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے "التعلیق المجمل علی مؤطا الامام محمدؒ" ص ۱۲۱-۱۲۲ دیکھئے خطیب بغدادی کی مشہور تصنیف کتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۱۶۶ جزو خامس۔



تو اب دو صورتوں میں سے جس کو چاہو اختیار کرو، یعنی چاہو تو آگے بڑھ کر اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرو اور چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ (یعنی اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کے بجائے اہل علم سے پوچھ کر عمل کرو) اور میں تمھارے لئے ایسے موقع پر پیچھے ہٹ جانا ہی بہتر سمجھتا ہوں۔

۳۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:-

اتقوا اللہ وعلیکم بالجماعة	اللہ سے ڈرو اور انجماعت کے ساتھ رہو
ذان اللہ لم یکن لیجمع امۃ	رہو، کیونکہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو کبھی بھی کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی ضلالة	

اجماع کا فائدہ اور سند اجماع یہاں ایک یہ بات قابل ذکر ہے کہ اجماع کے حجت ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اجماع کرنے والوں کو شرعی احکام میں نعوذ باللہ خدائی اختیار مل گئے ہیں، کہ وہ قرآن و سنت سے آداب ہو کر جس چیز کو چاہیں حرام اور جس کو چاہیں حلال کر دیں، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ فقہ کا کوئی مسئلہ قرآن یا سنت کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا، اجماع کا بھی ہر فیصلہ قرآن و سنت کا محتاج ہے، چنانچہ فقہ کے جس مسئلہ پر بھی اجماع منعقد ہوتا ہے وہ مسئلہ یا تو قرآن حکیم کی کسی آیت سے ماخوذ ہوتا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے، یا ایسے قیاس سے جس کی اصل قرآن یا سنت میں موجود ہو، غرض ہر اجماعی فیصلہ کسی نہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہوتا ہے، جس کو سند اجماع کہا جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ جب ہر اجماعی فیصلہ قرآن یا سنت یا قیاس پر مبنی ہوتا ہے تو اجماع سے کیا فائدہ ہوا؟ اور اسے فقہ کے دلائل میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اجماع کے دو فائدے ہیں، ایک یہ کہ قرآن یا سنت یا قیاس سے ثابت ہونے والا حکم اگر ظنی ہو تو اجماع

لہ کتاب الفقہ والتفقہ، ص ۱۶، جزو خامس۔ لہ جو حکم دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ ظنی ہوتا ہے، اور جو دلیل قطعی سے ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے، دلیل ظنی اور دلیل قطعی کا کچھ بیان پیچھے کی بحث میں ہو چکا ہے، یہاں اتنی بات اور سمجھ لی جائے کہ قرآن حکیم کی جن آیات کا مطلب معین طور پر خوب واضح اور یقینی نہ ہو بلکہ اسمیں ایک سے زیادہ مطالب کا احتمال ہو تو وہ آیت معنی کے اعتبار سے ظنی ہوتی ہے (اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے ہر آیت قطعی ہے، بلکہ قرآن کریم کا ہر لفظ قطعی طور پر ثابت ہے، لیکن بعض کے معنی بھی قطعی ہوتے ہیں اور بعض کے ظنی) اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی ہوتا ہے، نیز قیاس بھی دلیل ظنی ہی

اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی، اجماع ان تمام ظنی احکام کو قطعی بنا دیتا ہے

اسے ”قطعی“ بنا دیتا ہے، جس کے بعد کسی فقیہ مجتہد کو بھی اس سے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اور اگر وہ حکم پہلے ہی قطعی تھا تو اجماع اس کی قطعیت میں مزید قوت اور تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ اور دوسرا فائدہ اجماع کا یہ ہے کہ وہ جس دلیل شرعی پر مبنی ہو بعد کے لوگوں کو اس دلیل کو پرکھنے اور اس میں غور و فکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ان کو اس مسئلہ پر اعتماد کرنے کے لئے بس اتنی دلیل کافی ہوتی ہے کہ فلاں زمانہ کے تمام فقہاء کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، انھوں نے کس دلیل شرعی کی بنیاد پر یہ اجماعی فیصلہ کیا تھا؟ یہ جاننے کی ضرورت بعد کے لوگوں کو نہیں رہتی، سند اجماع کی چند مثالوں سے یہ بات کچھ اور واضح ہو جائیگی۔

(۱) مثلاً فقہ کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے کہ دادی، نانی، اور نواسی سے نکاح حرام ہے، اجماع کرنے والوں نے یہ مسئلہ قرآن حکیم کی آیت:-

چند مثالیں

مَحْرَمَاتٌ عَلَيْكُمْ اَهْلُ بَنَاتِكُمْ  
وَبَنَاتُكُمْ (نساء: ۲۳)

حرام کی گئی ہیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں۔

سے لیا ہے، لہذا یہ آیت اس مسئلہ کے لئے سند اجماع ہے، مذکورہ بالا فقہی حکم اگرچہ اس آیت سے ثابت ہو چکا تھا، کیونکہ ”اَهْلُ بَنَاتِكُمْ“ (مائیں) کا لفظ دادی اور نانی کو بھی شامل ہے، اور ”بَنَاتُكُمْ“ (بیٹیاں) کا لفظ نواسی کو شامل ہے، لیکن یہ حکم یقینی اور قطعی نہ تھا، کیونکہ یہ احتمال یہاں موجود تھا کہ اقربات (مائیں) سے یہاں صرف حقیقی مائیں مراد ہوں، دادی اور نانی مراد نہ ہوں، اس طرح بنات (بیٹیاں) کے لفظ میں احتمال تھا کہ اس سے یہاں صرف حقیقی بیٹیاں مراد ہوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں مراد نہ ہوں، چنانچہ اس احتمال کی بنیاد پر کوئی مجتہد یہ کہہ سکتا تھا کہ دادی، نانی اور نواسی سے نکاح حرام نہیں، مگر جب ان کے حرام ہونے پر اجماع منعقد ہو گیا تو یہ حکم قطعی اور یقینی ہو گیا، اور مذکورہ بالا احتمال معتبر نہ رہا، اور کسی مجتہد کو اس سے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۲) یہ تو اس اجماعی فیصلہ کی مثال تھی جو قرآن حکیم سے ماخوذ ہے، اور سنت سے ماخوذ

۱۔ تہذیب الوصول، ص ۱۷۴۔

۲۔ تفسیر روح المعانی، ص ۲۲۹ ج ۲۔

۳۔ حوالہ بالا۔



ہونے کی مثال فقہ کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ کھانے کی کوئی چیز خرید کر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کر دینا جائز نہیں (جیسا کہ آجکل سٹہ میں ہوتا ہے کہ محض زبانی طور پر کسی چیز کی خریداری کا معاملہ کر کے قبضہ کئے بغیر اسے دوسرے کے ہاتھ اور دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، جو قطعاً حرام ہے) اس مسئلہ میں سند اجماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ:-

من ابتاع طعاماً فلا یبیعہ حتی یتوفیہ۔  
جس نے کوئی کھانے کی چیز خریدی وہ اس پر جب تک قبضہ نہ کر لے اسے فروخت نہ کرے۔

یہ حکم جیسا کہ صاف ظاہر ہے اس حدیث سے معلوم ہو چکا تھا، مگر یہ حدیث "غیر متواتر" تھی، اور سچے عرض کیا جا چکا ہے کہ حدیث غیر متواتر "ظنی" ہوتی ہے، لہذا یہ حکم بھی ظنی تھا قطعی نہ تھا جب اس پر اجماع منعقد ہو گیا تو یہی حکم قطعی بن گیا۔

(۳) اور قیاس سے ماخوذ ہونے کی مثال فقہ کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ ربا (سود) چاول میں بھی جاری ہوتا ہے، یعنی جب چاول کو چاول کے عوض میں فروخت کیا جائے تو ادھار بھی حرام ہے، اور کسی طرف مقدار میں کمی بیشی بھی حرام، لین دین ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری، اور دونوں چاول خواہ مختلف قسموں کے ہوں مگر مقدار ان کی برابر ہونی ضروری ہے، ادھار کیسے گے یا مقدار میں کسی ایک طرف کمی بیشی کریں گے تو ربا ہو جائے گا، جو حرام ہے۔

یہ اجماعی فیصلہ قیاس کی بنیاد پر کیا گیا ہے، یعنی اس مسئلہ میں "سند اجماع" قیاس ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چیزوں — سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور، نمک — کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان میں سے کسی چیز کو جب تم اتنی کمی بیشی کے بدلے میں فروخت کرو تو اس میں ادھار یا کمی بیشی ربا ہے، جو حرام ہے، حدیث سے ان کچھ چیزوں کا حکم تو صاف طور پر معلوم ہو گیا تھا، مگر چاول کے متعلق یہ حدیث خاموش تھی، اجماع کرنے والوں نے چاول کا حکم ان کچھ چیزوں پر قیاس کر کے معلوم کیا اور بتایا کہ جو حکم

۱۵ نور الانوار، ص ۲۲۲، بحث الاجماع۔ ۱۶ مشکوٰۃ شریف، ابن عمر، ص ۲۴۴، کتاب البیوع، باب المبیع عنہما من البیوع، بحوالہ بخاری و مسلم۔ ۱۷ نور الانوار، ص ۲۲۲، بحث الاجماع۔

۱۸ صحیح مسلم شریف، ص ۲۵۲ ج ۲، باب الربا، کتاب البیوع۔  
۱۹ قیاس ایک نہایت دقیق اور عجیبہ فکری عمل ہے جس کی بہت سی شرائط ہیں، قیاس کی حقیقت انشاء اللہ آگے اپنے مقام پر بیان ہوگی۔

ان کچھ چیزوں کا ہے وہی چاول کا بھی ہے۔

اگر اس قیاس پر سب مجتہدین کا اجماع نہ ہوا ہوتا تو یہ حکم ظنی ہوتا، کیونکہ قیاس دلیل ظنی ہے، اور دلیل ظنی سے حکم قطعی ثابت نہیں ہو سکتا، مگر جب اس قیاس پر ایک زمانے کے تمام فقہاء نے اجماع کر لیا تو یہ حکم قطعی ہو گیا، اجماع سے پہلے کسی فقیہ کو اس سے مختلف قیاس کرنے کی گنجائش تھی، اجماع کے بعد یہ گنجائش ختم ہو گئی۔

(۴) بسا اوقات جس مسئلہ پر اجماع منعقد ہوا ہو وہ پہلے ہی سے قطعی ہوتا ہے، ایسی صورت میں اجماع سے صرف یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی قطعیت میں مزید تاکید اور قوت پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً پانچوں فرض نمازوں میں رکعتوں کی تعداد سنت متواترہ سے ثابت ہے، اور اس کی پابندی تمام مسلمانوں پر قطعی طور پر فرض ہے، پھر پوری امت کا اجماع بھی اس پر چلا آ رہا ہے جس کے لئے "سند اجماع" یہی سنت متواترہ ہے، اس مثال میں ایک ایسے حکم شرعی پر اجماع منعقد ہوا ہے جو پہلے ہی سے قطعی تھی، لہذا اجماع سے اس کی قطعیت میں مزید قوت اور تاکید پیدا ہو گئی ہے، اب اگر کسی زمانہ میں لوگوں کو خدا نخواستہ یہ معلوم نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں نمازوں میں اس تعداد کی خود بھی پابندی فرمائی تھی اور سب کو اس کی پابندی کا حکم دیا تھا تب بھی لوگوں کو اس کی پابندی اس لئے لازم ہوگی کہ پوری امت کا اجماع اس پر چلا آ رہا ہے، یہی حال اوپر کی باقی مثالوں کا ہے، کہ اجماع کرنے والوں نے جس سند اجماع کی بنیاد پر وہ فیصلے کئے تھے اگر بعد کے لوگوں کو وہ سند اجماع معلوم نہ ہو یا یاد نہ رہے، تب بھی وہ اجماعی فیصلے قطعی اور واجب العمل رہیں گے، کیونکہ سند اجماع کی ضرورت اجماع کرنے والوں کو ہوتی ہے، بعد کے لوگوں کو (خواہ وہ فقہاء اور مجتہد ہوں) سند اجماع کی ضرورت نہیں، ان کے لئے صرف اجماع ہی کافی دلیل ہے۔

اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اجماع صرف عاقل، بالغ، مسلمانوں کا معتبر ہے، کسی مجنون، بچہ یا کافر کی موافقت

و مخالفت کا اعتبار نہیں، نیز اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ اجماع منعقد ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عہد صحابہ سے لے کر قیامت تک کے تمام مسلمان کسی مسئلہ پر متفق ہوں، اس لئے کہ اگر اسے اجماع کے لئے شرط قرار دیا جائے تو قیامت سے پہلے کسی بھی مسئلہ پر اجماع منعقد نہ ہو سکے گا، لہذا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اجماع کے لئے کسی ایک زمانہ کے مسلمانوں کا



متفق ہو جانا کافی ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایک زمانہ کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ضروری ہے یا مخصوص قسم کے افراد کا متفق ہو جانا کافی ہے؟ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں ہم یہاں چند اقوال ذکر کرتے ہیں۔  
(۱) امام مالکؒ کے نزدیک صرف اہل مدینہ کا اجماع معتبر ہے، کسی اور کی موافقت یا مخالفت کا اعتبار نہیں۔

(۲) فرقہ زیدیہ اور امامیہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو اجماع کا اہل کہتا ہے دوسرے لوگوں کا اجماع اُن کے نزدیک معتبر نہیں۔

(۳) بعض حضرات کے نزدیک صرف صحابہ کرام کا اجماع حجت ہے، ان حضرات کے نزدیک اجماع کا دروازہ عہد صحابہؓ کے بعد ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔

(۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک زمانہ کے تمام مسلمانوں کا اتفاق اجماع کے لئے شرط ہے، عوام ہوں یا خواص، عالم ہوں یا جاہل، جب تک سب متفق نہ ہوں اجماع منعقد نہ ہوگا۔  
(۵) پانچواں قول جمہور کا ہے جو نہایت معتدل ہے، وہ یہ کہ اجماع صحابہ کے ساتھ خاص

لہ الاحکام للامدی ص ۱۱۵ جلد اول۔  
۱۔ مشہور یہی ہے مگر بہت سے علماء نے امام مالکؒ کی طرف اس مذہب کی نسبت کا انکار کیا ہے تفصیل کے لئے دیکھئے "التقریر والتجیر" ص ۱۰۰ ج ۳۔

۲۔ التقریر والتجیر شرح التحریر، ص ۹۸ ج ۳۔

۳۔ مثلاً داؤد اصفہانی (تہذیب الوصول ص ۱۰۰) ابن حبان کے کلام سے بھی اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے، امام احمدؒ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ اجماع صحابہ کے ساتھ خاص ہے، اور دوسرا یہ کہ خاص نہیں دوسرے قول کو علماء حنابلہ نے صحیح اور راجح قرار دیا ہے، (التقریر، ص ۹۷ ج ۳)۔

۴۔ قاضی ابوبکر باقلانی اور علامہ آمدی کا رجحان اسی طرف ہے، مگر دونوں کی رائے میں یہ فسق ہے کہ قاضی ابوبکر تو فرماتے ہیں کہ جس اجماع میں کسی عام مسلمان کا اختلاف ہو وہ اجماع شرعاً حجت تو ہے مگر اس اجماع کو "اجماع امت" نہیں کہا جائے گا، کیونکہ عام مسلمان بھی اُمت کا فرد ہے، اور علامہ آمدی ایسے اجماع کو حجت بھی نہیں مانتے، دیکھئے التقریر شرح التحریر ص ۸۰ ج ۳۔

۵۔ التقریر شرح التحریر، ص ۸۱ و ۹۵ و ۹۷ ج ۳۔

نہیں کسی بھی زمانہ کے تمام متبع سنت فقہاء (مجتہدین) کا ایسی حکم شرعی پر متفق ہو جانا اجماع کے لئے کافی ہے، عوام اور اہل بدعت یا فاسق کی موافقت و مخالفت کا اعتبار نہیں۔  
قرآن و سنت کے جن دلائل سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوا ہے، ان سے بھی اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ آیات و احادیث میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ کہیں بھی اجماع کو کسی خاص زمانہ یا خاص مقام یا نسل کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا، بلکہ مطلقاً "المؤمنین" اُلمت" اجماعاً یا سواد اعظم کے اتفاق کو حجت قرار دیا گیا ہے، اور یہ چاروں الفاظ صحابہ کرامؓ، آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مدینہ کی طرح دوسرے مسلمانوں پر بھی صادق آتے ہیں، لہذا اجماع کو صرف صحابہ کرام یا اہل بیت یا اہل مدینہ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی واضح دلیل قرآن و سنت میں نہیں ملتی۔

اجماع کو صرف صحابہ کرام کے ساتھ خاص کرنے والے حضرات جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں اُن سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع حجت ہے، مگر یہ کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ بعد کے فقہاء کا اجماع حجت نہیں۔

رہا یہ سوال کہ جب مؤمنین، اُمت، اجماعاً اور سواد اعظم کے اجماع کو قرآن و سنت میں حجت قرار دیا گیا ہے، تو اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں بلکہ اہل بدعت و فاسق و فاجر مسلمانوں کی موافقت بھی اجماع

کیلئے شرط ہو اور اُن کے اختلاف کی صورت میں اجماع منعقد نہ ہو کیونکہ مؤمنین اور اُمت میں یہ لوگ بھی داخل ہیں۔ جواب یہ ہے کہ جن دلائل سے اجماع کی حجت ثابت ہوئی ہے ان میں اور دیگر آیات و احادیث میں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اجماع صرف متبع سنت فقہاء کرام ہی کا معتبر ہے، باقی لوگوں کی موافقت یا مخالفت سے اجماع پر اثر نہیں پڑتا، ان دلائل کی کچھ تفصیل یہ ہے:-

۱۔ قرآن حکیم میں دو جگہ صریح ارشاد ہے کہ:-

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ  
اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرو

(نحل، ۴۳ و انبیاء، ۷)

۲۔ یہ اہل الذکر ہی کا ترجمہ ہے، لفظ الذکر کسی معنی میں استعمال ہوتا ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)



اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو احکام شریعت معلوم نہ ہوں ان پر واجب ہو کہ علماء سے دریافت کر کے اس کے مطابق عمل کریں، تو جب عوام کو خود علماء کے فتویٰ کا پابند کیا گیا ہے تو دنیا کے تمام علماء فقہاء کے متفقہ فیصلہ کی مخالفت عوام کو کیسے جائز ہو سکتی ہے، اور ان کے موافقت نہ کرنے سے فقہاء کا اجماع کیسے باطل ہو سکتا ہے!

(۲) قرآن حکیم نے فاسق کی دی ہوئی خبر کے متعلق یہ قانون ارشاد فرمایا ہے کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ  
فَاسِقٌ بِبَيِّنَةٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا  
قَوْمًا يَجْهَلُونَ فَتَضِلُّوا عَن سَبِيلِ  
مَّا كُنْتُمْ تَدِينُونَ (المجادلہ، ۶)

اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق  
خبر لے کر آئے تو اس خبر کی خوب تحقیق کر لیا  
کر دے، کبھی کسی قوم کی نادانی سے کوئی ضرر  
نہ پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پھپھکتا باڑے۔

اس لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت مقبول نہیں، تو جب عارضی نوعیت کے واقعات میں فاسق کی خبر اور شہادت کا یہ حال ہے تو دینی مسائل جو قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے حجت اور واجب الاتباع بننے والے ہوں، ان میں اس کی شخصی رائے کیسے معتبر ہو سکتی ہے؟ اور جو بدعت فسق کی حد تک پہنچی ہوئی ہو اس کا مرتکب بھی فاسق ہے، لہذا اہل اہل بدعت کی رائے بھی اجماع میں معتبر نہیں، اسی لئے جمہور علماء اہل سنت والجماعت نے شیعہ، خوارج اور معتزلہ وغیرہ کے اختلاف کا اجماع میں اعتبار نہیں کیا۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ اجماع میں عوام کی موافقت و مخالفت معتبر نہیں، اور اس دوسری آیت سے ثابت ہوا کہ فاسق اور اہل بدعت کی موافقت و مخالفت کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان میں سے ایک معنی علم کے بھی ہیں، اسی مناسبت سے قرآن کریم میں توراۃ کو بھی "الذکر" فرمایا ہے، ارشاد ہے: "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ" اور خود قرآن کریم نے بھی اپنا ایک نام "الذکر" بتایا ہے جیسا کہ سورۃ نحل کی آیت (۲۴) "وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ يُبَيِّنُ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِم مِّنَ الذِّكْرِ" سے مراد قرآن کریم ہے، اس لئے "اہل الذکر" کے لفظی معنی اہل علم کے ہوتے، (تفسیر معارف القرآن، ص ۳۳۲، ج ۵)۔

۱۵ تفسیر قرطبی، ص ۲۷۲ ج ۱۱ و تفسیر معارف القرآن، ص ۱۵۹ ج ۶ و ص ۳۳۳ ج ۵۔

اعتبار نہیں، اس لئے حامل ان دونوں آیتوں کا وہی ہے جو جمہور علماء نے اختیار کیا کہ اجماع صرف منتج سنت فقہاء کا معتبر ہے، اور یہی بات ان احادیث سے ثابت ہوتی ہے جن سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، ہم وہ احادیث خاصی تفصیل سے پیچھے بیان کر چکے ہیں، یہاں ہمیں ان کے الفاظ کا مختصر جائزہ لینا ہوگا، جس سے جمہور کا مسلک بخوبی واضح ہو سکے گا۔

(۱) سب سے پہلی حدیث جو ہم نے اجماع کی حجت پر پیش کی ہے، اس میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کا صریح حکم قرآن و سنت میں نہ ملے تو اس میں آپ کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ:-  
شَاوِرُوا فِيهِ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِينَ۔  
"تم اس معاملہ میں فقہاء اور عابدین سے مشورہ کر دو۔"

اس حدیث میں صراحت ہے کہ جو لوگ فقہاء بھی ہوں اور عابدین بھی صرف انہی کا مشورہ واجب الاتباع ہوگا۔

(۲) دوسری حدیث جو گیارہ صحابہ کرام نے روایت کی ہے اس میں پوری اُمت کا لفظ نہیں بلکہ طائفۃً مِّن اُمتی کا لفظ ہے جس کا حاصل یہ کہ میری اُمت میں ایک جماعت حق پر قائم اور اس کے لئے برسرِ پیکار رہے گی، اس میں پوری اُمت کے ہر فرد کے حق پر قائم رہنے کی خبر نہیں گئی بلکہ بتایا گیا ہے کہ اُمت میں ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، جو مخالفین سے حق کے لئے برسرِ پیکار رہے گی، اب خود اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اتباع حق پر قائم رہنے والی جماعت کا لازم ہوگا، یا اس کے مخالفین کا؟

(۳) تیسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ:-  
لَن يَزَالَ أَمْرُهُنَّ إِلَّا أَمَّةٌ مُّسْتَقِيمَةٌ  
حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ۔  
"اس اُمت کی حالت قیامت تک سیدھی رہے گی۔"

ظاہر ہے اس کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ اس اُمت کا ہر فرد نیکو کار اور ہدایت یافتہ رہے گا کوئی بھی شخص غلطی نہیں کرے گا، کیونکہ مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے، اور اوپر کی اور بعد میں آنے والی حدیثیں بھی، لہذا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس اُمت کا پورا مجموعہ باطل اور غلط بات پر متفق نہیں ہوگا، کچھ لوگ حق پر ضرور قائم رہیں گے، باقی جو لوگ



ان کی مخالفت کریں گے کیا کریں! یہ حق پر ڈٹے رہیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُمت بحیثیت مجموعی گمراہی سے محفوظ رہے گی، اور یہ وہی بات ہے جو اوپر کی حدیث میں آچکی ہے، اب خود فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ حق پر ڈٹے رہیں گے اتباع ان کا واجب ہوگا یا ان کے مخالفین کا؟ (۴) جو تھی حدیث جو آٹھ صحابہ کرام نے روایت کی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ:-

ان الله لا يجمع اُمتي (اد قال اُمة  
محمدي) على ضلالة ويد الله على  
الجماعة ومن شذَّ شذَّ الى الناس -  
”اللہ میری اُمت کو کسی گمراہی پر متفق نہیں کریگا  
اور اللہ کا ہاتھ ”الجماعۃ“ پر ہے، اور جو الگ راستہ  
اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا۔“

اس حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ وہ بات آگئی ہے جو ہم اوپر تیسری حدیث کے ضمن میں کہہ آئے ہیں کہ ”اُمت کی حالت ہمیشہ سیدھی رہنے“ اور کسی گمراہی پر متفق نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص بھی کجروی یا گمراہی کا شکار نہ ہوگا، ہر فاسق و فاجر اور بدعتی مسلمان جو مشورہ بھی دینی امور میں پیش کرے گا صحیح اور درست ہوگا، بلکہ اس حدیث کے آخری دو جملوں ”اللہ کا ہاتھ الجماعۃ پر ہے“ اور ”جو الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا“ نے بتا دیا کہ اُمت کی حالت سیدھی رہنے اور گمراہی پر متفق نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ ایسی موجود رہے گی جو راہ ہدایت پر قائم رہے گی، جس کے نتیجہ میں اُمت بحیثیت مجموعی گمراہ ہو جانے سے محفوظ رہے گی، اس جماعت کو اللہ کی طرف سے خاص ہدایت و نصرت ملتی رہے گی، لوگوں پر لازم ہوگا کہ اس جماعت کی پیروی کریں، اور جو ان سے الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا۔

معلوم ہوا کہ اجماع صرف اسی جماعت کا حجت ہوگا، دوسروں کی موافقت پر موقوف اور دوسروں کی مخالفت سے باطل نہ ہوگا۔

(۵ تا ۱۰) حدیث نمبر (۵) سے نمبر (۸) تک ۴ حدیثیں جو مجموعی طور پر ۳۴ صحابہ کرام نے روایت کی ہیں ان میں ”الجماعۃ“ کی پیروی کا حکم نہایت تاکید سے دیا گیا ہے، اور اس کی مخالفت پر ہولناک سزائیں بیان ہوئی ہیں۔

نویں حدیث میں ”سواد اعظم“ کی پیروی کا حکم ہے، اور وہیں ہم نے دوسری حدیثوں کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ”الجماعۃ“ اور ”سواد اعظم“ درحقیقت ایک ہی جماعت

کے دو نام ہیں، اور یہ دونوں نام ان مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے پیرو ہوں، اسی بناء پر ان کو اہل السنۃ والجماعۃ بھی کہا جاتا ہے۔ اور دسویں حدیث میں تو صراحت ہو کہ اس اُمت میں تہتر فرقے ہوں گے، جن میں سے نجات یافتہ فرقہ صرف اُن لوگوں کا ہے جو متبع سنت ہوں، باقی سب فرقے گمراہ ہیں۔

پس حدیث نمبر (۵) سے نمبر (۱۰) تک سب حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیروی صرف ان لوگوں کی لازم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت کے پیرو ہوں، اور ان کے مخالفین گمراہ اور سخت عذاب کے مستحق ہیں، اب یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ اجماع صرف متبع سنت مسلمانوں کا کافی ہوگا یا فاسق اور اہل بدعت کی مخالفت کی وجہ سے اُسے باطل کر دیا جائے گا؟

حاصل کلام یہ کہ جمہور فقہاء نے جو مسلک اختیار کیا ہو کہ اجماع میں عوام، اہل بدعت اور فاسق مسلمانوں کا اختلاف یا اتفاق معتبر نہیں، بلکہ صرف متبع سنت فقہاء کا اجماع ہی حجت ہے، قرآن و سنت کی تصریحات سے اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے، اور حقیقت نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

**اجماع کی قسمیں** بنیادی طور پر اجماع کی تین قسمیں ہیں: (۱) اجماع قولی (۲) اجماع عملی، (۳) اجماع منکوتی، ان تینوں کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:-

۱۔ اجماع قولی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات زبانی طور پر کسی دینی مسئلہ پر اپنا اتفاق ظاہر کریں، جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اور زبان سے اس کا اقرار کیا۔

۲۔ اجماع عملی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات کسی زمانہ میں کوئی عمل کریں، جب کوئی عمل تمام اہل اجماع (جائز یا مستحب یا منون سمجھ کر) کرنے لگیں تو اس عمل کو بالاجماع جائز سمجھا جائے گا، اجماع کی اس قسم سے اُس فعل کا صرف مباح یا مستحب یا منون ہونا ثابت ہوگا، واجب ہونا اس قسم سے ثابت نہیں ہو سکتا، الا یہ کہ وہاں کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہو

نہرے پہلے کی چار رکعتیں جو سنت مؤکدہ ہیں اُن کا سنت مؤکدہ ہونا صحابہ کرام کے اجماع



عمل سے ثابت ہوا ہے۔

۳۔ اجماع سکوتی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والوں میں سے کچھ حضرات کوئی متفقہ فیصلہ زبانی یا عملی طور پر کریں جس کی اس زمانہ میں خوب شہرت ہو جائے یہاں تک کہ باقی سب مجتہدین کو بھی اس فیصلہ کی خبر ہو جائے، مگر وہ غور و فکر اور اظہار رائے کا موقع ملنے کے باوجود سکوت اختیار کریں ان میں سے کوئی بھی اس فیصلہ سے اختلاف نہ کرے۔

اجماع کی ان تینوں قسموں میں سے پہلی دونوں قسمیں تو سب فقہاء کے نزدیک حجت ہیں، البتہ تیسری قسم یعنی "اجماع سکوتی" کے حجت ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام احمد اکثر حنفیہ اور بعض شوافع کے نزدیک یہ حجت قطعیہ ہے، اور امام شافعی، اکثر شوافع اور اکثر مالکیہ کے نزدیک حجت ہی نہیں، اور بعض فقہاء نے اسے "حجت ظنیہ" قرار دیا ہے۔ یہ اجماع کی قسموں کا اجمالی بیان ہے، تفصیل کے لئے اصول فقہ کی کتابوں کی مراجعت فرمائی جائے۔

**اجماع کے مراتب** اجماع کرنے والوں کے اعتبار سے اجماع کے حسب ذیل تین درجے ہیں:-

۱۔ سب سے قوی درجہ کا اجماع وہ ہے جو تمام صحابہ کرام نے عملی یا زبانی طور پر صراحتہ کیا ہو، اس لئے کہ اس کے حجت قطعیہ ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔  
۲۔ دوسرا درجہ صحابہ کرام کے اجماع سکوتی کا ہے، یہ بھی اگرچہ حنفیہ سمیت بہت سے فقہاء کے نزدیک حجت قطعیہ ہے، مگر اس کا منکر کافر نہیں، کیونکہ اس کے حجت ہونے میں امام شافعی اور بعض دیگر فقہاء کا اختلاف ہے، جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا۔

۳۔ تیسرے درجہ پر وہ اجماع ہے جو صحابہ کرام کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاء نے کیا ہو، یہ بھی جمہور کے نزدیک حجت تو ہے، مگر "حجت قطعیہ" نہیں، کیونکہ جو حضرات غیر صحابہ کے اجماع

۱۔ یہاں تک ان تین قسموں کا بیان تہلیل الوصول، ص ۲۸ و ص ۱۴۳ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ التقرير، ص ۱۰۱ و ۱۰۲ ج ۳۔

۳۔ جو حضرات صرف اہل مدینہ یا صرف اہل بیت کے اتفاق کو اجماع کے لئے کافی سمجھتے ہیں تمام صحابہ کرام کے اجماع ان کے نزدیک بھی حجت قطعیہ ہے، کیونکہ صحابہ میں اُس زمانے کے اہل مدینہ اور اہل بیت بھی داخل ہیں۔

(تہلیل الوصول، ص ۱۴۳)۔

کو حجت نہیں مانتے، اُن کے اختلاف کی وجہ سے اس اجماع میں قطعیت باقی نہیں رہی، یہ درجہ میں "سنت مشہورہ" کے مانند ہے، اس کا منکر بھی کافر نہیں۔

ان سب درجات کی تفصیل کے لئے اصول فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

**نقل اجماع** اجماعی فیصلوں کے درجات کی جو ترتیب اور بیان ہوئی، وہ اصل کے اعتبار سے ہی، لیکن جب اجماعی فیصلے کی خبر ہم تک پہنچے گی تو اس خبر کی روایت جتنی قوی

ہوگی ہمارے حق میں اس اجماعی فیصلے کی تاثیر بھی اتنی ہی قوی ہوگی، اور روایت میں جس قدر ضعف ہوگا اس اجماعی فیصلے کی تاثیر بھی ہمارے حق میں اتنی ہی ضعیف ہو جائے گی، چنانچہ تمام صحابہ کرام کا اجماع قوی یا عملی جو درجہ اول کا اجماع ہے اور اپنی ذات میں حجت قطعیہ ہے، اگر اس کی خبر ہم تک "تواتر" سے پہنچے تب تو وہ ہمارے لئے بھی حجت قطعیہ باقی رہے گا، اور اس کا منکر کافر ہوگا، لیکن اس کی خبر ہم تک اگر قابل اعتماد سند سے تواتر کے بغیر پہنچے تو اس کی قطعیت ہمارے حق میں ختم ہو جائے گی، اور اس کا حکم وہی ہوگا جو غیر متواتر حدیث کا ہوتا ہے، کہ وہ "دلیل ظنی" ہوتی ہے، شرعی احکام اس سے ثابت ہو سکتے ہیں مگر اس کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

اور اگر اس کی خبر سند کے اعتبار سے بھی ضعیف ہو تو اس کا حکم وہ ہوگا جو حدیث ضعیف کا ہوتا ہے، کہ وہ حجت ہی نہیں، اور اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ کا ماخذ ہونے کے اعتبار سے درجہ اول کے اجماع کی حیثیت ہمارے لئے وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ہے، کہ اگر وہ ہم تک تواتر سے پہنچے تو دلیل قطعی ہے، اور سند ضعیف سے پہنچے تو وہ ہمارے لئے کسی حکم شرعی کی دلیل نہیں بن سکتا۔

## اعتذار

جیسا کہ طبع اول و دوم کے دیباچوں میں عرض کیا گیا کہ حضرت والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ مقدمہ میں علم فقہ کے متعلق ضروری معلومات درج کی جائیں، چنانچہ احقر نے اپنی کم مانگی کے باوجود یہ مقدمہ اسی سعادت کے حصول کیلئے لکھنا شروع کیا تھا،

۱۔ مثلاً تہلیل الوصول، ص ۲۸ و ۱۴۳، اور التقرير والتبیین، ص ۲۸ و ۱۴۳۔ ۲۔ تہلیل الوصول، ص ۱۴۳۔



لیکن اختصار کی پوری کوشش کے باوجود اسکی ضخامت بڑھتی چلی گئی، پھر بھی یہ چاہتا تھا کہ فقہ کے چوتھے مأخذ "قیاس" کو تعارف تو اسمیں ضرور آہی جائے۔ لیکن طرح طرح کے عوارض کا سلسلہ حائل ہوتا چلا گیا۔ اسلئے مجبوراً اب "قیاس" کے تعارف کے بغیر ہی اسے شائع کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو انشاء اللہ اگلی اشاعت تک اسے اور فقہ سے متعلق باقی معلومات جو حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرمانا چاہتے تھے انہیں بھی اپنی بساط کی حد تک لکھنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال آگے صرف کتاب "امداد الاحکام" کا تعارف و خصوصیات اور اس کے مؤلفین کرام کے مختصر حالات زندگی بیان کئے جائیں گے۔

## خالقہ تھانہ بھون جاری ہونے والے فتاویٰ

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے جو فتاویٰ خود تحریر فرمائے ان کا عظیم الشان مجموعہ "امداد الفتاویٰ" تو ساہا سال سے چھ جلدوں میں شائع ہو رہا ہے، جو مشہور مجددانہ کارنامہ ہے، کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ لیکن سوالات کی کثرت کے باعث حکیم الامت نے خالقہ تھانہ بھون کے بعض دوسرے علماء محققین کو بھی فتاویٰ لکھنے پر مامور فرمایا ہوا تھا، جو آپ ہی کی رہنمائی میں فتاویٰ لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے، اور آپ کا نظا و اصلاح کر دے۔

میں دارالعلوم کراچی کے شعبہ "مجلس خیر" میں محفوظ ہیں، طبع نہیں ہوئے، مگر ان کی تمہید میں حضرت حکیم الامت نے تحریر فرمایا ہے کہ ان میں صرف پہلے مہینہ کے فتاویٰ مجھے دکھائے گئے ہیں، باقی میں اس کا التزام نہیں کیا گیا۔

۳۔ جمیل الفتاویٰ :- یہ تھوڑے سے فتاویٰ ہیں جو حضرت حکیم الامت نے مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم سے سلسلہ ۳۶ھ میں لکھوائے شروع کئے تھے، ان کی بھی طباعت نہیں ہو سکی، مفتی صاحب موصوف کے پاس محفوظ ہیں، غرض یہ تین مجموعے تیار ہوئے تھے، جن میں سے "امداد الاحکام" پہلی بار دارالعلوم کراچی سے شائع ہو رہا ہے، اور یہاں اسی کا تعارف مقصود ہے۔

## امداد الاحکام

یہ ان فتاویٰ کا نادبر روزگار مجموعہ ہے جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی رہنمائی میں اکثر تو آپ کے جلیل القدر بھانجے اور شاگرد رشید حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے تحریر فرمائے، اور کچھ مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گتھلوی کے تحریر فرمودہ ہیں، اور بعض فتاویٰ اس میں خود حضرت حکیم الامت نے بھی تحریر فرمائے ہیں،

یہ مجموعہ تقریباً انیس سال (محرم ۱۳۲۷ھ سے شوال ۱۳۵۵ھ تک) کے فتاویٰ پر مشتمل ہے جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سے فتاویٰ پر حضرت حکیم الامت کے تصدیقی دستخط ہیں، اور جن پر تصدیقی دستخط نہیں وہ بھی اکثر آپ کے زبانی مشورے سے لکھے گئے ہیں، کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ان کی صحت پر بھی آپ کو تقریباً ایسا ہی اعتنا























































































































































































































































































































































































































قال اذا لم تصل الميمنة الابمصاصي الله الخ صحيح است يانه ؟

الجواب، اس کا اجمالی مضمون تو صحیح ہے، اس تفصیل کے ساتھ نظر سے سند کے ساتھ نہیں گذرا، ۶ رمضان ۱۳۸۵ھ

آیت فلتق آدم من ربہ کلمات قتاب علیہ سوال (۱۵).....  
متعلق ایک روایت کی تحقیق

تحریر کرتا ہے کہ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کلمات کی بابت سوال کیا جن کی تعلیم آیت ہذا میں ہوئی، حضور نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و علی رضی اللہ عنہ وفاطمہ رضی اللہ عنہا و حسن رضی اللہ عنہ کو وسیلہ کر کے گناہ کی معافی چاہی، خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، اور ان کے گناہ معاف کر دیئے حدیث یہ ہے، اخراج ابن النجار عن ابن عباسؓ قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الكلمات التي تلقاها آدم من ربه فتاب عليه قال سألت آدم بحق محمد وعلی وفاطمة والحسن ان تبث علی فتاب عليه (در منشور سیوطی) زید کے مقابلہ میں اپنا خیال یہ ہے کہ بحق محمدؐ تک عبارت صحیح ہے اور پھر آگے زائد ہے نہیں معلوم کس نے زیادہ کیا، فقط، جواب صحیح حدیث سے عنایت ہو دے،

الجواب؛ زید نے جو روایت بیان کی ہے وہ محض بے اصل ہے، در منشور نے اس کو ابن النجار سے نقل کیا ہے، اس کے علاوہ دارقطنی نے بھی اس روایت کو لیا ہے، لیکن دونوں کتابوں میں سے ایک ہی سند سے روایت موجود ہے، یعنی ابن النجار اور دارقطنی ہر دو کی سند میں حسین ابن الحسن الاشقر عن عمرو بن ثابت ابی المقدم عن ابیہ موجود ہے، اور یہ حسین رافضی غالی تھا، اور اکثر لوگوں نے اس پر جرح کی ہے، حتیٰ کہ بعض نے کذاب کہا ہے، اور عمرو بن ابی المقدم بھی غالی شیعہ تھا اور اس کے ضعیف ہونے پر سب محدثین کا اتفاق ہے اور بڑے سخت الفاظ میں اس پر جرح کی ہے، چنانچہ ابوداؤد نے رافضی خبیث کہا ہے پس یہ روایت موضوع ہے ہرگز قابل اعتماد نہیں، مہناج السنۃ میں صاف لکھا ہے، کذب موضوع۔ باتفاق اہل العلم (ص ۳۶ ج ۴) اور جب معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث نہیں بلکہ حسین یا عمرو کا گھڑا ہوا مضمون ہے تو اس کا دوسرا جواب دینے کی ضرورت نہیں، اگر پھر بھی کسی کو خواہش کا شوق ہو تو مہناج السنۃ دیکھ لے، کہ اس میں دیگر سات جواب موجود ہیں، اور جب معلوم ہو گیا

کہ یہ ٹھل روایت ہی سرے سے گھڑی ہوئی ہے تو پھر بحق محمدؐ تک کا صحیح ماننا بھی بلا دلیل ہے، اور کلمات کی صحیح اور معتبر تفسیر یہ ہے کہ ربنا ظلمنا انفسنا الخ مراد ہے، اس کو چند صحابہ نے بیان فرمایا ہے، اور خود حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہی فرمایا ہے، جیسا کہ ثعلبی اور ابن المنذر نے ان سے روایت کی ہے جو در منشور ہی میں موجود ہے، واللہ اعلم، کتبہ الاحقر عبد الکریم از مہمانہ بھون ضلع مظفر نگر مورخہ ۱۲ رجب ۱۳۸۵ھ

## کتاب التصوف والسلوک

الحب فی اللہ کی حقیقت سوال (۱).....  
اس کی علامت اور اس کے حقوق کیا ہیں ؟  
ہے یا فقط زبان سے ؟

۱۔ دینی دوستی رکھنے والوں کی صفت کیا ہے، اور کس طرح سے دوستی رکھنا ہے ؟  
۲۔ دینی دوستی رکھنے والوں کے ساتھ جو خلافت و رزری کرتے ہیں ان کے ساتھ کس طرح سلوک کرنا چاہیے ؟..... اس کی تفصیل بیان فرما کر عند اللہ ما جو رہوں، بیٹو اتو جو را،  
الجواب؛ ۱۔ حب فی اللہ قلب سے ہوتی ہے، اور زبان سے ظاہر کرنا بھی مستحب ہے، باقی فقط زبان سے حب فی اللہ نہیں ہوتی، وہ مدارات میں داخل ہے، اگر شرعی مصلحت سے ہو،

۲۔ حب فی اللہ کی صفت یہ ہے کہ اس کا منشور محض اسلام اور اتباع شریعت ہو، کوئی نفسانی غرض اس کا منشور نہ ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ جب تک محبوب شریعت پر قائم رہے اس وقت تک اس سے محبت رہے، گو اس سے کوئی نفع اپنے کو نہ حاصل ہوتا ہو اور جب شریعت کے خلاف باصرار کرنے لگے تو محبت زائل ہو جاوے،

۳۔ حب فی اللہ کے چند حقوق یہ ہیں :۔ (۱) گاہے گاہے اس سے ملتے رہنا (۲) اس کی راحت سے خوش ہونا، کلفت سے رنجیدہ ہونا (۳) بقدر وسعت ہدیہ دینا (۴) خط و کتابت رکھنا (۵) اس کے لئے دعا کرتے رہنا (۶) اس کے ساتھ ہمیشہ خیر خواہی کرنا، (۷) اس کے مخالفوں کی باتیں نہ سننا اور جو مئے تو ان کو رد کر دینا وغیرہ وغیرہ۔



سوال سوم کا مطلب نہیں سمجھ میں آیا، واللہ اعلم

۲۵ شعبان ۱۳۵۴ھ

فاسق پر طریقت نہیں ہو سکتا

سوال (۲)

ایک پیر عوام الناس ہے جس کو پیری وراثت سے ملی ہے، اس کا والد مجاز تھا، اس نے اپنی اولاد موجودہ کو اجازت خلافت دیدی ہے، اس کی اولاد معمولی خواندہ ہی آثار اس میں نہیں، بلکہ خلافت شرع بھی کر رہے ہیں، عوام معتقد ہیں ایک عالم نے ایک وقت رد و قدح کیا تو اس پر کفر کا فتویٰ دیا، کہ مرتد طریقت ہی، اور مرتد طریقت بہت بُرا ہوتا ہے مرتد شریعت سے، اس جملہ کا بھی مطلب دریافت ہے، کہ یہ کس کا مقولہ ہے اور مطلب اس سے کیا ہے؟

اب اس وقت منکوحہ نابالغ کی تھی، جو کہ صرف سرکاری کاغذات میں پندرہ سال کا ہے، خود بلوغ کا منکر، اور گواہ بھی نہیں، منکوحہ کو ایک شخص گھر لے گیا ہے، علماء وقت نے واپسی کا فتویٰ دیا ہے، اور لڑکے کو نابالغ قرار دیا ہے، خط سرکاری کا اعتبار نہیں کیا، موجود پیر صاحب نے بلا کر یہ کارروائی کی، لڑکے سے طلاق دلوائی، دریافت کیا کہ جماع کیا ہے؟ لڑکے نے انکار کیا، اس پر حلف بھی دیا، فوراً نکاح باندھ لیا ہے، خلوت کا کچھ بھی تذکرہ نہیں تحریر بھی دی ہے کہ سرکاری خط معتبر ہے شرع میں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تولد زمانہ کفر میں ہوا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعتبار کر کے اپنی عمر بتلائی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں سے اپنے وقت تولد کا پوچھ کر کے بتلایا ہوگا، اور چونکہ لڑکے نے حلف لیا جماع کا، چونکہ خلوت ضعیف ہے جماع سے، اس لئے خلوت کا اعتبار نہیں، اس لئے میں نے نکاح جائز رکھا، انتہی،

اب دریافت یہ ہے کہ خط سرکاری معتبر ہے یا نہیں، یہ نکاح علی المنکوحہ یا علی المعتمدہ موجودہ واقعہ میں خلوت صحیحہ موجود ہے جس کا مفتی نے دریافت تک نہیں کیا، ہر بلکہ جماع کی نفی سے اس کی بھی نفی کی، اور ایسے پیر مفسی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: یہ کسی کا بھی مقولہ نہیں، جہلاً صوفیہ کی اختراع ہے، اور جب پیر کی اولاد میں رُشد کے آثار نہیں وہ شرعاً فاسق ہے، اور فاسق شرعی پر طریقت کیونکر ہو سکتا ہے؟ پس ان سے ہرگز بیعت نہ کی جاوے، اور ان کے فتوے سے کوئی عالم مرتد طریقت نہیں ہو سکتا،

یہ پیر ضال مضل و فاسق و فاجر ہے، اگر لڑکا واقع میں شرعی بالغ نہیں، اور بلوغ سے منکر ہے تو یہ نکاح منکوحہ ہے، جو باطل و باطل ہے، اور جس نے نکاح کیا ہے وہ زانی ہے، اور اگر لڑکا بلوغ کا مدعی ہے تو اس کی عمر لکھ کر دوبارہ سوال کیا جائے،

۲۱ شعبان ۱۳۵۴ھ

مسئلہ سلوک | سوال (۳) ..... عشرہ کی نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو انکے ہاتھ کے درمیان میں گویا حضرت صلعم کے ہاتھ پر ان کا ہاتھ رکھا، جیسا کہ لکھتے ہیں بیعت رسول اللہ صلعم علی خمس شہادۃ ان لا اله الا اللہ وان رسول اللہ و اقام الصلوٰۃ و اتا الزکوٰۃ و صوم رمضان الخ ایسے ہی حضرت صلعم کا ہاتھ پکڑ کے بیعت کرنے کو خیال کرنا درست ہے یا نہیں، للہ جواب فرمائیے، ایک عالم مریدوں کو تعلیم دیتا ہے،

الجواب: شیخ صادق کو نائب رسولؐ تو سمجھنا چاہئے، مگر یہ خیال کرنا ہرگز جائز نہیں کہ شیخ کے ہاتھ رسولؐ کے دست مبارک ہیں، اس میں تو گویا شیخ کو رسولؐ سمجھ لیا، نعوذ باللہ من ہذہ الکفریات، کیا کوئی مسلمان ایسا تصور کر سکتا ہے کہ جس میں شیخ کو رسولؐ مانا پڑے، اور شیخ صادق تو کبھی یہ بھی نہ کہے گا کہ مجھ کو نائب رسولؐ سمجھو چہ جائے کہ اپنے ہاتھ کو دست رسولؐ تصور کرنے کا امر کرے، غرض یہ فعل بہت ہی منکر ہے، جو شخص اس کی تعلیم کرتا ہے اس سے حبتناہ لازم ہے، کہیں وہ کل کو دعویٰ نبوت کا نہ کر بیٹھے، جو اپنے ہاتھ کو نبیؐ کا ہاتھ بتلاتا ہے وہ اپنے آپ کو نبیؐ کہنے لگے تو کیا بعید ہے، اللہ تعالیٰ جملہ فتن سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے،

آمین ثم آمین، فقط احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۵ ج ۲ ۱۳۵۴ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۸ ج ۲ ۱۳۵۴ھ

دہی وظائف زیادہ مفید ہیں | سوال (۴) زید آیام بیض کے روزے ماہانہ اور وظیفہ درود جو رُشد متبع شریعت تعلیم کرے دلائل الخیرات شریف روزانہ کرتا ہے، مگر رُشد اس کو ان دنوں چیزوں سے منع کر کے درود شریف و استغفار وغیرہا کے وظائف بتلاتے ہیں، رُشد کے حکم کے موافق وظائف درود شریف وغیرہ پڑھ کر روزہ آیام بیض وغیرہ رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب: وظائف دہی زیادہ مناسب اور مفید ہوتے ہیں جو کہ رُشد متبع شریعت تعلیم کرے، اور آیام بیض کے روزے مستحب ہیں، اگر کسی وجہ سے رُشد کامل کسی



امرید کو اس کی حالت خاصہ کے اعتبار سے منع کرنے تو مرشد کی تجویز کو اپنی رائے پر مقدم کرے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض فعل مستحب کسی خاص شخص کے لئے کسی وجہ سے مضر ہو جاتا ہے، الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون،

مورخہ ۲ شعبان ۱۱۵۴ھ

سوال (۵) بسم الله الرحمن الرحيم ،  
رسول الله صلى الله عليه وسلم کسی کو خرقہ دینا ثابت ہے؟ نیز اصطلاح صوفیہ میں اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟  
قال الملا علی القاری (من مفتریات الصوفیة علی النبی علیہ السلام) لبس الخرقۃ الصوفیة وكون الحسن البصری لبسها من علی قال ابن دحیة وابن الصلاح انه باطل وكذا قال العسقلانی انه لبس فی شی من طرقها ما یثبت ولم یرد فی خبر صحیح ولا حسن ولا ضعیف ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبس الخرقۃ علی الصلوة المتعارفة بین الصوفیة..... لاحد من الصحابة ولا امراحداً من اصحابه بفعل ذلك وكل ما یزعم من ذلك صریحاً فباطل قال ثم ان من الكذب لمفتری قول من قال ان علیاً لبس الخرقۃ للحسن البصری فان ائمة الحدیث لم یثبتوا للحسن من علی سماعاً فضلاً عن ان یلبسه الخرقۃ قال السخاوی ولم ینضرب بذلك شیخنا بل سبقه الیه جماعة حتی من لبسها والیسبها کالد میاطی والذہبی وابن حبان والعلانی و العراقی وابن الملقن والبرهان الحلبي وغيرهم یعنی تشبہا بالقوم وتبرکاً بطریقهم اذ ورد لبسهم لهما مع الصحبة المتصلة الی کمیل ابن زیاد وهو صحب علیاً کرم الله وجهه اتفاقاً وفي بعض الطرق ایضاً اتصالها بأولین القرنی وهو قال اجتمع لعمر وعلی رضی اللہ عنہما قلت وكذا نسبة التلقین المتعارف بین الصوفیة لا اصل له وكذا نسبة المصافحة المتصلة الی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لیس له اصل عند العلماء الاعلام وكذا نسبة الخرقۃ الی اولین وانه علیہ السلام اوصی بخرقته لا ولس وان عمرو علیاً سلماها الیه وانها وصلت الیهم منه وھلم جراً فقیر ثابت ولا ذکرہ بعض المشائخ والمدار علی طریق الصحبة ومتابعته الکتاب والسنة ومجانبة البہوی ومقاربة

الہدی والعاقبة للتقوی (موضوعات لملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ ص ۶۲ و ۶۳) مطبوعہ استنبول

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین صورت مسئلہ میں کون سا قول محقق ہے کہ خرقہ علی رضی اللہ عنہ نے حسن بصری کو عطا فرمایا، اور بعد ازاں سلسلہ وار یہ طریق مروج آج تک چلا آ رہا ہے، یا کمیل ابن زیاد کو دیا گیا، یا یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ادریس کے پاس تشریف لے گئے، اور موافق وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو خرقہ عطا فرمایا، بعد ازاں یہ رسم فقرا میں دہیں سے رواج سلسلہ بہ سلسلہ پاتی گئی کیا ان روایات میں سے کوئی روایت قابل اعتماد ہے؟ اور کیا سر در عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو خرقہ دینا ثابت ہے، و نیز خرقہ کی ہیئت کیا ہے، اور کیا اس زمانہ میں اس کا پہننا مناسب ہے یا ترک، اور اصطلاح صوفیہ میں اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

الجواب؛ سلسلہ صوفیہ کی صحت کے لئے خرقہ کا ثبوت ضروری نہیں، بلکہ بقا طول اور صحت کافی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کو خرقہ پہنانا ثابت نہیں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی کسی کو خرقہ پہنانا ثابت نہیں، ہاں یہ ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے، اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ امام حسن بصری حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت میں رہے، ففی الخلاصة عن تہذیب الکمال وقال یونس بن عبید سالت الحسن قلت یا ابا سعید انک تقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانک لمرتد لک قال یا ابن اخی لقد سألتنی عن شیء ما سألتنی احد قبلك ولولا منزلتک منی ما اخبرتک انی فی زمان کما تری وکان فی عمل الحجاج کل شیء سمعتنی اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہو علی ابن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیاً رکذا فی حاشیة التہذیب ص ۲۶۶، قال المشیخ مولانا فخر الدین النظامی فی کتابہ فخر الحسن هذا دلیل جلیل علی سماع الحسن من علی المرتضی واکثارة عنه وکثرة ما رواه الحسن من المراسیل، والروایة لیس فیہم کلام للثقات ام وقال السیوطی فی اتحاف الفرقۃ بوصول الخرقۃ بعد ما اخرج عن ابی یعلی فی مسندہ حدیث الحسن قال سمعت علیاً یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل امتی مثل المطر الحدیث



قال محمد بن الحسن الصيرفي شيخ شيوخنا هذا نص صريح في سماع الحسن من علي رضي الله عنه ورجاله ثقات ام من التعليق الحسن،

اور اگر علی کرم اللہ وجہہ حسن بصری اور کمال بن زیاد کو خرقہ پہناتے تو اپنے صاحبزادوں امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو ضرور پہناتے، جن کا قطعی طور پر صاحب کمال اور حقا نسبت و احسان ہونا پہلادیت نبوی ثابت ہے، واقعہ یہ ہے کہ اجازت اور خلافت باطنہ کے لئے صرف لقا، اور صحبت اور زبانی اجازت کی ضرورت ہے، سو وہ تمام مشائخ سلسلہ میں موجود ہے، بعض بزرگوں نے اپنے کسی مجاز کا دل خوش کرنے کے لئے اجازت لسانی کے ساتھ خرقہ بھی عطا فرمایا ہوگا، اس وقت سے خرقہ کا دستور جاری ہو گیا، باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یا حضرات صحابہؓ سے نہ اس کا ثبوت نہ ثبوت کی ضرورت،

از تھانہ بھون ۳۵۵

نسبت تلقین کی حقیقت | سوال (۶) نیز باصطلاح صوفیہ نسبت تلقین کیا ہے، اور اس کا حکم کیا ہے، یہ بھی محقق امور شرعیہ میں سے ہے یا نہیں؟

الجواب: نسبت تلقین کی حقیقت معروفہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اللہ تک پہنچنے کا نزدیک راستہ بتلا دیجئے جو بندوں پر بھی آسان ہو اور اللہ کے نزدیک بھی افضل ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے افضل لا الہ الا اللہ ہے، اس پر حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا یہ ذکر کیونکر کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آنکھیں بند کر دو، اور تین دفعہ مجھ سے اس کو سنو، پھر تین دفعہ تم بھی ذکر کرو اور میں سنوں، اس کے بعد حضور نے اپنی مبارک آنکھیں بند کر کے بلند آواز سے تین دفعہ لا الہ الا اللہ کہا اور حضرت علیؓ بن سنتے رہے پھر حضرت علیؓ نے آنکھیں بند کر کے بلند آواز سے تین دفعہ لا الہ الا اللہ کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے رہے، ام

حضرت شیخ امام سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے البرہان المؤید میں فرمایا ہے کہ تلقین کا یہ طریقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بسند صحیح ثابت ہے، اور اسی کے موافق صوفیہ میں سلسلہ بسلسلہ چلا آ رہا ہے، مگر محدثین کے طریق پر اس کا ثبوت نہیں ہے، اور غالباً شیخ امام سید احمد کبیر رفاعی نے اس کی سند کو صوفیہ کے طریقہ پر صحیح فرمایا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب،

نسبت مصالحتہ کی حقیقت | سوال (۷) نسبت مصالحتہ متصلہ باصطلاح صوفیہ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا نہیں، ان امور کے متعلق ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب موضوعات میں کلام کیا ہے، اور زوردار الفاظ میں انکار کیا ہے، لیکن اسی کتاب میں اور اسی مقام پر علامہ سخاویؒ اور دیگر علماء کبار ذہبیؒ و دمیاطیؒ و ابن ملقنؒ و غیرہم کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ یہ حضرات خرقہ تشبہاً بالقوم و تبرکاً بطریقہم پہنتے تھے، بدین وجہ آنجناب..... کی طرف رجوع کیا ہے، ان دونوں اقوال میں کس پر اعتماد و وثوق کیا جاوے، ازراء شفقت بزرگانہ تفصیل سے مستفیض فرمایا جاوے، بینوا تو جروا؟

الجواب: نسبت مصالحتہ کی حقیقت کسی مقام پر کتب معتبرہ میں نظر سے نہیں گزری اصطلاح قدیم ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ذلك امر، نعم قال فی کشف اصطلاح الفنون الصلح عند الصوفیة عبارة عن قبول الاعمال والعبادات (ص ۸۳۱ ج ۱) فاعل الصلح والمصالحة عبارة عن الاتصال والمواصلة والحصول وهو ان لا یصل العبد غیر خالفه ولا یتصل بسره خاطر لغير صانعہ (عوارف، ص ۲۶۹ ج ۳) فہناک یصلح العبد ویرزق والصلاح والقبول والوصل والاتصال فی الاصل عبارة عن النسبة الباطنية التي قد امتاز بها القوم اهل الطريق وهي قصوى مرادهم وغاية قصدهم ومنتھي سعيهم، واللہ تعالیٰ اعلم،

ولاشك فی اتصال هذه النسبة بالحضرة النبوية فانها مشكوة الانوار ومنبع الاسرار ومنتھي كل کمال وجمال ولا بد لحصول هذه النسبة من صحبه شیخ کامل اتصلت سلسلۃ الروحانية بمشكوة النبوة ومعدن الرسالة ولا یجدى فیہا مجرد تحصیل العلم و كثرة العمل بدون صحبة الشیخ كما هو مشاهد الا نادراً والنادر کم المعلوم وقد كان بعض الاجلة من الصوفیة قد اختاروا لقاء هذه النسبة فی قلوب المریدین طریقاً خاصاً بصراً المهمة اليہا وهي معرفته بین القوم وهذه الطريق لم یثبت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم بهذه الهيئة وهي التي قال فیہا القاری لا اصل لها، واللہ تعالیٰ اعلم،



## کتاب الذکر والدعاء والتعوذات

کھڑے ہو کر ذکر کرنا | سوال (۱) خاچ صلوٰۃ کھڑے ہو کر ذکر کرنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟ مسئلہ  
افضل ہے یا بیٹھ کر | کسی کتاب میں نہیں دیکھا، ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھ کے پڑھنا  
افضل ہے اور اکثر احادیث میں ذکر مجلس وقعود ہی کے ساتھ مذکور ہے،

الجواب: دعاء اور ذکر میں افضل جلوس ہی ہے، قال العلامة ابن الجزری  
فی الحصن، اَدَابُ الدَّعَاءِ مِنْهَا .... مَا يَبْلُغُ أَنْ يَكُونَ رُكْنًا وَأَنْ يَكُونَ شَرْطًا وَأَنْ  
يَكُونَ غَيْرَ ذَلِكَ مِنْ مَّامُورَاتٍ وَمَنْهِيَّاتٍ وَغَيْرِهَا إِلَى أَنْ قَالَ وَالْجُثُو عَلَى الرُّكْبِ  
عَوَامٌّ قَالَ الْمَحْشَى الْعَلَامَةُ مِنْ حَدِيثِ عَامِرِ بْنِ خَارِجٍ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَدِّهِ سَعْدِ  
بْنِ أَبِي وَقَاصٍ ۲۲ وَقَالَ صَاحِبُ الْحَصَنِ الْإِضَافِي بَيَانُ آدَابِ الذِّكْرِ  
مَنْصُصٌ، وَأَنْ كَانَ جَالِسًا فِي مَوْضِعٍ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ۲۱ قَالَ الْمَحْشَى الْعَلَامَةُ الْفَارِغِيُّ  
قَوْلُهُ جَالِسًا وَقَبِيلُ الْجُلُوسِ لِأَنَّهُ أَفْضَلُ أَحْوَالِهِ أَمَّا عَلَى رُكْبَتَيْهِ أَوْ بِصَفَةِ  
التَّرْبِيعِ بِحَسَبِ اخْتِلَافِ الْمَشَافِعِ ۲۱ (ص ۲۶) ہاں جس جگہ قیام کے لئے کوئی داعی  
شرعی ہو وہاں قیام افضل ہے، جیسا کہ زیارت نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے  
لئے مواجہہ شریف میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا مشروع ہے، قال العلامة الفاری  
فی مناسک ثم توجه ای بقلب والقالب مع رعاية غاية الادب فقام تجاه الوجه  
الشریف ۲۱ (ص ۲۸۶) وما احسن قول بعضهم لا لوجهتکم قاصدا السعی علی  
بصری: لم اقض حقواى الحق ادیت، رزقنا الله تعالى زیارة وجهه الكريم  
ودرود جماله الوسیم، وجعنا به فی جنات النعیم، آمین آمین،  
لیکن اس پر قیام مولد کو قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ یہ قیام اسی موضع شریف و امثالہ  
کے ساتھ مختص ہے، فافهم واللہ اعلم،

۱۵ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۵ھ

دتر کی نماز کے بعد سبحان الملک | سوال (۲) دتر کی نماز کے بعد سبحان الملک القدر و کتنی مرتبہ  
القدر و کتنی مرتبہ کہنا چاہئے، | کہنا چاہئے، غالباً مشکوٰۃ میں تین دفعہ کہنا آیا ہے، اور اخیر

میں تیسری آواز کے لئے رفع صوتہ کا لفظ آیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ ہر سہ بار بجز خفیف کرنے تو پھر  
تیسری دفعہ رفع صوتہ کے کیا معنی؟

الجواب: قال فی الحصن واذا سلم منه قال سبحان الملک القدر و ثلاث مرّات یمد صوتہ  
فی الثالثہ و یرفع راسہ و یصنّ قطا اس سے معلوم ہوا کہ تین بار کہے اور تیسری بار میں آواز بلند  
کریں اور دراز کریں، اور سیاق کا مقتضایہ ہے کہ پہلی دو بار میں بھی جہر ہے، مگر خفیف  
در نہ راوی کو تعیین عدد ثلاث کا علم بصورت اخفاء اولین متعذر تھا، واللہ اعلم،

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۵ھ

فرض نمازوں کے بعد آواز بلند تکبیر | سوال (۳) بعض داعین مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتے پھرتے ہیں کہ پانچوں  
کعبے کا حکم اور اس کی تعمیت، | بعض داعین مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتے پھرتے ہیں کہ پانچوں  
نمازوں کے بعد سب نمازیوں کو آواز بلند تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگانا چاہئے، اور جب ان سے  
یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بدعت ہے تو وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کا نام لینا اور تکبیر کہنا بھی کہیں  
بدعت ہو سکتا ہے، اور استدلال میں تکبیرات تشریف اور تکبیر جہاد کو پیش کرتے ہیں، امید ہے کہ  
اس سوال کا جواب مع حوالہ سنت و کتاب دیا جائے گا، بنیو بالامر الصواب و کم عند اللہ جزیل  
الثواب،

الجواب واللہ الموفق للصواب: اس قسم کا سوال حضرت علامہ مولانا ابوالحسن  
عبدالحی لکھنوی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بھی پیش ہوا تھا، جس کا مفصل جواب مولانا مرحوم کے  
فتاویٰ میں منقول ہے، مختصراً کچھ یہاں بھی ذکر کیا جاتا ہے، نیز در مدخل بمقام دیگر نوشتہ،  
ولیکن رواجی من الجہر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوٰۃ ان کان فی  
جماعۃ فانہ ذلک من البدع، انتہی و علامہ بدرالدین العینی الحنفی در بنایہ  
مشح ۳ ہدایہ می نویسند، قال ابو بکر الرازی قال مشائخنا التکبیر جہراً فی  
سہ نماز سے فارغ ہونے کے وقت ذکر اور دعا میں جہر کرنے سے اگر جماعت کیساتھ ہو سب کو پنا چاہئے  
کیونکہ یہ بدعتوں میں سے ایک بدعت ہے ۱۲

عہ ابو بکر رازی نے کہا ہے کہ ہماری مشائخ نے فرمایا ہے کہ ایام تشریق و عید الاضحیٰ کے سوا تکبیر میں کسی  
وقت جہر کرنا مسنون نہیں، مگر دشمن اور چوروں کے مقابلہ کے وقت اور بعض نے کہا ہے کہ آگ لگنے اور خطرناک  
مواقع میں بھی ۱۳۔



غير ايام التشريق والاضحى لايسن الا بازاء العدد والخصوص وقيل وكذا في المحرقين  
والمنحرفين كلها انتهى، وفي نصاب الاحتساب اذا كبروا على اثر الصلوة جهرا  
يكروه وانه بدعة يعني سوى الايام النحر والتشريق انتهى، واين قسم عبارت خفيه  
بسيار انك ازال كرايت ذكر جهرى بجزء من مواضع مستثناة ثابت مى شود تفصيل آن در رساله  
ام سباحة الفكر في الجهر بالذكر موجود است، الحاصل ذكر جهرى بعد نماز سوائے مرايام تشریق  
وغیره اگر احيانا باشد مضائقه نیست بشرطیکه جهر مفرط نباشد، و همچنین اگر مقصود از جهر تعليم  
باشد بدون اين اغراض التزام واهتمام آن کردن چنانکه در سوال مذکور است خلاف طریق نبوی  
وطریق سلف صالح است والله اعلم (ص ۲۳۳ ج ۲ مع الخلاصه)

بعض لوگوں نے نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ  
کی روایت سے استدلال کیا ہے جسکو بخاری نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: ان رفع  
الصوت بالنكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد رسول الله صلى  
الله عليه وسلم وقال ابن عباس كنت اعلم اذا انصرفوا بذكر اذا سمعته (ص ۲۶۹ ج ۲ فتح الباری)  
نماز فرض سے فراغت کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب میں ذکر کی آواز سنتا تھا اس  
وقت نماز کا ختم ہونا مجھے معلوم ہو جاتا تھا، فتح الباری میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:  
وقال النووي حمل الشافعي هذا الحديث على انهم جهروا به وقتا يسيرا لاجل  
تعليم صفة الذكر لانهم داوموا على الجهر به والمختاران الامام والمأموم  
يخفيان الذكر الا ان احتيج الى التعليم (ص ۲۶۹ ج ۲) یعنی امام شافعی رحمہ اللہ نے  
اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے کو ذکر کے الفاظ اور  
طریقہ سکھانے کے واسطے کچھ دنوں جهر کیا ہے، ہمیشہ انھوں نے جهر نہیں کیا، اور مختار یہی ہے  
کہ امام اور مقتدی آہستہ ذکر کریں، البتہ اگر تعلیم کی ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں ام

علامہ عینی عمدۃ القاری میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں وقال ابن بطلال وقول  
ابن عباس كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم فيه دلالة على انه لم يكن

عہ جب نماز کے بعد ايام تشریق و نحر کے سوا جهر کے ساتھ تکبیر کہیں تو مکروہ اور بدعت ہے،

يُفعل حين حدث به لانه لو كان يفعل لم يكن لقوله معنى فكان التكبير في اثر  
الصلوات لم يواظب الرسول عليه الصلوة والسلام (عليه) طول حياته وفهم  
اصحابه ان ذلك ليس بلزام فتركوه خشية ان يظن انه مما لا تتم الصلوة  
الا به فلن ذلك كرهه من كرهه من الفقهاء (ص ۱۹۳ ج ۱) یعنی ابن بطلالؒ  
فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا  
ہوتا تھا اس بات کو بتلا رہا ہے کہ جس وقت ابن عباسؓ یہ حدیث بیان کر رہے ہیں اس  
وقت ایسا نہیں کیا جاتا تھا، در نہ پھر اس قید کے کچھ معنی نہ ہوں گے، (تو اس سے امام  
شافعیؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ جهر بالذکر لوگوں کی تعلیم کیلئے تھا، جب لوگوں نے  
دعاء اور ذکر کے الفاظ یاد کر لئے، پھر یہ جهر بھی متروک ہو گیا (۱۲) حاصل یہ ہے کہ نمازوں کے  
بعد تکبیر بالجهر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت نہیں کی، اور صحابہؓ اس بات کو جانتے تھے  
کہ یہ جهر لازم تو ہے نہیں، تو انھوں نے اس اندیشہ کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا کہ کوئی اس کو  
لازم نہ سمجھنے لگے، اور یہ خیال نہ کرنے لگے کہ نماز اس کے بدون کامل ہی نہ ہوگی، اور اس اندیشہ  
کی وجہ سے فقہاء نے اس کو مکروہ سمجھا ہے، جس نے بھی مکروہ سمجھا ہے ام (کیونکہ مباح کے  
التزام و اہتمام سے ہمیشہ ایسے مفاسد مرتب ہونے لگتے ہیں کما ہو مشاہد)۔

علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں ابن بطلالؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: وقال  
ابن بطلال اصحاب المذاهب المتبعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب  
رفع الصوت والتكبير والذكر حاشا ابن حزم (ص ۱۹۳ ج ۱) ابن بطلالؒ کہتے ہیں کہ وہ ائمہ  
جن کے مذاہب کا اتباع کیا جاتا ہے اور ان کے سوا دوسرے بھی اس پر متفق ہیں کہ تکبیر و ذکر کے  
ساتھ آواز کا بلند کرنا نمازوں کے بعد مستحب نہیں ہے، بجز ابن حزم کے ام، فتح الباری میں  
یہ بھی مذکور ہے قال الطبري فيه الابانة عن صحة ما كان يفعل بعض الامراء  
من التكبير عقب الصلوة وتعقبه ابن بطلال بانه لم يقف على ذلك عن احد من  
السلف الا ما حكاه ابن حبيب في الواضحة انهم كانوا يستحبون التكبير في العشاء  
عقب الصبح والعشاء تكبيرا عاليا ثلاثا قال وهو قد يسم من شان الناس قال ابن  
بطلال وفي العتبية عن مالك ان ذلك محدث ام (ص ۲۶۹ ج ۲) وفي العتبية  
للحيني وعن عبيدة انه بدعة ام (ص ۱۹۳ ج ۱)



طبری نے کہا ہے کہ حدیث ابن عباسؓ سے بعض امراء کے اس فعل کی صحت معلوم ہوتی ہے کہ وہ نماز کے بعد بحیرہ بلند آواز سے کہا کرتے تھے، ابن بطلان نے اس پر اعتراض کیا ہے، کہ سلف میں سے کسی سے ہم کو یہ ثابت نہیں ہوا، بجز اس کے کہ ابن حبیب نے واضح میں نقل کیا ہے کہ لوگ لشکروں میں صبح اور عشاء کی نماز کے بعد تین مرتبہ بلند آواز سے تکبیر کہنے کو پسند کرتے تھے، ابن بطلان کہتے ہیں کہ عتبہ میں مالک کا قول (اس کی نسبت) نقل کیلئے کہ یہ طریقہ محدث ہے (نواب جاد ہے) اور عتبہ میں عبیدہ سے منقول ہے کہ یہ طریقہ بدعت ہے ام۔

الغرض اس حدیث سے استدلال کرنا موجودہ تکبیر پر صحیح نہیں، کیونکہ تمام علماء بزرگ نے اس حدیث میں خود تاویل کی ہے، اور جن لوگوں نے لشکروں میں نماز صبح و عشاء کے بعد تین بار تکبیر کہنے کا رواج جاری کیا تھا، امام مالکؒ وغیرہ نے اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے، قال فی المرقاة وحمل الشافعی جہودہ ہذا علی انہ کان لاجل تعلم المامونین لقولہ تعالیٰ وَلَا تَجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُتُمْ بِهَا الْآیَةَ نَزَلَتْ فی الدعاء کما فی الصحیحین واستدل البیہقی وغیرہ لطلب الاسل ربخیر الصحیحین انہ علیہ السلام امرهم بتکون ما کانوا علیہ من رفع الصوت بالتہلیل والتکبیر و قال انکم لاتدعون اصم ولا غائباً انہ معکم انہ سمیع قریب ام (ص ۲۳۱۸)

یعنی امام شافعیؒ نے اس جہر بالذکر کو اس پر محمول کیا ہے، کہ وہ اس لئے تھا کہ مقتدی پھلیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ صلوٰۃ میں نہ جہر کرو، نہ بہت آہستگی کرو، اور یہ آیت دعاء (ذکر) ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے، بیہقی وغیرہ نے دعاء و ذکر میں اخفا کے مطلوب ہونے پر صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں اس کی تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس طریقہ سے منع فرمایا تھا، جو انھوں نے تہلیل و تکبیر بلند آواز سے کرنے میں خستیا کر رکھا تھا اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو (جس کو تم پکارتے ہو) وہ تمھارے ساتھ ہے وہ سننے والا اور بہت نزدیک ہواہ استدلال کا حاصل یہ ہوا کہ ابن عباسؓ کی حدیث نص شرعی کے خلاف وارد ہوئی ہے، اس لئے اس میں تاویل کرنا ضروری ہے، (کیونکہ نص میں دعاء و ذکر بلند آواز سے کرنے کی مانعت صریح ہے) علاوہ ازیں خود صحیحین میں دوسری حدیث ابن عباسؓ کی حدیث کے لئے ناسخ موجود ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ذکر اور تکبیر میں آواز بلند کرتے تھے، اور حضورؐ نے ان کو اس سے

منع فرمایا، پس صورت موجودہ پر حدیث ابن عباسؓ سے استدلال ہرگز صحیح نہیں رہا قابل کا یہ کہنا کہ تکبیر اور خدا کا ذکر بدعت نہیں ہو سکتا، اس کا جواب یہ ہے کہ علماء مذہب کی عبارت دیکھ لو وہ اس صورت سے ذکر کو بدعت ہی فرما رہے ہیں، تو کیا تم کو ان پر بھی اعتراض ہے، دوسرے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں وہ ذکر اور تکبیر کو بدعت نہیں کہتے بلکہ اس جہر اور اجتماع اور التزام و اہتمام کو بدعت کہتے ہیں، اگر بطور خود کسی وقت میں اتفاقاً کوئی شخص زور سے تکبیر کہہ دے اس کو کون حرام کہتا ہے، لیکن نمازوں کے بعد خاص طور پر جہر کے ساتھ نمازوں کا مل کر تکبیر کے نعرہ لگانا یہ صورت ضرور بدعت ہے،

رہا تکبیر بر وقت جہاد پر اس کو قیاس کرنا سو یہ بھی غلط قیاس ہے کیونکہ جہاد میں دشمن کے مقابلہ میں تکبیر بلند آواز سے کہنا ثابت ہے، نمازوں کے بعد ثابت نہیں، قال تعالیٰ اِذَا لَقِیْتُمْ فِئۡتَہٗ فَانۡبِئُوْهُمۡ اَوْ اَدۡکُرُوْا وَاللّٰہُ کَثِیْرٌ اَلٰیہٗ اَسۡءَلُ مسلمانوں جب تم دشمن کی جماعت سے ملو اس وقت جہر رہو اور خدا کو یاد کرو، سو مقابلہ کے وقت ارہاب عدد کے لئے تکبیر بالجہر کا کسی کو انکار نہیں اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ زمانہ سابق میں لشکر والے عشاء و صبح کے بعد تین بار زور سے تکبیر کہتے تھے، اس کو امام مالکؒ اور عبیدہؒ نے بدعت کہا ہے، اور صورت موجودہ بھی اگر تاویل بعید کر کے اس کو جہاد کی صوتیں کوئی داخل کرنا چاہے تکبیر عسا کر سے زیادہ نہیں ہو سکتی، جب وہ بدعت ہے تو یہ بدرجہ اولیٰ بدعت ہے،

رہا تکبیرات تشریق پر قیاس کرنا وہ اس لئے غلط ہے کہ تکبیرات تشریق خلاف قیاس نص سے ثابت ہیں، اور خلاف قیاس پر قیاس صحیح نہیں، امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ جاتے ہوئے تکبیر جہر کے

عہ آجکل جاہلوں نے یہ عزائم خوب یاد کر لیا ہے، چنانچہ جب اہل مولود داخل فاتحہ سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح مولود و فاتحہ بدعت ہے تو وہ بھی یہی کہہ دیتے ہیں کہ بھلا ذکر رسولؐ اور سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی بدعت ہو سکتا ہے اس کا جواب بھی یہی ہے کہ نفس ذکر رسولؐ اور نفس قرأت فاتحہ کو کوئی بدعت نہیں کہتا، بلکہ اس طریقہ سے کرنے کو بدعت کہا جاتا ہے، جیسا کہ کوئی شخص طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھنے لگے، یا قبلہ کی طرف پشت کر کے پڑھے تو ایسی نماز سے ہر کوئی منع کرتا ہے، تو وہ نماز کو نہیں منع کرتا بلکہ اس وقت اور اس ہیئت سے منع کرتا ہے، فافہم ۱۲

عہ البتہ اگر دشمن کی فوج کے سامنے ادا کی جائے تو اس کے بعض کے نزدیک تکبیر بالجہر جائز ہے ۱۲ منہ



ساتھ کئی چاہئے یا ہستہ، صاحبین نے عید الاضحیٰ پر قیاس کر کے جہر کو ترجیح دی، اور عبد اللہ بن عمرؓ کے قول سے اُن کے اس قیاس کی تائید بھی ہوتی ہے، مگر با اس ہم صاحب ہدایہ اور ابن الہمام نے امام صاحب کی طرف سے جو جواب دیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے، فی العداۃ ولا یکبر عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ فی طریق المصلیٰ رأی یوم الفطر (۱۲) وعندہما یکبر اعتباراً بالاضحیٰ ولہ ان الاصل فی الشناء الاخفاء والشرع ورد بہ فی الاضحیٰ لانہ یوم تکبیر ولا ینکر یوم الفطر ام قال المحقق فی الفتح قولہ ولا یکبر الخلاف فی الجہر بالتکبیر فی الفطر لانی اصلہ لانہ داخل فی عموم ذکر اللہ تعالیٰ فعندہما یجہر بہ کلاضحیٰ وعندہ لا یجہر بہ، وفی الخلاصۃ ما یفید ان الخلاف فی اصل التکبیر ولیس بشیء اذ لا یمنع من ذکر اللہ بسائر الالفاظ فی شیء من الاوقات بل من ایقاعہ علی وجہ البدعۃ فقال ابو حنیفہ رفع الصوت بالذکر بدعۃ یخالف الامر من قوله تعالیٰ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ الْاِیْقَاعُ فَبِهِ عَلَی مَوَدَّ الشَّرْعِ وَقَدْ وَرَدَ بِهِ فی الاضحیٰ وهو قوله تعالیٰ وَاذْكُرْ وَاللَّهُ فی آیاتٍ مَّعْدُودَاتٍ جاء فی التفسیر ان المراد التکبیر فی هذه الايام والاولی الاکتفاء فیہ بالاجماع علیہ فان قيل فقد قال الله تعالیٰ وَتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدٰكُمْ وروی الدارقطنی عن سالم ان عبد اللہ بن عمرؓ اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یکبر فی الفطر من حین ینخرج من بیتہ حتی یاتی المصلیٰ فالجواب (عن الایۃ ۱۲) ان صلوة العید فیہا التکبیر والمذکور فی الایۃ بتقدیر کونہ امر علی ما تقدم فیہ اعم منه وما فی الطریق فلا دلالة علی التکبیر المتنازع فیہ لجواز کونہ ما فی الصلوة والحديث المذكور ضعيف بموسى بن مجاهد بن عطاء ابی الطاهر المقدسی، ثم ليس فیہ انه کان یجہر وهو محل النزاع وکناروی الحاکم من فروع المیزان الجہر نعم روى الدارقطنی عن نافع موقوفاً علی ابن عمرؓ انه کان اذا غدا یوم الفطر ویوم الاضحیٰ یجہر بالتکبیر حتی یاتی المصلیٰ ثم یکبر حتی یأتی الامام قال البیهقی الصحیح وقفہ علی ابن عمرؓ وقول صحابی لا یعارض بہ عموم الایۃ القطعیۃ الدلالة

اعنی قوله تعالیٰ وَاذْكُرْ رَبَّكَ اِلی قوله ودون الجهر وقال صلی اللہ علیہ وسلم خیر الذکر الخفی ام ملخصاً ص (۲۳۰۴) (ترجمہ) "عید الفطر کے دن تکبیر بالجہر کہنے میں اختلاف ہے، نفس تکبیر میں اختلاف نہیں، کیونکہ وہ تو عموم ذکر اللہ میں داخل ہے، پس صاحبین کے نزدیک عید الاضحیٰ کی طرح یوم الفطر میں بھی جہر کرے، اور امام صاحب کے نزدیک جہر نہ کرے اور خلاصہ کے بعض الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس تکبیر ہی میں اختلاف ہے، اور یہ صحیح نہیں کیونکہ ذکر اللہ سے کسی وقت میں کسی لفظ سے منع نہیں کیا جاسکتا، بلکہ بطریق بدعت ذکر کرنے سے منع کیا جاتا ہے، پس امام صاحب فرماتے ہیں کہ ذکر میں آواز بلند کرنا بدعت ہے، کیونکہ امر الہی کے خلاف ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ (ترجمہ) اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کر دعا جزئی اور خوف کے ساتھ بلند آواز سے ... کم آواز کے ساتھ الخ " پس جہر میں اسی موقع پر اختصار کیا جائے گا، جہاں شریعت میں جہر وارد ہوا ہے، اور عید الاضحیٰ میں جہر وارد ہوا ہے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاذْكُرْ وَاللَّهُ فی آیاتٍ مَّعْدُودَاتٍ " خدا کو چند دنوں یا ذکر و " تفسیر میں آیا ہے کہ اس سے مراد ان (ایام تشریق) میں تکبیر کہنا ہے، اور اولی یہ ہے کہ اس میں اجماع پر اکتفاء کیا جائے کہ ایام تشریق میں تکبیر بالجہر پر اجماع ہو چکا ہے (۱۲) اگر کوئی یہ کہے کہ (عید الفطر کے بارے میں بھی) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَتُكَبِّرُوا اللَّهَ تاکہ تم شمار کو پورا کر لو اور خدا تعالیٰ کی تکبیر کہو اس نعمت پر کہ اس نے تم کو ہدایت کی " (اس سے عید الفطر میں بھی تکبیر کا حکم ہے) اور دارقطنی نے سالم سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے اُن کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفطر میں اپنے گھر سے نکلنے کے بعد عید گاہ تک تکبیر کہا کرتے تھے، پس (آیت کا) جواب تو یہ ہے کہ عید الفطر کی نماز میں تکبیر کہی جاتی ہے، اور آیت میں اگر امر کے معنی مان بھی لئے جاتیں تو اس میں مطلق تکبیر کا ذکر ہے جو تکبیر صلوٰۃ و تکبیر طریق دونوں کو عام ہے، پس اس میں تکبیر متنازع فیہ (یعنی تکبیر طریق) پر دلالت نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں نماز کی تکبیر مراد ہو،

اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے، کیونکہ اس کے راوی موسیٰ بن محمد

اس عبارت میں قائل کے اس قول کا جواب ہو گیا کہ خدا کا نام لینا اور تکبیر کہنا بھی کہیں بدعت ہو سکتا ہے، جواب یہ کہ نفس تکبیر سے منع نہیں کیا جاتا، نہ وہ فی نفسہ بدعت ہے بلکہ جہر اور اجتماع والزام سے منع کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ بدعت ۱۲۵



صلوٰۃ خمسہ کے بعد ذکر بالجہر سوال (۱) بیچگانہ فرض نماز کی مناجات میں امام بالجہر اللہم انت کا التزام درست ہی یا نہیں؟ اسلام و ملک السلام یا ذا الجلال والاكرام تک کہتے ہیں اور مقتدی لوگ سمعنا و اطعنا، الیک المصیر بالجہر کہہ کر مناجات ختم کر دیتے ہیں، کچھ قیامت ہے؟ اس طریق پر مداومت میں کچھ حرج ہے؟

الجواب؛ بدعت ہے، بلکہ سب آہستہ کہیں، اور اس پر مداومت بالجہر کرنا بھی بدعت ہے،

دلیلہ ما نقلہ العلامة عبدالحی فی فتاویٰ المدخل ویحذر روا جمیعاً من الجہر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوٰۃ ان کان فی جماعۃ فان ذلک من البدع ام وعن نصاب الاحتساب اذا کبروا علی اثر الصلوٰۃ جہراً یکرہ وانه بدعة یعنی سوی ایام النحر والتشریق ام، دایں قسم عبارت حقیقہ بسیار است، التحصیل ذکر جہری بعد نماز سوائے ایام تشریق اگر احیاناً باشد مضائقہ نیست بشرطیکہ جہر مفط نباشد و یحتمل اگر مقصود از جہر تعلیم باشد و بدون اس غلام التزام و اہتمام آں کردن چنانکہ در سوال مذکورست خلاف طریقہ نبویہ و طریق سلف صالح است واللہ اعلم، انتہی کلامہ ملخصاً (ص ۲۳۳ ج ۲ مع الخلاصۃ)

۲۴ صفر ۱۳۵۸ھ از خانقاہ اشرفیہ، تھانہ بھون

جس درود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال (۲) ..... یہ دو درود شریف مندرجہ ذیل میں ایک کو نذر ہو اور آپ کو نور ذاتی کہا گیا ہو پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مولانا صاحب اپنے مریدوں کو تعلیم دیتے ہیں اور ہمیں شبہ ہے کہ اس مضمون کے درود شریف پڑھنا اور پڑھانا جس میں استمداد اور استدراک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوں اور جس میں نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ذاتی قرار دیتے ہوں (اور ہم نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور مخلوق جانتے ہیں) جائز ہے یا نہیں؟ آپ از روئے شرع شریف دلیل روشن سے لکھ جواب فرما کر حق سے آگاہ کریں، اور میں اس کو چھپوا کر شائع کر دوں، تاکہ سب مسلمان بھائی اس غلطی سے محفوظ رہیں، بینوا تو جروا،

درود اول الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدتی یا رسول اللہ خنی ین فی قلت حلیتی ادرکنی،

درود ثانی: اللہم صل علی سیدتنا محمد بن النور الذی اتی ذالسر الشاری فی سائر الاسماء والصفات،

الجواب؛ درود اول میں حضور کو نذر ہے، اگر اعتقاد یہ ہے کہ حضور نذر کو سنتے ہیں، یا قصد پڑھنے والے کا نذر ہی ہے، تو یہ درود پڑھنا بدعت ہے اور حرام ہے، اور اگر یہ قصد نہیں اور یہ اعتقاد نہیں، تو ان سے پوچھا جائے کہ اس نذر سے ان کا کیا قصد ہے، اور مریدوں کو کس قصد کی تعلیم کرتے ہیں، اس کے بعد جواب دیا جائے گا،

اور دوسرا درود جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ذاتی کہا گیا ہے اس میں اگر یہ مراد ہے کہ حضور کا نور حق تعالیٰ نور کذات کا جزو ہے تب تو یہ بھی حرام بلکہ موجب کفر ہے، اور اگر نور ذاتی سے مراد یہ ہے کہ حضور دیگر مخلوق کے اعتبار سے نور میں اصل ہیں، اور سب لوگ آپ سے نور کا استفادہ کرتے ہیں، جیسے شمس کے نور کو باعتبار فرد بخوم کے نور ذاتی کہہ دیا کرتے ہیں، اور فی نفسہ آپ کے نور کو مطلقاً نور ذاتی نہیں اعتقاد کرتے، بلکہ حق تعالیٰ کا مخلوق جانتے ہیں تو اس صورت میں کفر تو نہ ہوگا، مگر ایہام کی وجہ سے ناجائز جب بھی ہوگا، ودلائل ذلک فی المطولات مذکورہ وفی کتب اہل الحق مسطورة وعند العلماء مشہورہ،

۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ

سوال (۸) ..... بلا وضو فاتحہ خوانی اور قبروں پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا حکم، ..... بزرگان دین کی قبروں پر فاتحہ پڑھنا بلا وضو جائز ہے یا نہیں؟ اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے یا نہیں؟

۱۵ بعد نماز سنت و نفل بھی دعا ہاتھ اٹھا کر مانگنا چاہئے یا صرف بعد فرض ہی دعا ضروری ہے،

۱۶ نظر کی پہلی سنت اگر چھوٹ جائے تو اس کا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں اور ادرا کا وقت کب تک ہے؟

الجواب؛ فاتحہ سے مراد غالباً سورتیں پڑھ کر ثواب پہنچانا ہے تو بلا وضو قرآن کا پڑھنا جائز ہے، جبکہ جنابت نہ ہو، اور قبروں کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کی جائے،



ہاں قبر کی طرف پشت کر کے یا دائیں بائیں الگ ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتے ہیں، جبکہ سامنے اور کوئی قبر نہ ہو، قال ابن تیمیہ فی اقتضاء الصلوات المستقیم ..... واتفق الائمۃ علی انه اذا دعا بمسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یتقبل قبرہ وتنازعوا عند السلام علیہ فقال مالک واحمد وغیرہما یتقبل قبرہ ویسلم علیہ وهو الذی ذکرہ اصحاب المشافعی والحنبلہ منقول عنہ وقال ابو حنیفہ بل یتقبل القبلة ویسلم علیہ کذا فی کتب اصحابہ الی ان قال فانہ انما یرخص فیما اذا سلم علیہ ثم اراد الدعاء ان یدعو مستقبل القبلة اما مستند بر القبور او منحرفا عنہ ولا یدعو مستقبل القبور (ص ۱۸۸) قلت واذ کان ہذا حال الدعاء عند افضل القبور فما بال رفع الیدین عند غیرہ مستقبلہ ؟ فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنا آکر ہے، کیوں کہ حدیثوں میں اس کی ترغیب زیادہ ہے، باقی سنن و نوافل کے بعد دعا مانگنا ضروری نہیں اگر مانگ لیا کرے تو اچھا ہے،

۲۔ ظہر کی سنت قبلہ چھوٹ جائیں تو بعد فرض کے وقت ظہر کے اندر اندر اس کو پڑھ لینا چاہئے، وقت کے بعد نہیں، فقط

۲، ج ۱ سبک ۵

بعض ایقاظ نامین باواز بلند | سوال (۹) اس ملک میں وعظ کی مجلسیں اکثر اوقات کو ہوا درود پڑھوانے کا حکم، کرتی ہیں، دن میں بہت کم اور سامعین سب کے سب مجھن عوام ہی ہوتے ہیں، بغرض تنبیہ و ایقاظ حاضرین واعظ لوگ زور شور سے درود شریف پڑھتے ہیں، اور پڑھواتے ہیں، ورنہ عوام لوگ بیٹھے بٹھائے ادنگھا کرتے ہیں، اس بات کو بعض علماء شدت سے منع کرتے ہیں، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے منع ذکر بالجہر سے استدلال کرتے ہیں، باوجودیکہ رد المحتار میں اس کی تائید بھی موجود ہے، یعنی حضرت عمر کا منع فرمانا کوئی مصلحت سے ہو سکتا ہے، مثلاً وہ ذکر بالجہر مسجد میں ہو جہاں مختلف اشخاص ذکر میں مشغول رہتے ہیں تو ذکر بالجہر سے اور لوگوں کو نقصان پہونچے گا، کیا یہ تائید صحیح ہے، یا ویسا درود بالجہر پڑھنا ممنوعات شرعیہ میں سے ہے؟

الجواب؛ ان واعظوں کا زور شور سے درود پڑھنا درود سے ممنوع ہے، ایک

یہ کہ انھوں نے درود شریف کو ایقاظ نامین کا ذکر یحییٰ بن یسار اور ذکر کو ذریعۃ ایقاظ بنانا اسد مکروہ ہے، اسی لئے فقہاء نے حارس کے ذکر کو لا الہ الا اللہ کو سختی سے منع کیا ہے، کہ وہ بھی ذکر کو ایقاظ کا ذکر یحییٰ بن یسار ہے، دوسری بوجہ صیاح فی المسجد کے کہ یہ لوگ مسجد میں بہت زور کے ساتھ چیختے ہیں، اور ذکر جہر جو مسجد میں جائز ہے وہ ہے کہ حد صیاح میں داخل نہ ہو، اس لئے اذان داخل مسجد مکروہ ہے، کہ اس میں صیاح ہے، اور اذان جمعہ ثانی جائز ہے کہ اس میں صیاح نہیں ہوتا بلکہ مثل اقامت کے خفض صوت سے ہوتی ہے، واللہ اعلم، قال فی العالمگیری وان سبح القفای اذ صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند فتح قعاقہ علی قصد ترویجہ وتحیینہ اذ القصاص اذ قصد بھما کوئی حکامہ اشم ام (ص ۱۶۶) لغوت تعویذ کو پاخانہ وغیرہ میں | سوال (۱۰) تعویذ آیات قرآنی کے یا اسمائے حسنی کے اگر موم جامہ سنگا لہا نادرست ہے یا نہیں؟ اور کپڑے وغیرہ میں پیٹ کر پاخانہ پیشاب یا جنب وغیرہ کی حالت میں علحدہ نہ کئے جاویں تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟ ایسا سنا ہے کہ موم جامہ کیا ہوا تعویذ پاخانہ وغیرہ میں لے جانے سے کچھ حرج نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

۱۔ اگر پاخانہ میں علحدہ کر دیا جائے تو کیا پیشاب کرتے وقت بھی علحدہ کر دینا چاہئے، یا نہانے کی حاجت کے وقت، کیا کیا جاوے؟

الجواب ۱۔ موم جامہ ہو یا کوئی کپڑا ہو جب تعویذات کو کپڑے میں لپیٹ لیا گیا تو اب اس کو بیت الخلاء میں یا بحالت بول و جنابت ساتھ رکھ سکتے ہیں قال فی نور الايضاء ویکبرہ الدخول للخلاء ومعہ شیء مکذوب فیہ اسم اللہ او قرآن ام، قال الطحطاوی علی حاشیہ ثم محل الکراہۃ ان لم یکن مستورا فان کان فی جیبہ فم لا بأس بہ و فی القہستانی عن المنیۃ الا فضل ان لا یدخل و فی مکہ مصحف الا اذا اضطر ورجوان لا یأثم بلا اضطرا رام واقعہ الحسوی و فی الحلبي الخاتم المکتوب فیہ شیء من ذلک اذا جعل فص خاتمہ الی باطن کفہ قیل لا یکرہ والتحرز اونی ام (ص ۳۳)

۲۔ ادھر حکم عام نکھدیا گیا،

کافر کو تعویذ دینا کیسا ہے | سوال (۱۱) ہندو مشرک کافر کو تعویذات آیات قرآنی وغیرہ کے دے سکتے ہیں یا نہیں؟



الجواب: اگر بے ادبی کا احتمال نہ ہو، اور تعویذ کے کاغذ پر ایک دوسرا کاغذ سادہ زائد لپیٹ دیا جائے تاکہ قرآن کی آیت کے کاغذ کو مشرک کا ہاتھ نہ لگے، تو جائز ہے، اور بہتر یہ ہے کہ کفار کو آیات قرآنیہ کا تعویذ بالکل نہ دیا جائے،

تحقیق ذکر الجہر [سوال ۱۲] ہماری طرف میں ایک گروہ ایک پیر سے مرید ہوا، پیر اور مرید سب کے سب ایسے طریقہ پر ذکر کرتے ہیں کہ کرتے کرتے ناچنا شروع کر دیتے ہیں، اور سرگھماتے گھماتے بیہوش ہو جاتے ہیں، اور سب لوگ کہتے ہیں کہ یہ ذکر جلی ہے،

اب عرض کرتا ہوں کہ اس صورت پر ذکر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور ذکر جلی کی حد کیا ہے، کونسی صورت پر کرنے سے جائز ہوگا اور کونسی صورت پر ناجائز ہوتا ہے؟ اس مسئلہ کا مع دلیل جواب کا خواستگار ہوں،

الجواب: فی الاقان ج ۱ ص ۱۱۲ قال النوری ان الاخفاء افضل حيث خلت الرياء او تأذى المصلون او ينام بجهره والجهر افضل في غير ذلك لان العمل فيه اكثر ولان فائده تعدى الى السامعين ولانه يوقظ قلب القاري ويجمع همه الى الفكر ويصرف سمعه اليه ويطرد النوم ويؤيد في النشاط ويدل على هذا جميع حديث الى داود... يسند صحيح عن ابی سعيد اعتكف رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد فسمعهم يجهرون بالقراءة فكشف الستور وقال ان كلکم منا جریه فلا یؤذین بعضکم بعضا ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القراءة وقال بعضهم یستحب الجهر ببعض القراءة والاسرار بعضها الا ان یؤذین فی الجهر والجهر قد یكل فیترجم بالاسرار او فی الصحیحین عن عائشة رضى الله عنها لا تجهرن بصلواتك ولا تخفت بها الاية ورد في الدعاء وقد صح عنه صلى الله عليه وسلم اربعوا على انفسكم الحديث اخرجہ الخمسة الا النسائي

پس ذکر جہر اس حد تک جائز ہے کہ اس سے سونے والوں اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور نہ خود اپنے آپ کو تعب ہو اور نہ ریا کا خوف ہو، اور اگر قصید ریا نہ ہو محض وسوسہ... ریا کا آنا ہو، تو وہ ریا نہیں ہے، اس کی پرواہ نہ چاہئے، خلاصہ یہ کہ ذکر جہر کے لئے حد یہ ہے کہ جس سے نہ اپنے کو ایذا ہو نہ دوسروں کو ایذا ہو، اور اگر کسی نے ذکر جہر تو شروع کیا

حد کے اندر پھر بے اختیار بلا قصد کسی کیفیت یا حالت کے غلبہ سے تجاوز عن الحد ہو گیا تو اس شخص پر ملامت نہیں، فان الامور الغیر الاختیاریة خارجة عن التکلیف کما لا یخفی،

احقر عبد الکرم عفی عنہ

الترجمہ اہتمام کے ساتھ نازک [سوال ۱۳] تذکرۃ الغوثیہ مع تذکرۃ البخاری ص ۴۴ اور بعد ذکر جہر بدعت ہے، ارشاد الطاہرین صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ لاہور میں لکھا ہے کہ،

قال النبی صلعم من یجهر بکلمة الطیبة بعد اداء الصلوة المكتوبة متصلاً ثلاث الخ قال ابو حنیفة کلمة الطیبة بعد اداء الصلوة المكتوبة فسننه و قد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحابه یجهر بکلمة الطیبة الخ کذا ذکر فی نوادر البرہانی، ان حدیثوں کے مطابق بعد نماز فریضہ کے اور قبل سنت مؤکدہ کے کلمہ طیبہ جہر کر کے پڑھنا درست ہے یا نہیں، اور یہ حدیث مندرجہ بالا صحیح ہے یا نہیں اور اس کا کیا فتویٰ ہوگا؟

الجواب: فی المدخل ولیحذر و اجتمع من الجهر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوة ان کان فی جماعة فان ذلك من البدع (فتاویٰ عبد الحی مع الخلاصہ، ص ۲۳۳ ج ۲) وفی فتح الباری تحت رواية ابن عباس ان رفع الصوت بالذکر حين یبصر من الناس کان علی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث قال الطبری فیہ الابانة عن صحة ما کان یفعلہ بعض الامم من التکبیر عقب الصلوة وتعقبہ ابن بطلان بانه لم یقف علی ذلك عن احد من السلف الا ما حکاہ ابن حبیب فی الواضحة انهم كانوا یستحبون التکبیر فی العشاء عقب الصبح والعشاء تکبیراً عالياً ثلاثاً قال وهو قد یم من شان الناس قال ابن بطلان وفی العتبیة عن مالک ان ذلك محدث ام رص ۶۹ وفی العمدۃ للعینی ص ۱۹۳ ج ۱) وعن عبیدة انه بدعة وفی العمدۃ الضا وقال ابن بطلان اصحاب المذاہب المتبعة وغیرہم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر حاشا ابن حزم (صفحہ بالا) وقال النوری حمل الشافعی هذا الحدیث رای حدیث ابن عباس المذكور علی انهم جہروا بہ وقتاً سیراً



لاجل التعليم صفته الذکر انہم داو مواعلی الجہر بہ والمختاران الامام والمأموم  
یغفیان الذکر الا ان احتیج الی التعليم رفیع الباری ص ۲۶۹ جلد ۲۰

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ التزام و اہتمام کے ساتھ نماز کے بعد ذکر جہر بدعت  
ہے، اور روایت مندرجہ سوال کی تحقیق نہیں کہ کیسی ہے، بر تقدیر ثبوت صورت تعلیم وغیرہ  
پر محمول کی جاوے گی، مانند روایت ابن عباسؓ، واللہ اعلم

جو شخص جماعت سے نماز پڑھ کر سوال (۱۲) ایک شخص نماز باجماعت پڑھ کر بلا دعاء مانگے  
بلا دعاء مانگے پہلے چلا جاتے امام سے پہلے چلا جاتا ہے اس کے واسطے کیا حکم ہے، جبکہ  
تو اس کے لئے کیا حکم ہے وہ اپنی علیحدہ دعاء مانگتا ہے،

الجواب: اگر کسی شخص کو سخت ضرورت ہو تو وہ امام سے پہلے دعاء مانگ کر  
جا سکتا ہے، اگر ضرورت نہ ہو تو بلا وجہ امام سے پہلے دعاء مانگ کر چلا جانا مکروہ ہے کہ اس میں  
صورت مخالفت جماعت ہے، جس سے ضغینہ و حسد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، فقد اخرج  
ابوداؤد عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حثہم علی الصلوٰۃ ونہاہم  
ان ینصرفوا قبل انصرافہ من الصلوٰۃ بسند جید (ص ۲۱۹ ج ۱ جواہر نفی)  
قلت وحملہ بعضهم علی النهی عن الانصراف من المسجد کما فی بذل المجہود  
عن المرقاۃ (ص ۳۲۹ ج ۱) ان اگر امام بہت لمبی دعائیں کرتا ہو جیسا کہ جاہل اماموں کی  
عادت ہے تو بہت مقتدیوں کو سب کو یا ایک کو اس سے پہلے دعاء ختم کر کے چلا جانا جائز  
ہے، اس صورت میں تطویل کی ملامت امام پر ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان منکم  
اماماً فلیخفف الصلوٰۃ ومن صلی لنفسه فلیطول ما شاء متفق علیہ والدعاء اولیٰ بذلک المحکم،  
فانہ من توایج الصلوٰۃ، واللہ اعلم،

۱۲ صفر ۱۲۲۳ھ

اسم ذات کی قرأت کی تحقیق

اگر ذکر میں لفظ اللہ کی کا بالکل حذت ہو گئی تب بھی

وہ ذکر اسم ذات شمار ہوگا، خصوصاً جب کہ تکلف سے حضور قلب میں فرق آتا ہو، البتہ  
قصداً حذت بھی نہ کیا جاوے کہ حذت اس کا خطا ہے، فی الدرر والقسم باللہ تعالیٰ  
ولو یرفع الہاء او نصبھا او حذھا کما یستعملہ الا ترک وقال الشامی تحت وقولہ  
او حذھا، قال فی المجتبى ولو قال واللہ بغیر ہاء کعادة الشطار فیمین قلت فعلى

هذا ما يستعمله الا ترک باللہ بغیر ہاء یمین ایضاً وہکذا انقلد عنه فی البحر  
لعل احد المراضعین بغیر ہاء وبالواو لا بالهمزة ای بغیر الف التی فی الحرف الہاء  
تأمل ثم رأیتہ کذلک فی الوہبانیۃ وقال ابن الشننۃ فی شرحہا المراد بالہاء  
الالف بین الہاء واللام فاذا حذھا الحالف او الذابح او الداخل فی الصلوٰۃ قبل  
لا یضر لانه سمع حذھا فی لغۃ العرب وقیل یضر (ص ۶ ج ۳) وفی الطحاوی  
علی مرقی الفلاح ص ۱۳۰ (قوله الثالث عشر ان لا یحذف الہاء من الجلالۃ)  
قال فی الشرح المذکور عن ترک ہاء والمراد بالہاء الالف الباشی بالمد الذی  
فی اللام الثانیۃ من الجلالۃ فاذا حذھا الحالف او الذابح او المکبر للصلوٰۃ  
او حذف الہاء من الجلالۃ اختلف فی انعقاد یمینہ وحل ذبیحہ وصحتہ  
تحریمہ فلا یترک ذلک احتیاطاً وفیہ ایضاً ص ۱۶۳ وان کان فی وسطہ حتی  
صار اکبار فقیل تفسد صلوٰۃ لانه جمع کبر وهو طبل ذو وجہ واحد واسم  
من اسماء اولاد الشیطان وفی القنیۃ لا تفسد لانه اشباع وهو لغۃ قوم سبعت  
الزبلی بانه لا یجوز الا فی شعر ولو فعله (المؤذن لا تجب الاعادۃ لان  
امر الاذان اوسع کذا فی السراج وان تعمدہ یکفی ای مع قصد المعنی والا لا  
ویستغفر ویتوب مضمرات ام قلت وظاہر ان امر الذکر اوسع من امر الاذان  
واللہ اعلم، کتبہ الاحقر عبد الکریم، عفی عنہ، ۸ محرم ۱۲۲۳ھ

میری رائے اس تحریر کے موافق ہے، صحیح الجواب صحیح

لطف رسول عفی عنہ ظفر احمد عفا عنہ وحی اللہ عفی عنہ

۹ محرم ۱۲۲۳ھ ۹ محرم ۱۲۲۳ھ ۹ محرم ۱۲۲۳ھ

اضافہ: قال الشامی تحت (قوله والمستحب ان یقول بسم اللہ) باظهار الہاء

فان لم یظہرها وقصد ذکر اللہ یحل وان لم یقصد وقصد ترک الہاء لا یحل

انقالی عن الخلاصۃ (ص ۲۹۲ ج ۵) احقر عبد الکریم عفی عنہ

۲۹ ج ۲ سنہ ۱۲۲۳ھ

سوال (۱۶) ہمارے قصبہ میں علماء کے اندر مسئلہ ذیل کے کرایک

اذان خطبہ جمعہ کے بعد سوال (۱۶) ہمارے قصبہ میں علماء کے اندر مسئلہ ذیل کے کرایک  
دعاء مکروہ ہے؟؟ بڑا جلسہ ہو گیا، بس کچھ طے نہ ہو سکا، لہذا سب اہل جلسہ مل کر آپ کے



تحریر پر اکتفاء کیا، یعنی جو کچھ حضور تحریر فرمادیں، اسی پر فیصلہ ہوگا، لہذا امید قوی ہے کہ کتاب کا حوالہ دے کر مسئلہ ذیل کا جواب فرما کر ہمارے شور و غل کا فیصلہ فرمادیں، یعنی جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے جو اذان ثانی ہوتی ہو اُس اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہی یا نہیں یعنی بعد اذان ثانی کے رفع یدین جائز ہے یا ناجائز؟ فقط والسلام

**الجواب:** قال فی المعدایۃ اذا خرج الامام یوم الجمعة ترک الناس الصلوة والکلام حتی یفرغ من خطبة وقال لا یاس بالکلام اذا خرج الامام قبل ان یخطب واذ انزل قبل ان یکبر اھ قولہما قبل ان یخطب یدل علی کراهۃ الكل عندہم جمیعاً بعد الشروع فی الخطبة، خطبہ کے وقت جو اذان ہوتی ہے اس کے بعد امام مٹا خطبہ شروع کر دیتا ہے، اور اس کو سنت کے موافق ایسا ہی کرنا چاہئے، اس لئے اذان کے بعد دعا کرنا اور رفع یدین کرنا دونوں مکروہ ہیں، اس سے احتراز کرنا چاہئے، واللہ اعلم،

۲۵ رجب ۱۳۶۱ھ

دفع طاعون کے لئے "لی خمسۃ اطلق ہا الخ" سوال (۱۷).....  
پڑھنا یا بطور تعویذ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟  
..... طاعون کی دعا، لی خمسۃ  
اطلق ہا حسر الوباء الخ طمہ، یا المصطفیٰ والموثقنی ذابنا ہما ذانفا طمہ، کارواج مختلف طرق سے ہے، بعض لکھ کر دروازہ پر چسپاں کر دیتے ہیں، اور بعض جگہ رواج ہے کہ محلے کے چاروں طرف بانس کھڑے کر دیتے ہیں، اور یہ دعا لکھ کر کپڑے وغیرہ پر بانس میں باندھ دیتے ہیں، تاکہ طاعون نہ آوے، آیا یہ دعا پڑھنی جائز ہے یا نہیں، اور لکھ کر اس طرز خاص پر شرفاً جائز ہے یا ناجائز، اور بعض لوگ الھم بڑھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب شرعاً جائز ہے، اور بغیر الھم کے ناجائز، ان کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

**الجواب:** یہ دعا نہیں ہے بلکہ تعویذ ہے عملیات کی قسم سے، پس اگر اس کو دعا و ثواب سمجھ کر پڑھا جاوے یا لکھا جاوے تو بدعت ہے اور محض تعویذ سمجھ کر لکھیں پڑھیں تو جائز ہے، خواہ بازو پر باندھیں یا بانس یا گھر پر، اور الھم بڑھانا اور نہ بڑھانا..... دونوں برابر ہیں، اگر تعویذ کے طور پر استعمال کریں تو دونوں طرح جائز ہے ورنہ جائز نہیں کیونکہ الھم بڑھانے سے اس میں معنی دعا کے پیدا نہیں ہوتے، ۵ اشوال ۱۳۶۱ھ

سوال (۱۸) تراویح میں عادت یہ ہے کہ تمام تراویح پڑھ کر آخر میں ہر ترویح میں دعا مانگنا کیسا؟ دعا مانگتے ہیں، اور بعض جگہ ہر ترویح پر دعا مانگتے ہیں، اور دسویں رکعت پر بھی دعا مانگتے ہیں، اس میں مسنون طریقہ کیا ہے، آیا آخر میں دعا کرنی چاہئے یا ہر ترویح پر، ہر ترویح پر دعا مانگنا مکروہ تو نہیں؟ بحوالہ کتب معلوم فرمادیں،

**الجواب:** تراویح کے بعد دعا کرنا احادیث سے صراحتاً تو ثابت نہیں، ہاں عام طور پر نماز کے بعد دعا کا مستحب ہونا احادیث سے مفہوم ہوتا ہے، اس عموم میں تراویح بھی داخل ہے، لیکن ہر ترویح پر دعا مانگنا سامعین و مقتدین پر ثقل کا موجب ہے، اور فقہاء نے تراویح میں سہولت علی القوم کا لحاظ فرمایا ہے، اسی لئے نماز میں امام کو اجازت دی ہے کہ اگر نماز وادعیہ و درود سے قوم پر ثقل ہو تو اس میں اختصار کر دے، پھر جو امر خارج صلوٰۃ موجب ثقل ہو اس کا حذف کرنا بدرجہ اولیٰ مناسب ہے، اس لئے ہر ترویح پر دعا نہ کی جائے، بلکہ ختم تراویح پر قبل از وتر دعا کرے، یہی ہمارے اکابر کا معمول ہے، اور قبل از وتر غالباً اس لئے اختیار کیا گیا کہ وتر کی افضلیت اول اللیل و آخر اللیل حنفیہ میں مختلف فیہ ہے، تو شاید کوئی مقتدی آخر رات میں وتر پڑھے، اور اس لئے آخر وتر پر حاضر نہ رہے تو قبل از وتر میں تمام جماعت کی رعایت ہے، واللہ اعلم، ۵ اشوال ۱۳۶۱ھ

سوال (۱۸) احمدی لوگوں کا اعتقاد ہے کہ کوئی قرآنی آیت بر شفاء ہونے پر شبہ کا جواب، جسمانی نہیں اتری ہے، یہ تعویذ جو کہ مولوی لوگ لکھ کر برائے شفا سے جسمانی دیتے ہیں یہ شرک ہی جو آیت کہ اس میں شفاء کا لفظ و تنزل من الخ ہے، اس شفاء سے مراد شفاء روحانی ہے نہ کہ جسمانی، ایک دو حدیث بھی حوالہ میں پیش کیا کرتے ہیں کہ اس کی رو سے جسمانی شفاء منح ہے، وہ حدیثیں یاد نہیں ہیں، روحانی اور جسمانی کی دلائل تحریر فرمائیں،  
**الجواب:** قرآن میں لفظ شفاء عام ہے، اس کو خاص کرنے کے لئے کوئی دلیل چاہئے بدون دلیل کے دعویٰ تخصیص رد ہے،

صحیحین میں صحابہ کا سورۃ فاتحہ سے سانپ کے ڈسے ہوئے کو جھاڑنا بھونکنا ثابت ہے، ابن ماجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یتخیر الداء القرآن، ذکرہ الحافظ ابن القیم فی زاد المعاد و سکت عنہ واجتہ بہ فہو حسن او صحیح عنہ، - نیز صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معوذتین کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کرنا مذکور ہے،



اور معوذتین کا نزول ہی اس واقعہ میں ہوا ہے جبکہ حضور پر ایک یہودی نے اور اس کی بیٹیوں نے سحر کیا تھا، پھر آپ نے ان کو پڑھا، تو سحر دفع ہو گیا، زاد المعاد میں اس کا بھی ذکر ہے و فی البخاری عن عائشة رآنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اشتكى یقرأ علی نفسه بالمعوذات

وینفث الخ ص ۵۰، ج ۲

۶ ذیحجہ ۲۶ھ

سوال (۲۰) دریں دیار برائے حصار دباے خو نخوار بڑے بچندہ برائے دفع دباہ وغیرہ می خرنند بطریق از طرق مخصوصہ مذمومہ عیاذ باللہ کہ در رسالہ حکمت افلاطون مصنف مولوی محمد حمید الرحمن بنگالی چانگامی سا نکالوی نوشتہ ذبح سازند گوشتہا بحسب چندہ تقسیم نمایند و ہر یکے بخانہ خود بچندہ خورند حتی کہ مرین را کہ در بعض مرض گرفتار است خوراند و اعتقاد بریں دارند کہ خوردگان ش از بلائے دبا محفوظ مانند دایں عمل را اصطلاحاً گاؤ قربانی دگاؤ بندگویند و بعض گویند ایں ترکیب در تفسیر احمدی تحت قصہ ذبح بقرہ موجود است، بینوا تو جروا،

الجواب، حصار مذکور از بدعات سیدہ و حرام است، مسلمانان را ازیں احتراز ورزیدن واجب است کما فی الحدیث من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فہو ردولان جہلہ زماننا یعقدون الحصار المذکور مؤثرا تاما فی دفع الوباء والبلیات و یترزمونہ التزام المفروضات والرسالة المعجودہ غیر معتبرۃ فالخذر کل الخذر من الامور المحدثۃ المحترقۃ و لیس فی تفسیر من التقاییر هذا التركيب فایاکم والافترار والبهتان والتکذیب،

الجواب صحیح

الجواب صحیح

اشرف علی

۲ صفر ۱۲۸۷ھ

ظفر احمد عفا عنہ مقيم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون،

۲ صفر ۱۲۸۷ھ

سوال (۲۱) بل الاستغفار بعد الصلوة المفروضة ممنوع و حرام؟

الجواب؛ لابل جائز و مستحب اما الاول فبعد فرض الظہر والمغرب والعشاء ان كان دعاء الاستغفار بعد اللهم انت السلام الخ لان المصلی قد خیر بین الفرض والسنة بالفصل المذكور فیدعوه فیہ بای دعاء شاء اتفاقا و فی طول الفصل اختلاف المشائخ فقال الحلواني لا بأس بالفصل بالادوارد واختاره الكمال والاكثر على انه مكروه ای تنزیہا بکذا فی غایۃ الاوطار،

واما الثاني فبعد الفجر والعصر لما فی الدر المختار ویستحب ان یتغفر ثلاثا ویقرأ آية الكرسي الخ والقول بان الاستغفار بعد الفرض حرام لانها من الاعمال الحسنه والاستغفار يكون بعد الافعال السيئة من افواہ العوام لما ذکر من جواز الاستغفار بعد الصلوات کلها فرضا كانت او سنة مع انها من الاعمال الصالحة ولا استحبابه فی عین الصلوة کما فی العالمگیری فاذا فرغ من الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتغفر لنفسه ولا یوہی الخ ولتعلیمہ صلعم ابا بکر دعاء الاستغفار ليقرأه فی الصلوة اللهم انی ظلمت نفسي ظلمًا كثيرًا ولا يغفر الذنوب الا انت فاعف عني مغفرة من عندك وارحمني انك انت الغفور الرحيم (مشکوٰۃ) ولان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتغفر کل يوم مائة مرة مع انه معصوم ولان الاستغفار بعد الصلوة لیس بتخییل انہا من الافعال المذمومة بل بتفکیر ان الادعية بعد الصلوة مقبولة وان القصور وقعت فی ارکان الصلوة وسننها وادابها فلا دلیل علی منع الاستغفار بعد الفرض مطلقا ولا علی منع تقدیمہ علی غیرہ من الدعوات بعد الصلوة کما ذهب الیہ من جعل نفسه من العلماء الثقات،

الجواب صحیح، ظفر احمد عفا عنہ از خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون ۲۹ رذی ۱۲۸۷ھ

تمتہ الجواب

قلت وما حکاہ بعض المعترضین علی الجواب المذكور عن رفع اشکال بر جواب مذکور مجالس الابرار ان فیہ عن علی رضی اللہ عنہ رأی قوما یتغفرون بعد المکتوبة فانکر علیہم وقال هل اذنبت ذنبا فستغفروا منه الخ فمجالس الابرار لیس عندنا حق نقف علی کلامہ وضحیح مرامہ وانه هل ذکرہ سند ام ذکرہ بلا سند وبالجملۃ فان کان ذلک فی الکتاب المذکور باللفظ الذی ذکرہ المعترضون فہو معارض لما فی الصحیح لمسلم عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا انصرف من صلوته استغفر ثلاثا الحدیث (ص ۲۱۸ ج ۱) وما فی مصنف ابن ابی شیبہ بسند صحیح عن زاذان قال حدثنی رجل من الانصار قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی دبر الصلوة اللهم اغفر وتب علی انک انت التواب



الغفور مائة مرة كذا في كنى العمال (ص ۲۹۶ ج ۱) والحديث الذي لا سند له لا يصلح لمعارضة الصحيح أصلاً كيف وقد اجمع العلماء على استحباب الاستغفار بعد الصلوات لم نرفيه خلافاً للاحد وان سلمنا صحة الاثر عن علي ودونه خوط القتاد فهو محمول على ما اذا كان بطريق الزوم والالتزام حتى يجعل كذا والفرض ويلازم على تاركه وجوب الانكار عليه والله تعالى اعلم حرره الاحقر ظفر احمد عفانه از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲ صفحہ سیکھ

اصل الجواب كذا الجواب عن الاعتراض عليه صحيح، نعم لو التزم الجهر والاجتماع له فهو بدعة ويمكن ان يكون محملاً لما في المجالس ان ثبت،

اشرف غلى، ۲ صفحہ سیکھ

فرائض وعیدین کے بعد کس قدر سوال (۲۲) اس وقت باعث تصدیق یہ امر ہے کہ ہماری طویل دعا مانگنی چاہتے؟ مسجد کے پیش امام حافظ عبدالعزیز صاحب حضرت والاباء کے فرید ہیں، وہ جمعہ کی فرض نماز کے بعد دعا بہت مختصر کرتے ہیں، اللہم انت السلام الخ بڑھ کر ختم کر دیتے ہیں، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جمعہ کے فرضوں کے بعد دعا کسی قدر طویل ہونی چاہئے، حافظ صاحب نے کہا کہ اولاً حضرت مولانا مدظلہم سے استفسار کر لیا جائے اس لئے استدعا ہے کہ ازراہ لطف و کرم ضرور ایسا فرمائیں کہ دعا کسی قدر طویل کی جاسکتی ہو یا نہیں، اگر طویل کی جائے تو کس قدر طویل ہو؟

عطاء نماز ظہر، مغرب، عشاء کے بعد دعا میں اللہم انت السلام الخ کے درود شریف مثلاً صل اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب؛ غالباً حافظ صاحب موصوف کا یہ عمل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ... کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد الا بمقدار ما یقول اللہم انت السلام الخ کی وجہ سے ہے، مگر حضرات فقہاء نے دوسری حدیث کی وجہ سے اس کو تحدید پر محمول نہیں کیا، بلکہ تقریب پر محمول کیا ہے، ملاحظہ ہو موطاوی حاشیہ مرقی الفلاح (ص ۱۸۱) کیونکہ صحیحین میں منیر بن شعبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك وله الحمد وهو على كل شيء

قدیر، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجند منك الجند، بھی پڑھا کرتے تھے، اور مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدیر ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم، ولا نعبد الا اياه وله الفضل وله الشناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کذب الکافرون پڑھتے تھے، اور یہ سب روایات صحیح ہیں، اس لئے دعا میں بقدر اللہم انت السلام الخ اختصار کرنا ضروری نہیں، بلکہ دعا طویل بھی سنت کے موافق ہوگی، اور ہمارے اکابر جمعہ وعیدین میں نماز طویل دعا پڑھتے ہیں، اور طول کی حد یہ ہے کہ مقتدیوں پر گرانی نہ ہو، ہر دعا کے بعد درود شریف مستحب ہے، قال عمر کل دعا معلق حتی تصلی علی نبیک او كما قال ذکرہ فی الحصن فقط، واللہ اعلم،

۱۲ ربیع الثانی سیکھ

فرض نمازوں کے بعد مقدم راس پر ہاتھ سوال (۲۳) ... بعد نماز فرض کے جو مقدم راس پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھتے ہیں، وہ کون سی دعا ہے، اور اس کا پڑھنا کیسا ہے، اور مقدم راس پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنے کا کسی حدیث میں وارد ہے یا نہیں؟ جواب اس کا بحوالہ کتب مع عبارت کے ارقام فرمادیں، بینوا تو جروا،

الجواب؛ وہ دعا یہ ہے بسم اللہ الذی لا الہ الا هو الرحمن الرحیم اذهب عني الهم والحزن، اس کو بزار وطبرانی وابن سنی نے روایت کیا، ولفظ ابن السنی اذهب عن لا الہ الا هو الرحمن الرحیم اذهب عني الهم والحزن، قال میرونی واسنادہ ضعیف کذا فی الحصن الحصین وحاشیہ (ص ۱۰)، واللہ تعالیٰ اعلم، ۲ شعبان سیکھ

آیات قرآنی اور ادعیہ ماثورہ سے سوال (۲۴) ... عرب عام میں جس کو گنڈا کہتے ہیں، یعنی سورہ تہذات اور گنڈے کرنے کا حکم، الرحمن چپک کے لئے جیسا کہ معمولات خاندان عربیہ میں مذکور و مشہور ہے، یا اسی طرح کسی دیگر آیات قرآنی یا دعا ماثورہ کو پڑھ کر ناگے پڑھ کر تے جانا اور گرہ دیتے جانا، پھر



گنڈ اس کا نام رکھ کر کسی مریض جسی و آسیبی کے دفعیہ کے لئے ڈالو، یا کسی آیت شریانی اور دعاء ماثورہ کو لکھ کر تعویذ بنا کر گلے میں بندھوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کہا جاتا ہے کہ بعض احادیث میں بالخصوص گنڈہ کی مانعت آئی ہے، کیا یہ صحیح ہے یا قابل تاویل؟ اگر گنڈہ بنانا بطریق مذکور جائز ہے تو اس کا ترک اولیٰ ہے، یا عمل درآمد؟ بینوا توجسروا،

الجواب؛ حدیث میں تمام جاہلیت کی مانعت ہے جو شرک سے خالی نہ تھے، اور رقیہ بالقرآن کی اجازت ہے، کما فی قصۃ اللدیخ الذی رقاہ الصحابة واخذوا علیہ اجراً من الغنم، پس چیچک کا گنڈا اور اسی طرح دیگر تعویذات و گنڈے بھی جو آیات و ادعیہ ماثورہ سے کئے جائیں فی نفسہ جائز ہیں، اگر اس میں کراہت یا حرمت آئے گی تو کسی عارض کی وجہ سے آئے گی، مثلاً عوام کا عقیدہ خراب ہو جاوے کہ وہ تعویذ و گنڈے کو مؤثر بالذات سمجھے لگیں تو اس سے منع کیا جائے گا، اور ترک بہر حال اولیٰ ہے، مسنون صرف یہ ہے کہ ادعیہ و آیات کو پڑھ کر دم کیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ محرم ۱۲۸۸ھ

نوٹ؛ مندرجہ ذیل سوال و جواب بنگال سے بغرض اصلاح و تصویب آیا اولیٰ رہ سوال و جواب بعینہ نقل کیا جاتا ہے پھر یہاں کا جواب نقل ہوگا:-

رقیہ بالقرآن اور اس ہجرت سوال (۲۵).....  
کی ایک صورت کا حکم، بنگال کے اکثر اطراف میں رواج ہے کہ دفع مصائب و بلیات دنیویہ کے لئے اہل محلہ چندہ جمع کر کے مولوی و میاں کی صاحبان کو دعوت دے کر مسجد میں ختم شفاء پڑھا کر دعاء کراتے ہیں، اور اس چندہ سے ان صاحبان کو کھلاتے ہیں پلاتے ہیں اور روپے پیسے دیتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کھانا پینا لینا دینا جائز ہے یا نہیں، اور مسجد میں ختم و دعاء جائز ہے یا نہیں، بینوا توجسروا؛

الجواب من بعض علماء بنگال؛

عن ابن عباسؓ ان نفراً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مروا بماء فیہ لدیغ اوسلیم فصرض لهم رجل من اهل الماء فقال هل فیکم من ان فی الماء رجلاً لدیغا اوسلیما فانطلق رجل منهم فقرا بفاتحة الكتاب علی شفاء فبرأ فجاء بالشاء الی اصحابه فکروا ذلک وقالوا اخذت علی

کتاب اللہ اجرا حتی قد موأ المدینة فقالوا یا رسول اللہ اخذ علی کتاب اللہ اجرا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ رواہ البخاری و فی رواية اصبتتم اقساموا واجعلوا لی معکم سهما وعن خارقة بن الصلت عن عتبہ قال اقبلنا من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتینا علی حی من العرب فقالوا انا انبنا انکم قد جثتم من عند هذا الرجل بخیر فهل عندکم من دواء ارقیة فان عندنا معنوها فی القیود فقرأ علیہ بفاتحة الكتاب ثلثة ايام غدوة وعشیة اجمع بزاقی ثم اتقل قال فکانما انشط عن عقال فاعطونی جعلا فقلت لا حتی اسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کل فلعمری لمن اکل برقیة باطل فقد اكلت برقیة حق رواہ احمد وابوداؤد و فی حاشیة مشکوٰۃ معنی یا الی اللہ معات قوله اضربوا لی معکم سهما ای اجعلوا لی سهما والمقصود تطیب قلوبہم و بیان انه حلال طیب و فیہ دلیل علی ان الرقیة بالقرآن واخذ لا اجرة علیہا جائز بلا شبہة، فی رد المحتار (ص ۵۳۳)، وجوز الرقیة بالاجرة ولو بالقرآن کما ذکرہ الطحاوی لانه لیست عبادة محضه بل مثل التداوی،

ان سب عبارات سے کاشمیر فی نصف النهار صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ کھانا پینا لینا دینا جائز ہے، لیکن یہ ختم و دعاء مسجد میں جائز نہیں، خارج مسجد ہونا چاہئے، کیونکہ یہ ختم و دعاء نفع دنیوی کے لئے ہے، اور مسجد میں امور دنیویہ کا ارتکاب جائز نہیں، کما روی عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا رأیتم من یبیع ادریستاء فی المسجد فقولوا لا یربح اللہ فی تجارتک واذا رأیتم من ینشد فیہ ضالة فقولوا لا رد اللہ علیک رواہ الترمذی۔

وفی العالمگیریۃ (ص ۲۳۱) رجل یبیع التعویذ فی المسجد الجامع و یکتب فی التعویذ التوراة والانجیل والفرقان ویاخذ علیہم المال ویقول ادفع الی الہدیۃ لا یحل لہ ذلک کذا فی الکبیری ویکرہ کل عمل الدنیا فی المسجد ولو جلس المعلم فی المسجد والورق یکتب فان کان المعلم یکتب للحسبة والورق یکتب لنفسه فلا بأس بہ لانه قربة وان کان بالاجرة



ویکرة الا ان يقع لهما الضرورة كذا في محيط السرخسي راقول ولا ضرر وركه لهم فيه  
واهل المحلة كفيلهم ويجب تنزيه المساجد عن امور الدنیا علی كافة المسلمين  
من الخاص والعام،

مخفی نہ رہے کہ ختم خوانان جو اکثر مسجد میں فضول بات چیت کرتے ہیں پان کھاتے پیتے ہیں  
یہ باتیں بھی غیر معتکف کے لئے جائز نہیں، اور چونکہ یہ ختم مسجد میں ان بڑائیوں کا واسطہ بنتا  
ہے، اس لئے بھی یہ ختم مسجد میں ناجائز ہوگا، کیونکہ جو امر معصیت کا ذریعہ بنے گو وہ امر فی  
مشرور ہونا جائز ہوتا ہے، کالبیوع یوم الجمعة بعد الاذان الاول لوقوع الخلل فی سعي الجمعة  
لظاہرہ کثیرہ فی کتب الفقہ، "حق است این سخن حق را شاید نہفت"

اگر کوئی کہے یہ کھانا پینا، پیسے لینا اجرت نہیں اور اس پر اصرار کرے تو اس کا جواب  
یہی ہے کہ ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاۃ، اور من یجعل اللہ نوراً  
فما لہ من نور، دوسرا جواب یہ ہے کہ اجرت کے لئے شرط لفظی ضروری نہیں بلکہ بقاعدۃ  
المعروف کا مشروط رواج اور تعارف کافی ہے، فی الدر المختار من لم یکن عالماً باہل زمانہ  
فہو جاهل، محمد اشرف عفاعنہ

### الجواب من جامع امداد الاحکام

رقیہ بالقرآن جائز ہے، اور رقیہ پر اجرت لینا بھی جائز ہے، مگر سوال میں جو صورت  
بھی ہے کہ چندہ جمع کر کے ایسا کیا جاتا ہے یہ صورت ناجائز ہے، کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ اہل محلہ  
سب خوش دل سے چندہ میں شریک نہیں ہوتے، بلکہ بعض تو سرداران محلہ کے دباؤ سے چندہ  
دیتے ہیں، بعض محض شرم کی وجہ سے چندہ دیتے ہیں، اور جبر سے مسلمان کا مال لینا جائز نہیں  
ومن لم یکن عالماً باہل زمانہ فہو جاهل كما قال المجیب الاول وقد قال  
النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرأ مسلم الا بطیب نفس منه، واللہ  
تعالی اعلم، حررہ الاحقر طغی احمد عفاعنہ از تھانہ بھون،

۲۲ صفحہ المظفر س ۳۸

بذریعہ عمل محبوب کو سرگرداں و مطیع بنانا سوال (۲۶) اعمال قرآنی میں ایک موقع پر لکھا گیا  
اور کسی عورت کو شادی پر راضی کرنا کیسا کر، ایک عمل کی تعریف و خاصیت میں کہ اس عمل سے  
اور عمل نبوی غرض کیوں کیا جائے اس پر ثواب نہیں ملتا، محبوب محب پر سرگرداں ہو جائے گا، اعمال قرآنی حصہ سوم

اسی طرح میں نے اور بھی بعض حضرات اور محتاط بزرگوں کا یہ عمل دیکھا کہ کوئی عورت شادی  
کو راضی نہیں ہو، یا کسی کا محبوب بے رخی کرتا ہے تو وہ حضرات کوئی عمل مثلاً آیات قرآنی یا اسماء  
باری تعالیٰ پڑھنے کو متلادیتے ہیں، کیا کسی محبوب کو بذریعہ عمل سرگرداں کرنا یا کسی عورت کو عمل سے  
شادی پر راضی کرنا شرعاً جائز ہے، اگرچہ محب کی نیت یہی ہو کہ میں محبوب کو اپنا سرگرداں اور شیدا  
بنا کر یہ محبت بالکل حدود شرعیہ ہی میں صرف کر دوں گا، اور آپس میں ایک دوسرے کی اصلاح  
کریں گے، ہر وقت نیک باتوں ہی میں مشغول رہیں گے، لیکن سوال یہ ہے کہ کسی کے قلب میں شدید  
محبت کی کوشش کرنا یا سرگرداں بنانا بھی جائز ہے، اس کی کوئی دلیل ہے؟

(۲) اگرچہ کیسی ہی پاک محبت کی طلب ہو، لیکن کسی کو اپنا مطیع بنانے کے لئے آیات  
قرآنی یا اسماء ربانی کا ورد شرعاً جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا ادب اور احترام کے بھی خلاف  
نہیں؟ کسی دنیوی غرض کے لئے آیات قرآنی کا استعمال باعث اذہار نہیں ہے؟

(۳) جو شخص کسی غرض کے لئے آیات قرآنی یا ورد و شریف پڑھے، کیا اس کو بھی قرآن شریف  
کے ہر حرف پر نیکیاں یا ورد و شریف پر ثواب یا تقرب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام حاصل ہو چکا  
جو ایک مطلع فرمایا جاوے،

الجواب؛ اس مقام پر اولاً چند مقدمات مہم نہ کرنا ضروری ہے:-

(۱) رقیہ بالقرآن جائز ہے گو حاجات دنیویہ ہی میں ہو، دلیل مافی الحدیث الصحیح  
من فعل الصحابة انہم رقوا کافر لدیغا بفاختہ الکتاب فبرأ فاخذوا علیہ اجرا واخبروا بہ النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم فاقربہم علیہ،

(۲) بعض ایسے علوم کی تعلیم و تعلم جائز ہے جو دوزخ میں ہیں کہ ان کا استعمال محل مباح  
ہے بھی ہو سکتا ہے، اور محل حرام میں بھی مثلاً فنون سپہ گری و شمشیر زنی و علم نجوم و فلسفہ اور  
اس کی تعلیم اس کو مقتضی نہیں کہ محل حرام میں بھی استعمال جائز ہے بلکہ محل استعمال کی بابت  
وقت استعمال کے فتویٰ حاصل کرنا چاہئے،

(۳) کتب عملیات میں صرف عزائم کے فن کی تعلیم مقصود ہوتی ہے، استعمال مطلق  
کی اجازت مراد نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ علم فقہ سے متعلق ہے،

(۴) انما الاعمال بالنیات،

اس کے بعد جواب ظاہر ہے کہ اعمال قرآنی میں صرف عملیات کا فن بتلانا مقصود ہے



جائز نہیں، ملاحظہ ہو شرح جامی صفحہ ۱۲۰ والفیہ صفحہ ۹، وشرح جامی صفحہ ۱۲۵ وشرح رضی ۳۲۳، نماز ظہر، مغرب اور عشاء کے فرض سوال (۳۰) نماز ظہر و مغرب اور عشاء کے فرض کے بعد کے بعد کس قدر دعا مانگنی چاہیے، مناجات کو درازی کرنا کیا حرج ہے، اگر حرج ہے تو مقدار کتنی ہے؟

الجواب: جن نمازوں کے بعد سنن ہیں ان میں اولیٰ یہ ہے کہ دعا طویل نہ مانگیں اور ادسنن کے بعد پڑھیں، اور دعا قصیر کی مقدار اللہ انت السلام الخ ہے، یا اسی کے قریب قریب اور دعا پڑھی جاوے، و ہذا کلمہ فی الدر المختار و رد المحتار، صفحہ ۵۵۲ ج ۱، واللہ اعلم کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

سوال (۳۱) عبادت بدنی مثلاً نماز روزہ کا ثواب کسی میت کو یا زندہ ثواب بخش سکتے ہیں، کو بخش سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مردہ اور زندہ سب کو ثواب پہنچ سکتا ہے، عبادت بدنیہ کا بھی اور لہیہ کا بھی، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم ۱۵ رمضان ۱۲۸۵ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ

تبلیغ اسلام کا کام افضل ہے سوال (۳۲) جاہل اہل اسلام کو تبلیغی کام کرنا یعنی ادا مرد یا وظائف کا شغل رکھنا، نواہی کی تعلیم دینے و دلانے کی کوشش کرنا بہتر ہے یا وظائف اور ادا کا شغل رکھنا اولیٰ ہے،

الجواب: اس میں ہر شخص کا ایک حکم نہیں ہے، بلکہ جو جاہل اہل علم کی صحبت سے حدود و آداب تبلیغ اور مسائل ضروریہ سے واقف ہو گیا، وہ اس کو تبلیغ کرنا جائز ہے اور بابت ثواب ہے، ورنہ تبلیغ کا کام جاہل کو ممنوع ہے، فقط کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ محفہ بھون مورخہ ۲ شعبان ۱۲۸۵ھ

سوال (۳۳) رقیہ بالقرآن اور اس پر اجرت لینے کا حکم دریں امکانہ از قدیم الایام عادت ختم بر مریض جاریست کہ علماء و طلباء را بر سر بیمار جمع کردہ ختم قرآن شریف میخوانند و بعد قرأت بر قدرے آب دم کردہ بمریض بنوشاند شکرانہ ختم مبلغ عین بقاریان میدهند، عالم مسمی زیدی فرماید کہ اس ختم کہ باجرت مروج است ناجائزست بدلائل ذیل حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ القرآن ولا تأکلوا

بہ الخ و در رسالہ شفاء العلیل مؤلفہ علامہ شامی بسیار بحث تحریر است، خلاصہ اش اینست و قد صرح انتمنا و غیر ہم بان القاری للدنیا لا ثواب له ولا اخذ المعطی آثان، و قد قال العلماء ان القاری اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب له فای شیء یہدیہ الی المیت، دیگر عالم مسمی بکر حکم دادہ کہ این ختم مذکور علی المریض جائز است کہ از قسم رقبہ است، چرا کہ در پنج علت استشفاء است و بر میت علت حصول ثواب است، و جوز و الرقیۃ بالاحسرة ولو بالقرآن کما ذکر الطحاوی لا ہنا لیست عبادۃ محضۃ بل من التداوی انتہی، عالم نمبر اول می گوید کہ در رقیہ قاری مختار می باشد ہر چہ می خواند و در صورت ختم مامور بقرات تمام قرآن می باشد پس قیاس مع الفارق است، عالم نمبر دوم در جواب می فرماید کہ جوز و الرقیۃ بالقرآن صریح است پس در جواز یک آیت و تمام قرآن حکم یکسان، پس آن قبلہ دریں بحث از روی شرع شریف کلام قول ترجیح می دہند کہ بدان عمل ننایم،

الجواب: جواب بکر صحیح است و قیاس ختم مریض بر ختم میت درست نیست، و مختار بودن راتی بہ رقیہ لازم نیست بلکہ جائز است کہ مستاجر از خود تعیین رقیہ کند و اس اولیٰ بالجواز است، لان الاصل فی الاجارۃ کون العمل معلوماً عند المتعاقدین و ہنا کذلک و اذا کان الراتی مختاراً لم یکن العمل معلوماً للمتاجر و انما جوزہ بالنص علی خلاف القیاس،

## کتاب السیر والمناقب

حضرت لانا شاہ اسماعیل شہید کا حال سوال (۱) شاہ اسماعیل صاحب شہید کس قسم کے شخص تھے، ان کو جو شخص بُرا سمجھے وہ کس قدر راستی پر ہے، اور آیا وہ مقلد تھے یا غیر مقلد؟

الجواب: مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ عالم با عمل صوفی بنے بل یگانہ روزگار، مصلح وقت، صاحب تلقین و ارشاد، جامع ظاہر و باطن و قاطع بدعت و حامی سنت، مجاہد، غازی فی سبیل اللہ، صاحب سنان و لسان تھے، اور مذہباً حنفی مقلد تھے، غیر مقلد نہ تھے، حق تعالیٰ نے مخلوق کثیر کو ان کے انفاس قدسیہ سے ہدایت فرمائی ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عناد حشرنا فی زمرة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم برکتہ آمین، جو ان کو بُرا کہی وہ بدعتی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اہل بدعت کو ان سے خارج ہے، ۲۰ صفر ۱۲۸۵ھ از خانقاہ بھون

سوال (۲) جناب والا سلام علیکم، دو چار باتیں حسب کیا یہ درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا؟ دریافت طلب ہیں، لہذا جواب عنایت فرمایا جاوے، تکلیف



کی معافی چاہتا ہوں فقط،

(۱) مشہور ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، کیا درست ہے؟

(۲) مشہور ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکر مبارک سے صاف نہکل آتا تھا، یعنی بیچ میں نہکل آتا تھا، کیا درست ہے؟

الجواب: حافظ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں ایک روایت ضعیف حکیم ترمذی سے اس مضمون کی نقل کی ہے، جس میں عبدالرحمن بن قیس زعفرانی بہت ضعیف راوی ہے جس کی توفیق کسی نے نہیں کی، بلکہ بعض نے کذب و وضع کی طرف بھی منسوب کیا ہے (تہذیب ص ۲۵۸ ج ۶) الفاظ حدیث کے یہ ہیں: عن ذکوان ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرى له ظل في شمس لا قمر (خصائص ج ۱ ص ۱۷۱)

(۲) دوسرا مضمون بے اصل معلوم ہوتا ہے، اس کی اصل ضعیف یا قوی کچھ نہیں ملی، واللہ اعلم، رجمادی الثانی ۳۳۸

تحقیق قصہ حضرت علیؑ کے نزدیک ازہود سوال (۳) دیوان سنی و قصص الانبياء اردو میں واقع اجرت سنی ماربعوض تورات کرد، ہے کہ ایک دفعہ سردار دو جہاں بعد چار دن کی بھوک کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دولت خانہ پر تشریف لائے، اور طعام کا حال پوچھا، جواب ملا کہ آٹھ روز سے فاقہ ہے، پھر جا کر ایک یہودی کی نوکری کی، ایک ڈول کنویں سے نکالنے پر ایک کجور پانچویں ڈول پر رستی ٹوٹ کر ڈول گر گیا، یہودی نے ایک چانٹا اس زور سے فخر الموجدات کو مارا کہ کلمہ سُرخ ہو گیا، لمباقصہ ہے، اس قصہ کے متعلق رائے عالی سے مطلع فرمادیں کہ صحت یا ضعیف یا منکر و موضوع، کس درجہ میں ہے، بہر صورت واعظین اس کا بیان کرنا کیسا ہے؟

الجواب: یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے، حضورؐ نے نبوت سے پہلے تو کسی سے مواجرت کا معاملہ کیا ہے، بعد نبوت کے ہرگز ثابت نہیں کہ آپؐ نے کسی سے معاملہ مواجرت کا کیا ہو، فی الصحیح انہ رعی الغنم لاهل مکة علی قرار یطاه و اجر نفسه من خدیجة فی سفرہ بما لہا الی الشام ذکرہ اصحاب السیر کافی زاد المعاد، ہاں ایسا قصہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے کہ انھوں نے ایک یہودی سے چھوڑا پر اجرت کا معاملہ کیا تھا، مگر اس میں بھی طمانچہ مارنے کا قصہ نہیں فقہ اخرج المنذری

فی ترغیبه عن فاطمة رضي الله عنها اتاها رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما فقال اين ابناي يعني حسنا وحسنا قالت اصبحتا وليس في بيتنا شيء يذوقه ذائق فقال علي اذهب بهما فاني اخوف ان يبكي عليك وليس عندك شيء فذهب الى فلان اليهودي فتوجه اليه النبي صلى الله عليه وسلم فوجدهما يلعبان في شربة بين ايديهما فضل من تمر فقال يا علي الا تقلب ابني قبل ان يشد الحرقا قال اصحنا وليس في بيتنا شيء فلو جلست يدا رسول الله حتى اجمع لفاطمة فضل تمرات فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اجمع لفاطمة فضل تمر فوجده في خرقة ثم اقبل فحمل النبي صلى الله عليه وسلم احدهما وعلى الاخر حتى اقبلهما وركله الطبراني باسناد حسن (ص ۵۱۱) وقد وقع مثله للكعب بن عجرة قال اتيت النبي صلى الله عليه وسلم فرأيتہ متغيرا فقلت بابي انت مالي اراك متغيرا قال ما دخل جو في ما دخل جو ف ذات كبد منذ ثلث قال فذهب فاذنا يهودي يسقي ابلة فسقيت له على كل دلوبتمرة فجمعت تمرات فأتيت به النبي صلى الله عليه وسلم فقال من اين لك فاخبرته الحديث واسناده جيد كذا في الترغيب (ص ۵۱۰) پس دیوان سنی و قصص الانبياء کا قصہ مذکورہ میری خیال میں صحیح نہیں، اور واعظین کو اس کا بیان جائز نہیں، و اخاف ان يكون موضوعا واللہ اعلم، ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال (۴) ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں تھا،

اور اگر تھا تو کیا کبھی بطریق اعجاز و خرق عادت باوجود دھوپ یا چاندنی یا روشنی ہونے کے سایہ نہیں بھی پڑا ہے، یا کبھی بھی ایسا ہونا ثابت نہیں ہو اور یہ جو حضرت علام مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ القوی نے التعليق العجیب محل حاشیة الجلال لمنطق التہذیب میں بالکل سایہ نہ ہونا تحریر فرمایا ہے کہاں تک صحیح ہے، اور اس کا ماخذ کیا ہے، چنانچہ التعليق العجیب شرح قول تہذیب "و نور ابہ الاقتدار یلین میں ہے:-

الاحتمال الثالث ان يكون اشارة الى اسمه الشريف فانه من اسمائه النور كما قوله تعالى قد جاءكم من الله نور و كتاب مبين، ومما يؤيد ان النبي



صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا مشی فی الشمس القمرا لایقع ظله علی الارض لان الظل انما یکون لما فیہ کثافۃ واما ذاته فكانت نوراً من الرأس الی القدم انتھی فقط بنو اخیار الجواب: قال السیوطی فی الخصائص وقد عقد باباً للآیۃ فی انه صلی اللہ علیہ وسلم لم یرى له ظل مانصه اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یرى له ظل فی الشمس لا قمر قال ابن سبع من خصائصه ان ظله کان لایقع علی الارض وانه کان نوراً فكان اذا مشی فی الشمس او القمر لا ینظر له ظل قال بعضهم ویشهد له حدیث قوله صلی اللہ علیہ وسلم فی دعائه اللهم اجعلنی نوراً (ص ۶۸ ج ۱) قلت وهذا مرسل ضعیف فان فی سندہ عبد الرحمن بن قیس الزعفرانی کما ینظر من (ص ۱۰۱ ج ۱) من الخصائص ایضا وقد اتهم بالضعف والکذب بالوضع وترجمته مستوفاة فی تہذیب التہذیب ومیزان الاعتدال،

اس مسئلہ میں ایک حدیث مرسل ضعیف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دھوپ یا چاندنی میں نظر نہ آتا تھا، پس یوں نہ کہنا چاہئے کہ آپ کا سایہ نہ تھا، بلکہ وہی کہا جاوے جو اس حدیث ضعیف میں وارد ہے، اور گویہ حدیث ضعیف ہے مگر یہ بات عوام و علماء میں مشہور چلی آرہی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اصل اس کی ضرور ہے، دو سکر مناقب و فضائل میں تشرید زیادہ نہیں، تیسرے یہ کہ زمین پر سایہ کا واقع ہونا درحقیقت انسان کے لئے اس کی بڑی کمزوری اور عاجزی کو ظاہر کرتا ہے، کہ تیرا سایہ جو تیری صورت کے مثل ہے زمین پر اس طرح پڑا ہوا ہے کہ جو کوئی چاہے اس پر تیر رکھ دے، جو چاہے اس پر تھوک دے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بچالیا ہو تو کچھ تعجب نہیں، کہ آپ کے سایہ کو زمین پر واقع نہ کیا ہو تاکہ اس پر کسی کا قدم نہ پڑے، و نحو ذلک، بہر حال اس امر کے اعتقاد کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ کسی درجہ میں دلیل موجود ہے، اور جو اس کا معتقد نہ ہو اس کو بھی گنجائش ہے، کیونکہ دلیل الیسیٰ ہیں جس کا تسلیم کرنا واجب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، ۳۳ ربيع الاول ۱۲۸۵ھ

سوال (۵) ..... بعد وفات کے زندہ ہو کر مسلمان ہو سکی تحقیق ..... زید اور بکر کا باہم تنازع اس

مسئلہ پر ہو رہا ہے، زید کہتا ہے کہ نعوذ باللہ والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت کفر فوت ہوئے ہیں، اُن کے لئے احادیث سے مغفرت ثابت نہیں ہے، اور بکر کہتا ہے کہ نہیں، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ زندہ کیا تھا، اور اُن کے واسطے دعائے مغفرت کی جو کہ قبول ہوئی،

زید اس فتویٰ دینے پر اسلام سے خارج ہو سکتا ہے یا نہیں، اگر اسلام سے خارج ہوا تو اس کے ساتھ سلوک کا فردل کا رکھنا چاہئے یا چکنو نہ؟ اگر اسلام سے خارج نہیں ہوا تو کس فرقہ میں داخل ہوا، خدا نخواستہ زید سچا ہے تو کس حدیث کی رو سے؟ مجتہدوں کا اور موجودہ علماء کا اس مسئلہ میں کیا خیال ہے، براہ نوازش اس مسئلہ کا مفصل جواب بحوالہ کتب و حدیث اور فقہ تحریر فرما کر مشکور فرماؤں.....

الجواب: زید پر کفر کا فتویٰ تو نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ ایمان ابوبن شریفین میں روایات مختلف ہیں، ایک صحیح روایت میں وہ مضمون بھی ہے جو بکر کہتا ہے، اور چہو علماء اسی طرف ہیں، اور بعض صحیح روایات سے اس کے خلاف بھی ثابت ہوتا ہے، اس لئے اس مسئلہ میں سکوت و توقف ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ زید کے اس قول سے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداء و قلبی فداء) کو اذیت ہوتی ہے، والذین یؤذون رسول اللہ فلیہم عذاب الیم، پس زید اپنی زبان کو روکے ورنہ اُس پر ابتلاء بکفر کا اندیشہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم، ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۵ھ، تھانہ بھون،

ایضاً ایضاً سوال (۶) ..... فقہ اکبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق نا اعلیٰ الکفر درج ہے، پس اگر کوئی شخص باوجود حنفی ہونے کے ابوبن شریفین کے دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لانے کا عقیدہ رکھے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ شخص حنفیت سے نکل جائے گا، یا نہیں؟

الجواب: فقہ اکبر کی نسبت امام صاحب کی طوط تواتر یا سند صحیح سے ثابت نہیں اس لئے اس کی یہ عبارت حجت نہیں، اور اس مسئلہ میں حنفیہ محققین کا قول یہ ہے کہ سکوت اسلم ہے، واللہ اعلم،

مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام | انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت یہی حیات دنیویہ ہی یا دوسری



حیات ہے، جس کو حیات برزخیہ کہا جاتا ہے، یعنی انبیاء علیہم السلام کی موت سے ان کی حیات دنیویہ منقطع ہو کر بعد اس کے ان کو دوسری حیات ملی ہے، یا یہی حیات دنیویہ ان کی مسلسل چلی گئی ہے، اور موت اُن کی قاطع حیات دنیویہ کی نہیں بنی، نیز جو شخص موت انبیاء کو خصوصاً خاتم الانبیاء کی موت دنیوی کو نہ مانے اور آیات و احادیث موت کی تاویل کرے اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حیات برزخیہ ہی جو دوسری اموات کی حیات برزخیہ سے اقویٰ و اشددہی، اور جو شخص حضور کی یا سب انبیاء کی موت دنیوی کا انکار کرے وہ گمراہ ہے، قال اللہ تعالیٰ انک میت و انکم میتون، نسوی بینہم و بینہ فی الموت فعلم ان موت الكل سواء واللہ تعالیٰ اعلم۔  
۲۳ جمادی الثانیہ ۱۲۸۸ھ، تھانہ بھون

**سوال (۸):** یہ عوام و عظیمین جو ایک طول طویل قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مدعی ہوا کہ .... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہنر پر چابک مارا ہے، لہذا میں بھی حضور صلعم سے مستدعی ہوں کہ آپ پر مہین مبارک اماریں، لہذا حضور نے اتارا اس نے مہر نبوت کو بوسہ دیا، اور کہا بس یہی آرزو تھی جناب والا کیا بھلا کسی کی مجال تھی جو حضور سے بدلہ لے، اس قصہ کی بھی کچھ اصل ہے؟  
**الجواب:** یہ قصہ تو واقع ہوا، مگر واعظین جو اس کو وفات نبوی کے واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نے سب لوگوں کو جمع کر کے اُن سے معافی چاہی، اس وقت ایک صحابی نے عرض کیا، یہ صحیح نہیں، بلکہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ میں یا نماز میں مسلمانوں کی صف سیدھی کر رہے تھے اس وقت ایک صحابی کا سینہ آگے کو ابھرا ہوا تھا، آپ نے لکڑی سے ان کو برابر کیا، تو وہ کہنے لگے کہ مجھے تکلیف ہوئی، حضور نے فرمایا اچھا بدلہ لے لو، واللہ اعلم،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## کتاب الطہارۃ

### فصل فی فرائض الوضوء

**سوال (۱):** ۱۔ حدِ چہرہ کہاں سے کہاں تک ہے؟ حدِ چہرہ کس کو ڈاڑھی کے غسل کا حکم کہتے ہیں؟ ۲۔ ٹھوڑی کے نیچے اور حلق کے درمیان میں جو عضو ہے وہ حدِ چہرہ ہے یا خارج ہے، (۳) وضو میں گھنی داڑھی کے جڑوں کا کس قدر خشک رہنا معاف ہے؟ (۴) گھنی داڑھی سے جڑوں کا اور بالوں کا دھونا فرض ہے یا واجب یا سنت ہے؟ کیا ہے (۵) گھنی داڑھی سے چند بال خشک رہ گئے تو وضو درست ہو گیا نہیں بالوں کا کس قدر خشک رہنا معاف ہے، (۶) داڑھی بھگونے کے لئے چلو میں پانی لے کر خوب بھگو دے، یا صرف جس پانی سے منہ دھو یا جاوے وہی پانی کافی ہے؟

**الجواب:** ۱۔ چہرہ کی حد عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک ہے، اور طبعی میں سر بالوں سے لیکر ٹھوڑی تک نیچے حلق تک ہے (۲) گھنی داڑھی کے بالوں کی جڑوں کا ترک کرنا فرض نہیں ہے، بلکہ اوپر اوپر کے بالوں کا دھونا فرض ہے (۳) ٹھوڑی کے نیچے اور حلق کے درمیان جو عضو ہے وہ بھی چہرہ میں داخل ہے، (۴) جو پانی چہرہ پر ڈالا جاتا ہے اگر اس سے ڈاڑھی کے اوپر کے بال خوب تر ہو جائیں تو علحدہ چلو لینے کی ضرورت نہیں، (۵) گھنی داڑھی کے بیچ میں بال خشک رہیں تو حرج نہیں، اوپر کے بال تر ہو جانا چاہیے، واللہ اعلم، ۸ رجب المرجب ۱۲۸۸ھ

**سوال (۲):** وضو میں حدِ چہرہ کس کو کہتے ہیں، ۱۔ حدِ چہرہ کہاں کہاں تک ہے؟ ۲۔ کہاں تک ہے؟ ۳۔ ٹھوڑی کے نیچے اور حلق کے درمیان جو عضو ہے وہ چہرہ میں ہے، یا خارج ہے؟

**الجواب:** (۱) قال فی مرقی الفلاح وحده ای جملة الوجه طولاً من مبدأ سطح الجبهة سواء كان به شعر أم لا والجبهة ما اكتنفه جبيناً الى اسفل الذقن وهي مجموع لحيته واللحي منبت اللحية فوق عظم الانسان لمن ليست له لحيته كشيعة وفي حقه الى ما لا في البشرة من الوجه



وحدۃ عرضا مابین شحمتی الاذنین ویدخل فی الغایتین جزءاً منھما  
لا اتصالہ بالفرض والبیاض الذی بین العذار والاذن علی الصحیح ام  
لخصاً ص ۳۲، چہرہ کی حد طول میں سر کے بالوں کی جڑ سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک  
ہے، اور عرضاً ایک کان کی نو سے لے کر دوسرے کان کی نو تک ہے،

(۳) ٹھوڑی کے نیچے حلق کے درمیان میں جو عضو ہے وہ بھی چہرہ میں داخل ہے  
اس کا دھونا بھی فرض ہے،

گھنی ڈاڑھی کے سوال (۳) گھنی ڈاڑھی کی جڑوں کا اور بالوں کا دھونا فرض ہے،  
دھونے کا حکم یا واجب ہے یا سنت ہے کیا ہے، گھنی ڈاڑھی کے بالوں کی جڑوں  
کا کس قدر خشک رکھنا معاف ہے، گھنی ڈاڑھی کے چند بال خشک رہ گئے تو یہ وضو  
درست ہو یا نہیں، بالوں کا کس قدر خشک رہنا معاف ہے، ڈاڑھی کے بھگوانے کے  
لئے چلو میں پانی لے لے کر ڈاڑھی خوب اچھی طرح بھگوے یا کہ صرف جس پانی سے منہ دھویا  
جاوے وہی پانی کافی ہے،

الجواب، قال فی نور الایضاح فی حقہ (ہی من لہ لحدیۃ کثیفۃ) الی  
مالاقی البشرۃ من الوجہ ام قال الطحاوی ای الذی لا تری منہ فلا یجب  
علیہ ایصال الماء الی المنابت السفلی ام ص ۳۲ فی نور الایضاح ایضا یجب  
یعنی یفترض غسل ظاہر اللحدیۃ الکثیفۃ وہی التي لا تری بشرتھا فی اصم  
ما یفتی بہ من التصاحیح فی حکمھا لقیامھا مقام البشرۃ لتحول الفرض الیہا  
الی ان قال ولا یجب ایصال الماء الی المسترسل من الشعر عن دائرۃ لائنہ لیس  
منہ اصلۃ ولا بد لائنہ قال الطحاوی وانما زاد المصنف لفظ ظاہر اشارۃ  
الی انہ لا یفترض غسل ماتحت الطبقة العلیا من منابت الشعر ام ص ۳۲

گھنی ڈاڑھی کا حکم یہ ہے جو جڑیں رخساروں سے متصل ہیں ان کا دھونا نیز جو بال چہرہ  
کے دائرہ کو محیط ہیں، ان کا اوپر سے دھونا فرض ہے، اور جو جڑیں رخساروں سے متصل  
نہیں اسی طرح وہ بال جو دائرہ چہرہ کو محیط نہیں بلکہ نیچے کو دراز ہو گئے ہیں، نیز وہ جڑیں  
اور بال جو ٹھوڑی کے نیچے ہیں اور ان کا تر کرنا اور دھونا فرض نہیں، ہاں سنت یہ ہے  
کہ ایک دو چلو میں پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے کے بالوں کو جڑوں سمیت تر کر لیا جاوے

اس جواب سے اس کے متعلق تمام سوالات کا جواب ہو گیا، خلاصہ یہ ہے کہ گھنی  
ڈاڑھی کی جو جڑیں رخسار سے ملی ہوئی ہیں سب سے اوپر ان کا تر کرنا فرض ہے، اور جو بال  
رخساروں کے اوپر ہیں اور جو ٹھوڑی کے اوپر ہیں (جن سے دائرہ وجہ کا احاطہ ہو رہا ہے)  
ان کا دھونا فرض ہے، اس کے مابقی جڑوں اور بالوں کا دھونا یا تر کرنا فرض نہیں صرف  
سنت ہے، اگر یہ باقی جڑیں اور بال خشک رہیں تو معاف ہے، اور جتنی مقدار جڑوں یا بالوں  
کا دھونا فرض ہے ان کے لئے الگ چلو میں پانی کا لینا ضروری نہیں، وہی پانی کافی ہے  
جو چہرہ کے اوپر بہہ کر رہا ہے،

سوال (۴) اگر ایک شخص کے بدن پر ایسا زخم  
ددا اگر اس طرح چمٹ جائے کہ چھڑانا  
مشکل ہو تو عضو کس طرح دھویا جائے  
لگا دیا گیا اور اس کے اثر سے خون بند ہو گیا، اور وہ جگہ ایسی ہے جس کا دھونا وضو میں  
ضروری ہے تو چونا چھڑا کر وہ جگہ دھونا چاہئے یا نہیں، اگر چونا ایسا خشک ہو گیا ہے کہ  
چھونے کے چھڑانے سے پھر خون نکلنے کا اندیشہ ہو تو کیا کرے؟

اسی طرح اگر غسل کی ضرورت ہے اور ٹانگ میں کئی دن ہوئے ایک چوٹ لگ  
گئی تھی اور اس پر چونا لگا دیا گیا تھا اور خون اس سے بند ہو گیا تھا، اب وہ چونا ایسا  
خشک ہو گیا ہے کہ پانی کی تری سے کسی طرح نہیں چھوٹتا ہے، اگر چاقو وغیرہ سے چھڑا آج  
تو خون نکلنا ضروری ہے ایسی صورت میں کیا کرے، صرف اوپر اوپر سے پانی اس جگہ  
بہا لینا درست ہے یا یہ تکلف چونا چھڑا کر صاف کر کے خواہ خون ہی کیوں نہ نکلے پانی بہانا چاہئے  
اور اگر خون نکلنے لگے اور پھر بھی پورے طور پر چونا اس زخم سے نہ چھوٹے تو کیا کرے؟

الجواب، چونا چھڑانا واجب ہے، بشرطیکہ چھڑانا ضرر نہ دے، اور اگر ضرر دے  
تو اسی پر پانی بہا لیا جائے، چاقو سے چھڑانے کی ضرورت نہیں، بلکہ تیل اور پانی وغیرہ  
سے بہولت جتنا چھوٹ سکے اس کا چھڑانا واجب ہے، اور جو اس سے بھی نہ چھوٹے  
اس کا مضائقہ نہیں، قال فی نور الایضاح ولو ضرب غسل شقوق رجلیہ جازا مرار  
الماء علی الداء الذی وضعہ فیہا قال الطحاوی ثم محل جواز امرار الماء  
علی الداء اذا لم یزد علی رأس الشقاق فان زاد تعین غسل ماتحت الزائغ  
کما فی ابن امیر حاج ومثله فی الدر لکن ینبغی ان یقین بعدم الضرر کما



لا یغنی افادہ بعض الافاضل ام (ص ۳۷) یہی حکم غسل کا بھی ہے واللہ اعلم ۲۳ شعبان  
نایک دوا کا استعمال اور سوال (۵) کوئی ایسی دوا جس میں پیسہ، خاک یا اور اس  
ایسی دوا زخم پر لگانے کے بعد قسم کی اشیاء ہوں استعمال کرنے کے دوران میں نماز پڑھنے  
اگر پانی کا استعمال مضر ہو تو کے واسطے تیمم بعد وضو کر لیا جاوے، یا اور کوئی صورت اعتناء  
اس پر مسح کا حکم، کی جاوے پانی سے دھونا دوا کے نفع کو باطل کر دے گا،

الجواب: جس دوا میں سُر کی چسبہ وغیرہ ہو اس کا استعمال اس وقت تک  
جائز نہیں جب تک کہ حکم حاذق مسلم یہ نہ کہہ دے کہ مرین کے لئے شفاء ایسی دوا  
میں ہے، اور کوئی دوا نافع نہ ہوگی، اور اس صورت میں اگر دھونا مضر ہو تو عضو نجس کو  
کھول کر اس پر مسح کرے، اور کھولنا بھی مضر ہو تو پٹی پر مسح کرے یعنی بھیگا ہاتھ اس پر  
پھیرے اور یہ مسح اس وقت تک کافی ہے جب تک عضو صحتیاب ہو، البتہ اگر پٹی کو بدلتے  
ہوئے ہر دفعہ نیا مسح کر لیا کرے تو احوط ہے، اور اگر یہ عضو اعضا وضو میں سے ہو تو ہر وضو  
کے وقت مسح لازم ہوگا، اور تیمم بعد وضو سے کچھ نہ ہوگا، اس کی کچھ ضرورت نہیں،  
بلکہ لغو ہوگا، اور اگر شفاء اس دوا میں منحصر نہ ہو تو اس کا استعمال جائز نہیں، کوئی ایسی  
دوا استعمال کرے جس کے اجزاء طاہر ہوں، واللہ اعلم، ۲۵ رجب ۱۲۵۵ھ

### فصل فی سنن الوضوء وادابہ مکروہاتہ

وضو میں بات چیت اور کسی شخص سوال (۱) حضرت مظاہر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ،  
کی بات کا جواب دینا کیسا ہے؟ از طالب النیر والدعاء گزارش ہے کہ میں وضو کر رہا تھا اور  
ادعیہ ماثورہ بھی پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھے مخاطب کر کے مجھ سے کچھ کہنا چاہا  
میں نے اس خیال سے کہ وضو میں بات چیت کرنا خلاف سنت ہے، اُن کی طرف کچھ  
توجہ نہ کی، وہ بول کر بھی شرمندہ ہوئے، اور پھر کہنے لگے کہ تم سے اخلاقی جرم کا ارتکاب  
ہوا ہے، وضو میں از خود کسی سے فضول بات کی ابتداء کرنا مکروہ ہے، اور اگر کوئی دوسرا بات  
کرے تو قبل اس کے کہ اس بات کی اچھائی بُرائی کے متعلق کوئی رائے قائم ہو اس کی بات  
پر کان دھنا اور متکلم کو جواب نہ دے کر شرمندہ کرنا اور وہ بھی صرف ترک مندوب کی  
وجہ سے یقیناً غلو فی الدین ہے، حضور سے پوچھتا ہوں کہ یہ ان کی تعریض کس حد تک صحیح ہے؟

کیا دعا کو چھوڑ کر جواب میں مشغول ہو جاتا تو اچھا تھا، یا کیا؟

الجواب: بیشک وضو میں بالکل نہ بولنا اور دوسرا شخص بات کرے تو اس کو بالکل  
جواب نہ دینا بوجہ کسر قلب مسلم کے مذموم ہے، ادعیہ ماثورہ کی رعایت اتنی ضروری نہیں  
جتنی قلب مسلم کی رعایت ضروری ہے، اس حالت میں وضو کرنے والا کم از کم اتنا ہی  
جواب دیدے کہ میں وضو سے فارغ ہو کر آپ کی بات سنوں گا، تو اس سے ادعیہ ماثورہ  
میں خلل بھی نہ ہوتا، اور نہ ایسی بات وضو میں مکروہ ہے، فقہاء نے جو کلام فی الوضوء کو مکروہ  
کہا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت مکروہ ہے، اور اس صورت میں جبکہ دوسرا  
شخص آکر بات کرے اس کی تطیب قلب کی رعایت سے مختصراً جواب دینا بلا ضرورت  
نہیں بلکہ ایک حد تک ضروری ہے، قال فی نور الایضاح والمراقی ویکوہ التکلم بکلام  
الناس لانه یشغله عن الادعیۃ ام قال الطحطاوی ما لم یکن لحاجۃ تفوتہ  
بتوکلہ قالہ ابن امیر حاج ام وقولہ لانه لا یشغله عن الادعیۃ ولا جل  
تخلیص الوضوء من شوائب الدنیا ام (۲۸) قلت والكلام فی جواب سائل هو  
لحاجۃ تفوتہ بتوکلہ وهو تطیب قلب المؤمن وهو عبادة فقد روی ابو ہریرۃ  
رضی اللہ عنہ ہر فوعاً والكلمۃ الطیبۃ صدقۃ متفق علیہ وعن ابی ذر مرفوعاً  
بتمسک فی وجہ اخیک لك صدقۃ رواہ الترمذی وحسنہ وصححہ ابن  
حبان کن فی التوعیب (ص ۲۶۸ و ۲۶۹) ۱۳ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ

وضو میں ایک ہاتھ سے منہ دھونا سوال (۲) وضو میں ایک ہاتھ سے منہ دھونا اور سر کا مسح  
اور مسح کرنا جائز ہے یا مکروہ؟ کرنا مکروہ ہے یا کہ نہیں، اگر مکروہ ہے تو کس کتاب میں  
لکھا ہے، ارشاد فرمادیں؟

الجواب: چہرہ ایک ہاتھ سے دھونا اور سر کا مسح ایک ہاتھ سے کرنا خلاف  
سنت ہے، قال فی الدرر ولین تثلیث الغسل المستوعب وفی البحر السنۃ  
تکرار الغسلات المستوعبات لا الغرفات ام قال الطحطاوی فی حاشیۃ  
مراقی الفلاح ولواقتصر علی مرۃ ففیہ اقوال ثالثہا ان اعتادہ اشم والا لا اختار  
صاحب الخلاصۃ ام (ص ۲۲) وفی نور الایضاح ولین البداءۃ بالمیامین فی  
الیدین والرجلین قال الطحطاوی وهما عضوان مغسولان فنخرج العضو



الواحد كالوجه فلا يطيب فيه التيامن والعضوان المسوحيان كالاذنين و  
التخفين فالسنة (غسله) ومسحهما معا لكونه اسهل الا اذا كان اقطع فانه  
يبدأ باليمين منها يعنى من الخدين والاذنين والتخفين اه (ص ۴۳) ويسن  
استيعاب الرأس بالمسح اه، اور ایک ہاتھ سے غسل وجہ و مسح راس میں استیعاب  
نہیں ہو سکتا، جیسا مشاہد ہے، اور خلاف سنت کبھی ہو جائے تو مضائقہ نہیں، مگر اس کا  
عادی ہونا مکروہ ہے، جیسا کہ مخطاوی کی عبارت سے معلوم ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۳۳ سوال

### فصل فی نواقض الوضوء

سوال (۱) ایسی دوا، بواسیر، جواز قسم تیل ہو اور مستہ  
تراشنگلی کا اندر داخل کر لینا ناقض وضو ہے۔ بہتر ہو۔۔۔۔۔ وہ دوا انگلی میں لگا کر بہتر ہو بچانا چاہیے  
اور انگلی۔۔۔ دوا پہنچاتے وقت ایک گروہ سے کم بہتر جاتی ہے، پھر انگلی نکال لی گئی، تو بار وضو  
ہونے کی حالت میں وضو قائم رہا یا نہیں، اور جو تیل یا خانہ کے مقام پر اس عمل سے لگا رہا نجس  
ہے یا نہیں، اور پا جامہ کی رد مالی میں وہ تیل لگ جانے سے رد مالی نجس ہوئی یا نہیں، اور وقتاً  
وقتاً دین بار ایسا عمل کرنے سے کیا حکم ہے؟

الجواب؛ قال فی الدررکنذ الوادخل اصبعه فی دبره ولم یغیبها فان  
غیبها او ادخلها عند الاستنجاء بطل وضوءه وصومه اه وفي الشامية قوله و  
لم یغیبها لكن الصحيح انه تعتبر البلة او الرائحة ذکرة فی المنتقى له وفيه ایضا  
وکنذ الوخرج الدهن من الذبر بعد ما احتقن به ینقض بلا خلاف اه (ص ۵۵) و  
۱۵۵) وفيه ایضا قلت ولكن لو ادخلها عند الاستنجاء ینتقض وضوءه  
ایضا لانها لا تخلو عن البلة اذا خرجت کما فی شرح الشیخ اسعیل عن الواقعا  
وکنذ فی التارخانیة لكن نقل فیها ایضا عن الذخيرة عدم النقص والذی  
یظهر هو النقص لخروج البلة اه،

خلاصہ یہ کہ جب انگلی کو تر کر کے دبر میں داخل کیا جاوے گا تو وضو ہر حال میں ٹوٹ  
جائے گا، خواہ فاسب ہو یا نہ ہو، اسی طرح جو تیل دبر میں لگایا گیا ہے جب وہ باہر نکل آوے گا  
تو وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ وہ تیل نجس ہے، پس رد مالی میں جو تیل لگا ہوا ہے اگر وہ اندر سے

آنے والا ہے تب تو رد مالی ناپاک ہے، اور اگر وہ تیل ہی جو اندر سے نہیں آتا بلکہ باہر ہی سے لگتا  
ہے تو ناپاک نہیں، ہر حال میں احتیاط ضروری ہے، مزین کو چاہئے کہ جب وہ تیل لگا چکے  
تو فوراً کسی دوسرے کپڑے سے دبر اور اس کے حوالی کو اچھی طرح تیل سے صاف کر دیا کرے،  
اس کے بعد بھی اگر تیل کا اثر باہر نظر آ رہا ہو تو وہ اندر سے آنے والا ہے جس سے یقیناً کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔  
استنجہ کے بعد قطرہ کا شبہ ہونا سوال (۲)۔۔۔۔۔

..... ایک شخص قریب چار سال سے قطرہ کے مرض میں مبتلا ہے، چند دنوں سے  
اس کی حالت یہ ہوئی کہ بعد وضو یا درمیان نماز خفیف سی حرکت معلوم ہوتی ہے جس سے  
دہم ہوتا ہے کہ قطرہ آگیا، اور جب دیکھا جاتا ہے تو اکثر اوقات کچھ نہیں ہوتا، شاذ و نادر  
پندرہ بیس دفعہ کے بعد ایک آدھ دفعہ قطرہ دکھائی دیتا ہے، ورنہ اکثر دہم ہی دہم رہتا ہے  
اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں کہ شاذ و نادر خروج ثابت ہوتا ہے اور اکثر نہیں، آیا دیکھنا  
واجب ہے یا نہیں، بیوا تو حبروا،

الجواب؛ قال فی الخلاصة ومن توضأ ثم رأى الببل سائلا من ذكره  
اعاد الوضوء فان كان الشيطان يريه كثيرا ولا يعلم انه بول او ماء مضي على صلوة  
وينبغي ان ينضح فرجه وازار به بالماء اذا توضأ قطعاً للوسوسة لكن هذه الحيلة  
انما تنفع اذا كان قريباً لعهد من الوضوء اما اذا كان بعيداً وجف عضوه لا ينفعه  
هذا وهذا اذا لم يستيقن انه بول فان تيقن لا ينفعه الحيلة اه (ص ۱۸) ج ۱،  
وفي العالمگیریة شك انه كبر لا فتاح اولاً او هل احدث اولاً او هل اصاب  
النجاسة ثوبه اولاً او مسح رأسه اولاً استقبال ان كان اول مرة والا مضي  
وفي صلوة ۱۲) ولا يلزم الوضوء ولا غسل ثوبه كذا في فتح القدير اه (ص ۸۳) ج ۱،  
وفي الخلاصة ایضا وعلى هذا (لا يجب عليه الاعادة ۱۲) اذا ظهرت السند او  
على رأس الاحليل بعد الفراغ من الصلوة ولم يعلم انها ظهرت في الصلوة وهذا  
اذا لم يشك في الصلوة اما اذا شك في الصلوة وتيقن بالسند وبعده الفراغ من  
الصلوة يجب عليه اعادة الصلوة اه (ص ۱۷) ج ۱،

صورت مسئلہ میں جب دہم کا غلبہ ہو تو دہم سے وضو فاسد نہیں ہوتا، نہ نماز میں نقصان  
لازم آتا ہے، اور اس کا مقتضایہ ہے کہ دیکھنا بھی واجب نہیں، البتہ اگر غالب ظن یہ ہو جائے



کہ قطرہ آگیا تو دیکھنا واجب ہے، نماز میں ہاتھ لگا کر دیکھ لے اور خارج صلوٰۃ جس صورت سے آسانی ہو دیکھ لے، اور اگر نماز میں قطرہ کا شک ہو گیا ہو غالب ظن نہ ہو تو بعد فراغ از نماز فوراً دیکھ لینا چاہئے، اگر تری کا یقین ہو جائے تو اعادۃ صلوٰۃ واجب ہے، اور ایسے مبتلی کو بعد وضو کے اپنے عضو اور لنگی کو بھگو لینا چاہئے، پھر جب تک پیشاب کے قطرہ کا یقین نہ ہو پھر کم کو اسی پر محمول کرے کہ پانی کی تری ہوگی، جب تک کہ عضو اور کپڑا خشک نہ ہو جاوے واللہ اعلم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سوال (۳) بعد ہدیہ منیہ و تحفہ بہیہ مرضیہ آنکہ کی طہارت اور آپ کے حق میں ان کے واعظ و اشرار و غلط گفتمہ کہ فضائل یعنی بول و براز و ریم و ناقض وضو ہونے کی تحقیق، خون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طیب و طاهر بودند و شفاء و درو بودند و در حق شان ناقض وضو و غسل ہم نبودند و آنچه وضو و غسل آزار آنحضرت منقول است آن تعلیم اللامۃ فرمودہ بودند این مسئلہ گرفتہ ما بین جہال بلکہ بعض خواص بسیار قیل و قال می شود، رائے اکثر بلکہ کل بر این ست کہ آنچه حضرت فیض درجت تحریر فرمایند عمل و اعتقاد کردہ شود لہذا حضور موفور السرور و تصدیقہ دادہ می شود کہ این مسئلہ را از کتب صحاح و تفسیر و فقہ حنفیہ مفصل و مدلل ارقام فرمودہ تسلی فرمایند و نیز تفصیل فرمایند کہ طہارت شان لذاتہ و بغیرہ عام بود یا خاص و باز طہارت شان موقوف بوقت خاص شدہ یا علی الاطلاق، والاجر علی اللہ الاکبر،

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تو طاہر ہیں، جمہور علماء اس طرف گئے ہیں لیکن یہ کہ ان کا خرد ج آپ کے حق میں ناقض وضو تھا یا موجب غسل نہ تھا غلط ہے حدیث صحیحہ میں جسکو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے وار د ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج وقد اقيمت الصلوة وعدت الصفوف حتى اذا قام في مصلاه انتظرونا ان يكبر انصرف وفي رواية ابى داود و دخل في صلوٰۃ الفجر فكبر، قال علي مكا نكم فمكثنا على هيئتنا حتى خرج الينا ينطق رأسه ماء وقد اغتسل اه زاد الدارقطني فقال اتى كنت جنباً فنسيت ان اغتسل (فتح الباری ص ۱۰۲ ج ۲) اگر آپ نے نماز شروع کر دی تھی اور پھر غسل کے لئے قطع کی تو ظاہر ہے کہ جنابت آپ کے لئے موجب غسل تھی جب ہی تو نماز کو قطع کرنا جائز ہوا، ورنہ ایک

امر مندوب کے لئے نماز قطع نہیں ہو سکتی، اور اگر نماز شروع بھی نہ کی ہو تب بھی مقتدیوں کو اتنی دیر تک انتظار میں کھڑا رکھنا بدون کسی ضرورت شدیدہ کے نہیں ہو سکتا، معلوم ہوا کہ جناب سے آپ کے ذمہ بھی غسل واجب ہوتا تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً القرآن علی کل حال مالم یکن جنباً صحیحہ ابن حبان والترمذی کذا فی بلوغ المرام (ص ۱۳۱۸) اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان احکام کے پابند تھے، ایک دفعہ حضور پیشاب فرما رہے تھے، ایک شخص نے سلام کیا تو آپ نے فوراً جواب نہیں دیا بلکہ استبراء کے بعد دیوار پر ہاتھ مار کر تیمم کے بعد جواب دیا، اور فرمایا کرہت ان اذکر اللہ الاعلیٰ طہارۃ، رواہ ابوداؤد (ص ۱۳۱) اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کر کے آپ کا وضو اور طہارت بھی زائل ہو جاتا تھا، اور علماء نے احکام کے متعلق قاعدہ مقرر فرمایا ہے، لا یثبت الخصوصية الا بدلیل، اس لئے احکام ناقض وضو و وجبات غسل وغیرہ میں جملہ ائمہ اربعہ نے حضور کے افعال سے استدلال کیا ہے اور کسی کو حق نہیں ہے کہ محض فضائل کے طاہر ہونے سے ان امور کو آپ کے حق میں غیر ناقض وضو یا غیر موجب غسل کہے، ہذا واللہ اعلم، ۵، ربيع الثاني سن۱۲۸۵ھ

### شفاء الاستقام فی احکام الزکام

سوال (۴) ایک مسئلہ کے متعلق متعدد کتب کو دیکھا زکام میں رطوبات سائلہ من الانف زکام کی طہارت ناقض وضو نہ ہوتی تحقیق مگر اطمینان نہیں ہوا، جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں جناب کی نظر وسیع میں اگر اس کے متعلق کہیں تصریح ہو تو تحریر فرما کر ممنون فرماؤں، نیز اپنی رائے عالی سے بھی مطلع فرماؤں، حضرت اقدس سلمہ سے بھی اگر دریافت فرمایا جائے تو فوراً علی نور، وہ یہ کہ ہے کہ حالت زکام میں ناک سے جو دماغی رطوبات بصورت سیلان نکلتے ہیں آیا ناقض وضو ہیں یا نہیں اور نجس ہیں یا نہیں، فقہاء کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناقض وضو ہے، ثم الجرح والنفطة وماء الشدي والسترۃ والاذن اذا كان لعدة سواء علی الاصح اه فتح القدیر، ص ۳۲ ج ۱، بحر الرائق ص ۱۳۲



فتاویٰ ہندیہ ص ۱۰ ج ۱ - ولا فرق بین الرمد وغيره من الالوجاج ولا بین ما من العین او غیرها بل کل ما ینخرج من علة من ائی موضع کان کالاذن والشدی والسرّة ونحوها فانه ناقض علی الاصح لانه صدید اہ کبیری ص ۱۳۱، وفي التبيين والفتح الخارج من الاذن اذ الصديد ان كان بدون الوجه لا ينقض ومع الوجه ينقض لانه دليل الجرح روى ذلك عن الحلواني اه وفيه نظير الظاهر اذ اكل الخارج قبحا او صديداً ينقص سواء كان مع وجه او بدون ولا يلزم لا يخرج ان الا من علة نعم هذا التفصيل حسن فيما اذا كان الخارج ماء ليس غير اه بحر الرائق ص ۳۲

صاحب بحر کی اس نظر سے بھی بظاہر ناقض ہی معلوم ہوتا ہے، علامہ شامی فتح القدير اور بحر الرائق کی عبارت نغم الجرح والنفطة الخ کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں وفيه إشارة الى ان الوجه غير قيد بل وجود العلة كاف، رد المحتار ص ۱۰۴ ج ۱، لغویین اور اطباء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ زکام کی حالت میں دماغ پر کوئی جرح یا قرعہ نہیں ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانی صدید و قیح تو نہیں، الزکام بالضم والركمة تجلب فضول رطبة من بطن الدماغ المقدمين الى المنخرين، قاموس، اس کے قریب قریب اطباء نے بھی یہی تعریف زکام کی کی ہے، جس سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف رطوبہ فاضلہ ہیں، صدید و قیح نہیں،

فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۳، میں ہے ”الجواب“ آنکھ دکھنے میں جو پانی نکلتا ہے پاک ہے، اگرچہ بعض علماء نے ناپاک کہہ دیا ہے، لیکن تحقیق کے خلاف ہے فقط، واللہ تعالیٰ اعلم، اس کلام و جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ زکام کا پانی بھی ناپاک نہیں ہے ورنہ ما بہ الفرق کیا ہے، نیز یہ جواب بعض فقہاء کی عبارت کے خلاف ہے، وعلى هذا قالوا من رمدت عينه وسال الماء منها وجب عليه الوضوء اه فتح القدير ج ۱ ان عبارات کو ملاحظہ فرما کر قول فیصل تحریر فرماویں،

الجواب؛ قال في الدر ولا ينقضه قبح من بلغم على المعتمد اصلا  
”قال الشامي“ ای سواء کان صاعداً من الجوف او نازلاً من الرأس، خلافاً  
لابی یوسف فی الصاعد من الجوف والیه اشار بقوله علی المعتمد اه (ص ۱۴۳)

قلت اطلق في النازل من الرأس فشمّل المذكور وغيره وفي مراقي الفلاح و ينقضه قبح طعام وماء وان لم يتغير او علق او مرة اذا ملأ الفم لتنجسه بما في قعر المعدة اه قال الطحاوي قوله وان لم يتغير اشار به الى انه لا فرق بين انواع القبيح سواء قاء من ساعته ام لا وقال الحسن اذا تناول طعاما او ماء ثم قاء من ساعته لا ينقض وضوئه وقال الزاهدي ومحل الاختلاف اذا وصل الى معدته ولم يستقر اما الوقاء قبل الوصول وهو في المرنى فانه لا ينقض اتفاقاً اه (ص ۵۲) قلت وظاهر ان ماء الالاف انما ينزل من الرأس ولا يصعد من المعدة فلا ينقض اتفاقاً وفيه انصار ص ۵۵، وهو رأي البلغم طاهر اه، قال الطحاوي اي عندهما مطلقاً لانه بزاق حقيقة والبزاق طاهر لان الرطوبة ترقى اعلى الحلق فتصير بزاقاً وفي اسفله تغلظ فتصير بلغمًا فلم يخرج من المعدة اه قلت ولما كان ذلك حقيقة البلغم فله حكم البزاق سواء سال من الالاف او من الفم وفي الخلاصة وان قاء بلغمًا ان نزل من الرأس فهو كالبزاق وان صعد من الجوف فكذلك عندهما وقال ابو يوسف ينقض ان كان ملأ الفم اه (ص ۱۱۵)

وفي مراقي الفلاح مع الطحاوي ايضا عن الجوهرية الماء الصافي اذا خرج من النفطة لا ينقض وفي التبيين ولو كان بعينه رمد او عيش يسيل منها الدموع قالوا يؤمر بالوضوء لوقت كل صلوة لاحتمال ان يكون صديد او قبحا قال العلامة الشلبي في حاشية عليه قال الشیخ کمال الدین فی فصل المستحاضة اقول هذا التعليق يقتضي انه امر استحباب فان الشك والاحتمال في كونه ناقضا لا يوجب الحكم بالنقض اذا اليقين لا يزول بالشك الى ان قال وما يشهد لهذا (اي لكونه امر استحباب) ما في الشرح الزاهدي عقيب هذه المسئلة وعن هشام في جامعه ان كان قيحا فكا المستحاضة والا فكا الصحيحة واما قولهم ماء الجرح والنفطة وماء السرّة والشدی والعین والاذن ان كان لعلة سواء” ينبغي ان يحمل على ما اذا كان الخارج من العين متغيرا بسبب ذلك اه (ص ۵۴) قلت وما ينزل من الماء في الزكام ليس لعلة جرح او قرحة



كما لا يخفى ومع ذلك فهو ماء صاف ليس بتغير فكان كماء العين الصافي  
فلا ينقض ولا يكون نجساً وقال البدر العيني في شرح البخاري له تحت حديث  
وماتنخم النبي صلى الله عليه وسلم النخامة الا وقعت في كف رجل  
منهم فذلك برها وجهه وجلد ما نصه بيان استنباط الاحكام منها الاستدلال  
على طهارة البصاق والمخاط، قال ابن بطال وهو اجمع عليه لا تعلم فيه خلافاً  
الا ما روى عن سلمان انه جلد غير طاهر وان الحسن بن حي كرهه في الثوب و  
عن الاوزاعي انه كره ان يدخل سواكه في وضوءه وقال بعض الشراح ما  
ثبت عن الشارع من خلافهم فهو المتبع والحجة البالغة فلا معنى لقول من  
خالفه (ص ۹۲۵ ج ۱) وقال قبل ذلك بصفحة والمخاط بضم الميم مائيل  
من الالف ام قلت اطلقوا في طهارته ولم يقيدوا بغير المزكوم فهو طاهر مطلقاً،  
وذكر في البحر والحقوا بالقي ماء فم النائم اذا صعد من الجوف (اي البطن)  
بان كان اصفر او منتناً وهو مختار ابي نصر وصح في الخلاصة طهارته وعند ابي  
يوسف نجس ولو نزل من الرأس فطاهر اتفاقاً (ص ۳۵) وصرح قبل ذلك  
بطهارة المخاط النازل من الرأس ولو كان كثيراً فاحشاً ورد على الخلاصة  
ذكر فيه خلاف ابي يوسف وانما خلافة في الصاعد من الجوف فليراجع، و  
قال قاضي خان الماء اذا اختلط بالمخاط او بالبراق جازبه التوضي ويكره (ص ۱۰ ج ۱)  
العلق في المخاط ولم يقيد بغير المزكوم فلو كان مخاط المزكوم نجساً  
حد ثا لزم التقييد به والكراهة التي ذكرها للاستقذار عن مثل ذلك  
الماء طبعاً، بهر حال فقهاء كمال اطلاقاً او تصرفات معلوم هو ما في كراهية رطوبات سائلة  
من الالف مطلقاً طاهرين، الا ان يكون دماً، والله اعلم.

## تتمة الكلام

ثم رأيت الشامي قد بحث عن المسئلة صلحة فقال تحت قول الدور  
صاحب عذر من به سلس البول او استطلاق بطن الى ان قال وكذا كل ما  
يخرج بوجع ولو من اذن وشدى وسرة ام ما نصه ظاهره يعنى الالف اذا كان

لكن صرحوا بان ماء فم النائم طاهر ولو منتناً فاما (ص ۳۱۳ ج ۱) باب  
المعدورين، وفي التحرير المختار قوله لكن صرحوا بان فم النائم الخاي فمقتضى  
ما صرحوا به ان لا يكون الزكام ناقضاً بالاولى لا نبعاثه من الرأس الذي ليس  
محل النجاسة وانبعاث الاول من الجوف الذي هو محلها لكن يفرق بينهما  
بان الزكام خارج بعلقة بخلاف ماء فم النائم ولو منتناً (ص ۳۹ ج ۱)  
قلت ان اراد بالعلة مطلق المرض فوجوده في الزكام مسلم ونفيه عن ماء  
فم النائم ممنوع لان الماء لا يسيل عن فم النائم الا لعله في جوفه كحدوث  
الديدان فيه ونحوه وان اراد بها الجرح والقرح فنفيه عن ماء فم النائم  
مسلم ولا نسلم وجوده في الزكام فان حقيقته تجلب الفضول الرطبة من  
بطنى الدماغ المقدمين الى المنخرين تجلب الفضول من بطنى الدماغ المقدمين  
الى الحلق ويسمى نزلة كذا في الكشاف للتهانوي (ص ۲۳۱ ج ۲) وسببه  
حرارة الدماغ او برودته طبيعتين كانتا او عارضتين كما في شرح الاسبا  
ولم يقل احد ان سببه جراحة في الدماغ او قرحة فيه والظاهر ان  
المراد بالعلة في كلام الفقهاء الجرح لا مطلق المرض والا لزم كون الزكام  
ناقضاً ايضاً لاسيما من ضعيف القلب فانه لا يبكي الا لعله في قلبه وكذا  
ريق من كان مبتلى بكثرة سيلاته كما يشاهد في كثير من الناس وفيه  
مخالفة للنصوص الدالة على طهارته مطلقاً وعليه الاجماع كما مر ايضاً  
فيه من الجرح ما لا يخفى وهو مدفوع بالنص ما جعل عليكم في الدين من  
حرج فالصحيح ان ماء فم النائم والزكام سواء بل عدم النقص في الثاني  
اولى كما ذكره في التحرير اولاً وايضاً فاطلاق المتقدمين بطهارة النازل  
من الرأس وعدم تعدلهم لبيان الخلاف فيه وذكرهم ذلك فيما صعد من  
الجوف من البلغم يرد هذا البحث ويستأصله فلو كان في الزكام وسوساً  
لما سكتوا عنه وقد ورد في الحديث عن سلمة بن الاكوع انه سمع النبي  
صلى الله عليه وسلم وعطس رجل عنده فقال له يرحمك الله ثم عطس  
اخرى فقال الرجل مزكوم رواه مسلم وفي رواية للترمذي انه قال في الثالثة



انہ مزکوم ام ولم یا مرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالاحتراز عما ینخرج من انفہ وعن ابی ہریرۃ قال شمت اخاک ثلاثا فان زاد فهو زکام رواہ ابوداؤد و قال لا اعلمہ الا انہ رفع الحدیث الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی مشکوٰۃ (۳۴۶) ولم ینرد فی نص ما انہ امرہ بالاجتناب عن ماء زکامہ فالظاهر ما قلنا انہ طاهر و لیس بنجس ولا ناقض و روى الشيخان عن ابی ہریرۃ ہر فوفا ان اللہ یحب العطاس و یکرمہ التثاؤب کما فیہ ایضاً (ص مذکور) ولا یخفی کثرة العطاس فی الزکام فلو کان ناقضاً و نجسا لم یرکن محبوا مطلقا بل ذکرلہ الشارح حد امعلوما واذ لیس فالقول بنجاسة ماء الزکام و بكونه ناقضا للوضوء خلاف النصوص واللہ تعالیٰ اعلم، حوزۃ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تہانہ بھون ۲۲ رجب ۱۳۵۴ھ، نعم التحیق و بالقبول حقیق، اشرف علی عفی ۲۴ رجب الاولیٰ در میان نماز قطوہ آجائے سوال (۵) نماز پڑھنے کی نقل و حرکت میں جبکہ قطرہ آجاتا ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا، تو وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، اور اب پھر وضو کر کے اپنی بقیہ نماز ادا کی جاوے، یا نماز کی ضرورت نہیں ہے اور کپڑے کو بدل دے یا اسی سے نماز ادا کرے، جب کسی ایسا موقع ہو ہے تا بعد ارنے نہ وضو دوبارہ کیا ہے، نہ پانچامہ بدل ہے، یہ شبہ ابھی تک قائم ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ لہذا امیدوار ہوں کہ مفصل جواب سے مطلع کیا جاؤں،

الجواب؛ وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے دوبارہ کیا جاوے، پھر خواہ برعایت شرائط بنا کی جاوے یا نماز دوبارہ پڑھ لی جاوے اور ردیہ کے پھیلاؤ میں کپڑا بنجس ہو گیا کہ تو اس کو بھی بدلنا ضروری ہے، اس میں نماز نہ ہوگی، اور اگر ردیہ کے برابر نجاست نہ لگی ہو تو اسی کپڑے میں نماز ہو جاوے گی، مگر عمدۃ اتنی ناپاکی کا بھی کپڑے میں رکھنا مکروہ تحریمی ہے، مگر جبکہ کثرت عذر سے کپڑے بدلنے میں حرج ہو تو مضائقہ نہیں، کما ہوا لظاہر،

الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، احقر عبدالکریم گتھلوی عفی عنہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ گالی اور فحش گوئی سے سوال (۶) وضو کے بعد زبان گالی یا اور کوئی فحش کلمہ نکالنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، وضو میں کیا نقص آتا ہے کیا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ الجواب؛ وضو کے بعد گالی دینے سے وضو تو نہیں ٹوٹتا، لیکن اس کا اور کم ہو جاتا کہ

اس لئے دوبارہ کر لینا بہتر ہے، قال فی نور الایضاح و شرحہ و ندب الوضوء الی ان قال و بعد کلام غیبة و کذب و نمیمة و بعد کل خطیئة رمنہا الشتیمة وھی السب فی الوجه ۱۲) و انشاد شعر قبیح لان الوضوء یکفر الذنوب الصغائر و قمقہة خارج الصلوٰۃ لانہا حدث صورۃ ام (ص ۲۹) قلت و التعلیل یفید الذنب و لو کان الرجل علی وضوء لاجل تکفیر هذه الذنوب و ایضا فذکر ندبہ بعد القمقہة یفید ندبہ و لو کان علی وضوء حتماً فکذا اقرا ثنہا، واللہ اعلم ۲۵ رجب ۱۳۵۴ھ

سوال (۷) ایک عورت نے نماز کے واسطے وضو کی، پھر نماز بچہ کو دودھ پلانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نماز میں دودھ کے اندر اس کے بچہ نے اپنی ماں کا دودھ پیا تو اس عورت کی بیا تو نماز فاسد ہو جائے گی وضو ٹوٹ گئی یا رہے گی؟

الجواب؛ اگر پستان سے دودھ نکلا بھی ہو تو عورت کی نماز تو فاسد ہو جائے گی وضو میں نقصان نہیں آیا، (شامی ص ۲۲ ج ۴) ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

سوال (۸) آجکل ہندوستان اور غیر ہندوستان میں نصاریٰ کا عورت پر نظر پڑ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا بہت زور ہے، اور انہی کی اکثر جگہ حکومت ہے، اور نصاریٰ کے علاوہ ہندوؤں میں بھی رواج ہے کہ ان کی عورتیں خوب عمدہ لباس پہن کر نکلتی ہیں، اور ان کے علاوہ اور قومیں بھی جو بازاروں میں اور راستوں میں برابر آتی جاتی ہیں، اور خصوصاً نصرانی عورتیں جن کا لباس اس قسم کا ہے کہ ان کے ہاتھ کندھوں تک اور پاؤں گھٹنوں تک برہنہ ہوتے ہیں، آگے گلا وغیرہ کھلا رکھتے ہیں، اور ان کے لباس اس قسم کے ہوتے ہیں جس میں بدن وغیرہ نظر آتا ہے، اب اس کے بعد یہ عرض ہے کہ مسلمان آجکل جتنے ہیں وہ اپنے نفس پر قادر نہیں ہیں، اور نہ ان کی ایسی حالتیں ہیں جو غیر محرم پر نظر ڈالیں تو وہ بہ نظر شہوت نہ ہو، اور بہت کم ایسے مسلمان بزرگ ہیں جو ایسے مجامع کو دیکھ کر اپنے نفس پر قادر رہتے ہیں، ان تمام موجودہ حالات کو دیکھ کر عرض ہے کہ اگر کوئی شخص با وضو ہو کہ تو اس کا وضو ہو گیا جاوے گا، حالانکہ فقہاء کرام کا مطلب یہی ہے کہ وضو نہیں جاوے گا مگر یہ کیا اجازت دیتا ہے، کہ نظر شہوت پڑنے کے بعد وضو نہ ہوتا ہے یا نہیں، اور ایک یہ ہے کہ لوگوں کی حالت ان حسین عورتوں کو دیکھ کر متغیر ہو جاتی ہے، اور نظر تو یقیناً شہوت



کے ساتھ ہوتی ہے تو پھر اس صورت میں کیا حکم ہے، اور سائل خود بھی یہ جانتا ہے کہ وضو اسنان کے مسلک پر نہیں جاتا ہے، مگر زید لوگوں کو اس زمانہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے وضو کرنا اچھا بتلاتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ اگر ایسا زمانہ نازک جیسا کہ موجود ہے اگر فقہاء کرام کے سامنے ہوتا تو ضرور دوبارہ وضو کرنے کی اجازت دیتے اور بہت سارے اشخاص ایسے ہیں کہ جب حسین عورت پر نظر پڑتی ہے تو وہ شہوت کے ساتھ ہوتی ہے، آجکل بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اس سے محفوظ ہوں، تو اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب؛** نگاہ کا اٹھانا اور کسی کو دیکھنا امر خستہ یاری ہے، آنکھیں اور نگاہیں خود بخود کسی پر نہیں پڑ جاتیں لہذا ایسے وقت میں مردوں کو نگاہ نجی رکھنی چاہئیں لیکن اگر شہوت سے کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو اس سے وضو نہ ٹوٹے گا، نہ حنفیہ کے مسلک پر نہ کسی اور کے مسلک پر ہاں اگر عورت کو دیکھا ہو تو یہ گناہ ہے، اور ہر گناہ کے بعد وضو کر کے توبہ کرنا مستحب ہے، اور مطلق توبہ تو واجب ہے، قال فی المراقی الفلاح وبعد کل خطیئۃ وانشاد شعر الخ، ص ۴۴، ۱۰ شعبان ۱۳۴۴ھ

## فصل فی وجوب الغسل فی الرضیہ و سننہ و آدابہ

**سوال (۱)** حضور میرے منہ کے اندر ایک دانت کیڑا لپکا پانی پہونچانا فرض ہے یا نہیں؟ اور کھایا، اب فوق کی طرف دانت کیچوں بیچ ایک سوراخ ہو گیا ہے، کچھ کھانے پینے کی چیز اس کے اندر گھس رہی ہے وہ نکالنے میں مشکل، یعنی آہ درکا ہوتا ہے، نکالنے کے بعد پھر کوئی چیز کھانے یا پینے سے دانت میں دردمعلوم ہوتا ہی ٹھنڈا پانی پہونچنے سے تکلیف ہوتی ہے، اب فرض غسل وضو کرنے کے وقت وہ سوراخ مذکور میں پہونچی ہوئی چیز نکالنی پڑے گی یا بغیر نکالنے کے وضو اور فرض ادا ہوگا، اس سوراخ میں پانی پہونچانا فرض ہے یا نہیں؟

**الجواب؛** قال فی مراقی الفلاح فی بیان فرائض الغسل وغسل القدم والافہام قال الطحطاوی ای بدون مبالغۃ فیہما فانہما سنۃ فیہ علی المعتمد ولو کان سنۃ مجتہداً فبقی فیہ طعام او بین اسنانه او کان فی انفہ درن رطب اجزاً ۱ھ (ص ۵۹) غسل کی حالت میں دانت کے سوراخ میں پانی

پہونچانا فرض نہیں، اور پہونچانے تو اچھا ہے،

**سوال (۲)** عورت کا فرج میں دوا رکھنا قابلہ جو دوا رکھتی ہے اس دوا کے رکھنے سے موجب غسل ہے یا نہیں، غسل تو واجب نہیں ہے یا ہے؟

**الجواب؛** قول مختار میں تو الملقا غسل نہیں اور صاحب منیہ نے بحث کیا ہے کہ احتیاط وجوب غسل میں ہے بشرطیکہ مقصود استمتاع و استلذاز ہو، اور جو مقصود محض تداوی ہو جیسا سوال میں مذکور ہے تو ان کے نزدیک بھی غسل نہیں، قال فی الدرر لا عند ادخال اصبع و نحوه فی الدبر او القبل علی المختار ۱ھ ونقل الشامی من کلام نوح افندی علی التجنیس ان المختار وجوب الغسل فی القبل اذ قصد الاستمتاع لان الشهوة فیہن غالبۃ فیقام السبب مقام المسبب قال وقولہ لان المختار وجوب الغسل الخ بحث منہ سبقہ الیہ شارح المنیۃ حیث قال والاولی ان یجب فی القبل الخ وقد نبہ فی الامداد ایضاً علی انہ بحث من شارح المنیۃ فافہم، واللہ اعلم، ۸ رذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

**سوال (۳)** آدمی کا عورت کی جائے مخصوص میں انگلی یا بغیر شہوت انگلی داخل کرنے سے داخل کرنے سے شہوت یا بغیر شہوت صرف فاعل یا صرف فاعل یا دونوں پر غسل واجب؟ دونوں پر غسل فرض ہوگا یا نہیں؟ والسلام

**الجواب؛** اگر انگلی داخل کرنے کے وقت عورت کی شہوت براہیگختہ ہو جائے تو ایک قول میں عورت پر غسل واجب ہو جائے گا، اور ایک قول میں واجب نہیں جب تک انزال نہ ہو، اور احتیاط غسل ہی میں ہے، اور اگر عورت کی شہوت براہیگختہ نہ ہو تو غسل کسی قول میں واجب نہیں، اور فاعل ادخال اصبع پر بھی غسل نہیں والمسئلۃ مذکورۃ فی شرح المنیۃ (ص ۴۴) و فی الدرر (ص ۱۳۱) وجعل فی الدرر عدم وجوب الغسل هو المختار و فی الشامیۃ حکى عن نوح افندی و شرح المنیۃ ان وجوب الغسل هو المختار واللہ اعلم، ۲۶ شعبان ۱۳۴۴ھ

**سوال (۴)** غسل جمعہ کے بجائے معذور یا غیر معذور تیمم کر لے تو مؤدی بالسنۃ ہوگا یا نہیں؟ کئی روز سے ایک جسرنی کی تلاش میں ہوں، ملی نہیں، اس لئے حضرت کی خدمت میں درخواست ہے کہ اگر نظر



گذری ہو یا استاذی مولانا ظفر احمد صاحب کول سکے تو حضرت ممنون فرمادیں، غسل جمعہ کی بجائے اگر معذور یا غیر معذور تیمم کرے تو مودی بالسنہ ہوگا یا نہیں، مالکیہ و شافعیہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، مالکیہ کے نزدیک یہ غسل معتل بالرائحۃ الکریہیہ ہے، اس لئے تیمم اس کے قائم مقام نہیں اور شافعیہ کے نزدیک معتل بالکل الطہارتین ہے، اس لئے تیمم کافی ہے، حنفیہ کی عبارات سے دونوں کا علت ہونا معلوم ہوتا ہے، بعض فقہاء پہلی علت کی بناء پر شب جمعہ کے غسل کو بھی کافی لکھتے ہیں اور بعض اس کی علت علی اکمل الطہارتین فرماتے ہیں، اس لئے یکلیہ سے بھی حکم نہیں نکلتا، زکریا کاندھلوی سہارنپور ۱۵، رمضان ۱۳۸۶ھ

**الجواب:** اس وقت تک اس مسئلہ میں کوئی جزئیہ صریحہ نہیں ملا، مگر احادیث و اقوال فقہیہ سے راجح یہ ہے کہ اگر غسل جمعہ میں اصل علت تنظیف ہے، اور گو تنظیف دو سکرایام میں بھی ہو سکتی ہے، مگر جمعہ کی تخصیص بوجہ اس کے یوم الاجتماع ہونے کے ہے، وہو علتہ تخصیصہ یوم العید ایضا وہو الظاہر من قول صاحب الہدایہ وہو رد المحتار فی حدیث عائشہ و ابن عباس فی بدر الغسل، اور جب راجح یہ علت ہے تو تیمم اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، نہ معذور کے لئے نہ غیر معذور کے لئے، ہذا ظہری و الشیخ الاسلام، ۱۹، رمضان ۱۳۸۶ھ

غسل کیلئے نیت شرط نہیں ہے | سوال (۵) زید کو غسل کی حاجت ہوئی اور قبل نماز فجر اس نے غسل کیا، اور غسل کے وقت نیت یہ کی کہ ناپاکی دور ہونے اور نماز میں پڑھنے کے واسطے غسل کرنا ہے، ایسی حالت میں کیا بعد غسل ناپاکی نماز کے لئے اس کو دوبارہ غسل کرنا ہوگا؟

**الجواب:** غسل کے لئے نیت شرط نہیں ہے، اگر بدون نیت بھی غسل کیا جائے تو اس کے بعد نماز پڑھ سکتا ہے، گو نیت کرنا بہتر ہے، اور جب بطریق مذکورہ سوال غسل ہو چکا تو پھر اس کو دوبارہ غسل کی حاجت کیا رہی، باقی رہا یہ کہ ایک ناپاکی کا غسل ہو اور ایک نماز کا غسل ہو، یہ بالکل نئی گھڑت اور محض ذہل ہے، کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۳، ۲۴

**سوال (۶)** خواب میں خستلام ہوا، محتلم کو قرائن خارجیہ سے اس کا یقین ہو کہ منی بغیر شہوت و دفع کے خارج ہوئی ہے، تو آیا اس صورت میں غسل فرعن فرض ہے یا نہیں؟

قرائن خارجیہ مثلاً ایک شخص بوجہ کبر سن کے عدیم الشہوت ہے، اب اس کو احتلام ہوتا ہی نہیں، تو اس کو عدیم الشہوت ہونے کی وجہ سے یقین ہو کہ یہ احتلام غیر دفع و شہوت کی حالت میں ہوا ہے، یا مثلاً ایک شخص مریض ہے جو سیلان منی و کثرت احتلام کے مرض میں مبتلا ہے اور علامات و اسباب کو دیکھ کر اس کو یقین ہے کہ یہ منی جو سوتے میں خارج ہوئی ہے بغیر شہوت و دفع کے ہوئی ہے، اور کتب طبیہ مثلاً شرح اسباب وغیرہ میں مصرح ہے کہ جس کثرت احتلام کا سبب برودت و رطوبت اور استرخاء ادعیہ منی ہوتا ہے اسکی علامت بلاد دفع و انعاظ و شہوت خروج منی ہوتا ہے، غرض ایسے قرائن سے اس کو یقین ہو گیا کہ بغیر شہوت کے منی نکلی ہے، مرقاة مصری جلد اول ص ۳۲ میں مندرج ہے :-

واکثرا لعلماء علی انه لا یجب الغسل حتی یعلم انه بلل الماء الذائق واستجواب الغسل احتیاطاً، جس کا ترجمہ لواب قطب الدین صاحب بھی ترجمہ مشکوٰۃ یعنی مظاہر حق میں لکھتے ہیں "اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ غسل واجب نہیں آتا یعنی سونے کی حالت میں تری دیکھنے سے، یہاں تک کہ جانے کہ یہ کود کر نکلی ہے، یعنی اگر جانتا ہے کہ کود کر نکلی ہے تو غسل واجب ہوگا، ورنہ مستحب واسطے احتیاط کے، غرض جناب اس میں ارشاد فرماتیں کہ کوئی مبتلا بہ اس قول پر عمل کرے تو کیسا ہے، بینوا تو جسروا،

**الجواب:** ہمارے نزدیک اس قول پر عمل اسکو جائز ہے جسکو بیداری میں بھی بدون شہوت کے انزال منی ہو جاتا ہو، اور جسکو بیداری میں بدون شہوت کے انزال منی نہ ہوتا ہو اس کو نیند سے بیدار ہونے کے بعد جو تری لباس پر نظر آئی، اور یقین ہے کہ منی ہی یا منی اذہمذی ہونے میں شک ہو اس پر غسل واجب ہے، اور یہ خیال صحیح نہیں کہ نیند میں منی بدون شہوت کے نکلی ہے، کیونکہ نیند کی حالت کا اس کو کیا علم، بلکہ احتلام میں مدار و نیت بلل پر ہے، واللہ اعلم، قال فی مراقی الفلاح ومنہا ای من اسباب وجوب الغسل وجود ماء رفیق بعد الانتباہ عن النوم ولم یبتذ کو احتلام عند ہما ولم یسما ماروی انه صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الرجل یجد البلیل ولم یبتذ کو احتلاماً قال یغتسل خلافاً لابن یوسف ویقولہ اخذ خلف بن ایوب و ابواللیث لانه مذی و هو لا یس الخ (ص ۵۷) قلت وقد اخذنا بقولہ فیمن کان مبتلی بالانزال بلا شہوة فی المیقظة ایضاً والافاقول ما قالہ واللہ اعلم، ۲۱، محرم ۱۳۸۶ھ











وتصلی وتصوم ان انقطع لیلاً وتشبهه بالصائم ان انقطع نهاراً وان عاد فی الوقت او بعد فی العشرة كما یأتی بطل الحکم بطهارتها فقع عن الصلوة والصوم و بعد الثلاثة ان انقطع قبل العادة فکذلک الحکم لکن هنا تصلی بالغسل علماً انقطع لا بالوضوء لانه تحقق كونها حائضاً بروية الدم ثلاثة فاکثر اربع العادة فالحکم ایضاً کذلک لکن هنا تاخیر الغسل لاجل الصلوة مستحب لا واجب وان عاد الدم فی العشرة ولم يتجاوزها بطل الحکم بطهارتها فلو تجاوزها فالعشرة حیض لو مبتدأه والا یام عادتها ولو اعتادت فی الحيض یوماً متداوياً یوماً متداوياً هکذا فی العشرة فاذا رأت الدم فی الیوم الاول تترك الصلوة والقیم و اذا ظهرت فی الثاني توضأت و صلت ولا غسل لعدم كونها حائضاً بعد فی الثالث تترك الصلوة والقیم و فی الرابع تغتسل و تصلی هکذا فی العشرة کذا فی التتارخانیة ونحوه فی صدر الشریعة والنفاة کالحيض فی الاحکام المذکورة غیر انه یجب الغسل فیہ كلما انقطع علی کل حال سواء کان قبل ثلاثة او بعد ها لانه لا اقل له ففی کل انقطاع یحتمل خروجها من النفاس فیجب الغسل بخلاف ما قبل الثلاث فی الحيض (ص ۹۳)

خلاصہ یہ ہے کہ نفاس کی مدت میں (جو کہ چالیس دن ہے) عورت جب خون دیکھے تو نماز روزہ چھوڑ دے، اور جب تک خون جاری رہے چھوڑے رکھے، اور اگر کسی وقت خون بند ہو جائے تو اس وقت جس نماز کا وقت ہو اس کے وقت مستحب کے اخیر کا انتظار کرے اگر اخیر وقت میں خون جاری ہو جاوے تو نماز چھوڑے رکھے اور اگر اخیر وقت تک بند رہے تو غسل کر کے نماز پڑھے، اور رات کو بند ہو اور صبح کے قریب تک بند رہے تو روزہ بھی رکھنا واجب ہے، اور دن میں بند ہو تو روزہ داروں کی طرح رکھنا واجب ہے بشرطیکہ دن بھر بند رہے، ورنہ خون آجانے پر روزہ داروں کی طرح رکھنا واجب نہ رہے گا، اور خون بند ہونے کے وقت یہ دیکھنا چاہئے کہ عادت سابقہ سے پہلے بند ہوا ہے یا عادت کے بعد اگر پہلے بند ہوا ہے تو غسل کر کے نماز پڑھنا واجب ہے، مگر غسل و نماز میں وقت مستحب کے اخیر کا انتظار کرنا واجب ہے، اور اگر عادت کے بعد بند ہوا ہے تو نماز پڑھنا اب بھی واجب ہے، مگر اس صورت میں غسل و نماز کے لئے اخیر وقت کا انتظار مستحب ہے، واجب نہیں، چالیس دن کے اندر خون آنے اور بند ہونے کا تو یہی حکم ہے، اور اگر چالیس دن سے زائد خون آیا

تو عادت کے ایام کو تو نفاس سمجھا جائے گا، اور باقی کو بیماری، تو ایام عادت کے بعد جتنے دنوں کی نماز خون آنے کے سبب نہیں پڑھی گئی، اُن کی قضا کرنا واجب ہوگی، یہ تو نفاس کا حکم تھا جس سے سوال کیا گیا ہے، اس کے بعد ہم حیض کا حکم بھی بتیم فائدہ کے لئے بیان کرتے دیتے ہیں، حیض کا حکم یہ ہے کہ تین دن گزرنے سے پہلے تو خون دیکھ کر نماز روزہ چھوڑ دے اور جب تک خون جاری رہے چھوڑے رکھے، اور اگر کسی وقت خون بند ہو جائے تو وقت مستحب کے اخیر کا انتظار کرے، اگر اس وقت خون جاری ہو جاوے تو نماز روزہ چھوڑے رکھے، اور اس وقت تک بند رہے تو وضو کر کے نماز پڑھے غسل واجب نہیں، اور رات کو بند ہو اور صبح کے قریب تک بند رہے تو روزہ کی نیت رمضان میں کرنا واجب ہے، اور دن میں بند ہو اور کسی نماز کے اخیر وقت تک بند رہے تو روزہ داروں کی طرح رکھنا واجب ہے، اور حیض شروع ہونے سے تین دن گزرنے کے بعد حکم یہ ہے کہ خون دیکھنے سے تو نماز وغیرہ چھوڑ دے، اور جب تک جاری رہے چھوڑے رکھے اور جب بند ہو نماز شروع کرنے جیسا اوپر حکم تھا، البتہ یہ دیکھنا چاہئے کہ عادت سابقہ سے پہلے بند ہوا ہے یا عادت کے بعد اگر پہلے بند ہوا ہے تو غسل و نماز میں آخر وقت مستحب کا انتظار واجب ہے، اور بعد عادت کے بند ہوا ہے تو اخیر وقت کا انتظار مستحب ہے، واجب نہیں، دس روز تک تو یہی حکم ہے، اور اگر دس دن سے زائد خون آیا تو ایام عادت سابقہ کے بعد جتنے دن کی نماز بوجہ خون آنے کے نہیں پڑھی، اُن کی قضا واجب ہے حیض کے دن وہی سمجھے جائیں گے جو عادت کے ایام ہیں، یہ حکم تو نماز روزہ کا ہے، اور شوہر سے مقاربت کا یہ حکم ہے کہ نفاس کے چالیس دن سے کم میں اور حیض کے دس دن سے کم میں اگر عادت کے موافق بند ہوا ہو یا عادت کے بعد جب تو عورت کے غسل کر لینے یا بحالت عذر تسمیم کر لینے یا ایک نماز کے وقت گزر جانے کے بعد مقاربت جائز ہے، اور عادت سے پہلے بند ہوا ہے تو جب تک ایام عادت پورے نہ ہوں مقاربت جائز نہیں، گو عورت غسل کر کے نماز پڑھنے لگی ہو، کیونکہ نماز روزہ کا حکم الگ ہے، اور مقاربت کا حکم الگ ہے، اور حیض و نفاس دونوں میں پانی کے آنے کا حکم یہ ہے کہ گدلا پانی تو حیض و نفاس ہی ہے، جب کہ دس دن اور چالیس دن کے اندر اندر ہو، اور صاف پانی حیض و نفاس نہیں، بلکہ اس کو خون کا بند ہونا سمجھا جائے گا، اور جس عورت پر نماز کے لئے غسل واجب ہو مگر وہ بوجہ مرض وضعف کے غسل پر قادر نہ ہو تو اس کو غسل کی طرف



تیم کرنا جائز ہے، لیکن اگر وضو کرنا مضرت ہو تو وضو کرنا واجب ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم،  
۴ شعبان ۱۳۸۵ھ

تتمتہ؛ (۱) پانی کا رنگ وہ معتبر ہے جو تازہ آمد کے وقت ہو، پس اگر تازہ آمد کے وقت پانی صاف تھا، بعد میں کپڑے پر لگ کر رنگ میں گدلا پن آگیا تو یہ عورت حیض و نفاس سے پاک ہوگی، بعد کے تغیر کا اعتبار نہیں، صرح بہ فی منہل الواردین فی المقدمة

(۲) اگر حیض دس دن پورے ہونے اور نفاس چالیس دن پورے ہونے پر بند ہو تو بدون انتظار غسل وغیرہ کے مقاربت جائز ہے، صرح بہ الفقہاء فی کتبہم،

(۳) اگر حیض دس دن پر اور نفاس چالیس دن پر بند ہو گیا، اور بندش کے بعد ایک دو دن کے وقفہ سے پھر جاری ہو گیا تو یہ وقفہ بھی بحکم جریان دم کے ہے، پس یوں سمجھا جائیگا کہ حیض دن سے زیادہ آیا اور نفاس چالیس دن سے زیادہ آیا، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس عورت کی عادت حیض و نفاس میں پہلے سے معلوم ہے تو ایام عادت حیض و نفاس میں اور عادت سے زیادہ جتنے ایام ہیں وہ سب استحاضہ ہیں، پس عادت سے زائد ایام میں اگر کسی دن میں بوجہ خون آنے کے نماز نہ پڑھی ہو تو اس کی قضا واجب ہے، البتہ اگر دس دن حیض کے اور چالیس دن نفاس کے بعد پندرہ دن خون بند رہے تو اب اس وقفہ کو بحکم جریان دم شمار نہ کیا جائے گا بلکہ یہ دوسرا خون شمار ہوگا، پس اگر وہ حیض بن سکے مثلاً تین دن کامل خون آیا تو اس کو دوسرا حیض شمار کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم،

ففي الرسالة المذكورة لو عاد الدم بطل الحكم بطهارتها كما نهالم تظہر قال في التتارخانية وهذا اذا عاد في العشرة ولم يتجاوزها وطهرت بعد ذلك خمسة عشر يوماً فلو تجاوزها ونقص الطهر عن ذلك فالعشرة حيض لو مبتدأه والا فایام عادتها (ص ۹۳) ۴ شعبان ۱۳۸۵ھ

سوال (۱۰) جس عورت کو ایام حیض کی شمار اور دونوں یا تاریخ یاد نہ ہو اس کیلئے کیا حکم ہے؟  
تایخ یعنی محل حیض یاد نہ ہو پھر اس کو استحاضہ مستمرہ ہو جائے اس کا کیا حکم ہے، اور جس کو شمار ایام یاد ہو مگر محل دم یاد نہ ہو اس کا کیا حکم ہے، بینوا تو جسروا،

الجواب، قال ابن عابدین فی رسالته منہل الواردین من بحار الفیض

فی احکام المصنعة اعلم انه يجب على كل امرأة حفظ عاداتها في الحيض والنفس الطهر عدد او مكانا كونه خمسة مثلاً من اول شهر او اخره مثلاً والحق المصنعة انما تجوز فان جئت اعني عليها او تساهلت في حفظ ذلك ولم تهتم لدنياها فافقت عاداتها فاستمر الدم فعليها بعد ما افاقت او ذمت ان تتحرى بغلبة الظن كما في اشتباه القبلة واعداد الركعات فان استقر ظنها على موضع حيضها وعدده عملت به والا فعليها الاخذ بالاحوط في الاحكام فما غلب على ظنها انه حيضها او طهرها عملت به وان ترددت تصلى وتصوم احتياطاً على ما يأتي تفصيله ولا تدخل المسجد ولا تطوف الا للزيارة لانه ركن الحج فلا يترك الاحتمال الحيض بخلاف القدوم فانه سنة ثم تعيد طواف الزيارة بعد عشرة ايام ليقع احدهما في طهر بيقين والا للصدر فلا تتركه لوجوبه على غير المكي ولا تعيد ولا تنس المصحف ولا يجوز وطئها ابدان الان التحري في الفروج لا يجوز نص عليه محمد محيط ولا تقر القرآن في غير الصلوة وتصلى الفرض والواجب والسنن المشهورة اي الموكدة بحركتها تبعاً للقرآن وتقرأ في كل ركعة الفاتحة وسورة قصيرة على الصحيح وقيل تقتصر على المفروض بحر سوري ماعد الاولين من الفرض فلا تقر في شيء من ذلك السور قبل تقر الفاتحة فقط لوجوبها في رواية عن ابى حنيفة محيط وقيل لا تقر اصلاً والصحيح الاول تتارخانية وتقر القنوت وسائر الدعوات والاذكار

وكما ترددت بين الطهر ودخول الحيض صلت بالوضوء لوقت كل صلوة وان ترددت بين الطهر والخروج من الحيض فتصلى بالغسل كذلك اى لوقت كل صلوة ثم تعيد في وقت الثانية بعد الغسل قبل الوقتية وهكذا تصنع في وقت كل صلوة انتهى، مثاله امرأة قد كرر ان حيضها في كل شهر مرة وانقطاعه في النصف الاخير ولا تذكر غير هذين فانها في النصف الاول تتردد بين الدخول والطهر وفي النصف الاخير بين الطهر والخروج واما اذا لم تذكر شيئاً اصلاً فهي مترددة في كل زمان بين الطهر والدخول فحكمه حكم التردد بين الطهر والخروج بلا فرق وان سمعت سحبة



فوجدتها للحال سقطت عنها والا اعادتها بعد عشرة ايام وان كانت عليها فائتة  
فقضتها فعملها اعادتها بعد عشرة ايام من يوم القضاء قبل ان تزيد المدة  
على خمسة عشر وهو الصحيح واما حكم الصوم فانها لا تقطر في رمضان اصلاً  
لاحتمالها طهارتها كل يوم ثم لها حالات (ذكرها مفصلة فليراجع) وهذا حكم الاضلال  
العام اي اضلال العدد والمكان بحيث تكون في كل يوم مترددة بين الحيض والطمهر  
وما يقرب به اي ما يقرب من العام كان علمت عدد ايامها لكن اضلت مكانها  
في جميع الشهر واما الخاص وهو الاضلال في المكان فقط كان علمت عدد ايامها  
واضلت مكانها في بعض الشهر كالعشر الاول منه مثلاً والاضلال في العدد فقط  
مع العلم بالمكان فموقوف على مقدمه فذكرها مع الامثلة فليراجع ضم  
ذكر بعد الاضلال في النفاس ايضا فليطالع ص ۹۹ و ۱۰۶

قلت وهذا هو مذهب الحنفية في المضلة والعلم به والعمل عسير جداً  
لنساء زماننا فآينا الاقتاء بقول احمد فيها اولي راسيد وهو ما ذكره ابن قدامة  
في المغني بما نصه فان كانت لها ايام نسيتهما فانها تقعد ستاً وسبعاً في كل شهر  
وقوله ستاً وسبعاً الظاهر انه ردها الى اجتماعها ورأيتها فيما يغلب على ظنها  
انه اقرب الى عادتها او عادة نساءها او ما يكون اشبه بكونه حيضاً ذكره القاضي في  
بعض الامايع وهل تجلس ايام حيضها من اول كل شهر او بالتحرى الاجتهاد فيه جهات احدى طائفتين من  
كل شهر اذا كان يحتمل لان النبي صلى الله عليه وسلم قال لحمنة فتحيضي ستة ايام او سبعة ايام في علم الله  
ثم اغتسلي وصى اربعاً وعشرين ليلة او ثلاثاً وعشرين ليلة واياها فقدم حيضها  
على الطهر ثم امرها بالصلاة والصوم في بقية ولان المبتدأة تبس من اول الشهر  
مع انه لاعادة لها فكل ذلك النامية،

القسم الثالث النامية لوقتها دون عددها وهذه تنوع نوعين احدهما  
ان لا تعلم لها وقتاً... اصلاً وتعلم ان حيضها خمسة ايام فانها تجلس خمسة  
من كل شهر اما من اوله او بالتحرى على اختلاف الوجهين الخ (ص ۳۴۰ و ۳۴۱)  
وقول الشافعي موافق لقول الحنفية في الباب كما ذكره في المغني ص ۳۴۱ والله تعالى  
اعلم وعلمه اتم واحكم ۱۳ رذيقه ۳۴۱

سوال (۱۱) کسی عورت کو عموماً پانچ روز حیض رہتا ہے  
اگر اس کے بعد کبھی خون آنے لگے تو یہ پھر وہ پاک ہو کر غسل جنابت کر لیتی ہے، مگر بعض مرتبہ خلا  
خون حیض ہے یا استحاضہ۔ عادت اس پانچ روز کے بعد پھر خون حیض آنے لگتا ہے، اور  
ایک دو روز میں بند ہو جاتا ہے تو یہ خون حیض ہے یا استحاضہ، اور اس میں وظی بعد غسل  
کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب؛ پاکی کے بعد صورت مسئلہ میں پانچ روز کے بعد یعنی ابتداء حیض سے دس روز  
کے بعد جو خون آوے وہ استحاضہ ہے، استحاضہ میں نماز معاف نہیں، اسی حالت میں پڑھتی رہی  
اور ہمبستری بھی جائز ہے، احقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۲ صفر ۱۳۵۵ھ  
الجواب صحیح، ظہر احمد عفا عنہ ۱۲ صفر ۱۳۵۵ھ

## فصل فی احکام المعذور

معذور کی ایک صورت کا حکم سوال (۱) زید کو بوجہ ضعف مثانہ قطرہ آنے کا مرض ہے،  
وہ پیشاب گاہ میں کرسی رکھتا ہے، اور کرسی اس قدر اندر رہتا ہے کہ نظر بالکل نہیں  
آتا اور حشفہ سے بھی پرے رہتا ہے، ایسی صورت میں وقت کے گزرنے پر وضو جدید کرے  
یا اس وقت وضو کرے کہ جب قطرہ عضو سے نفوذ کر کے پیاری میں آ جاوے، اور چونکہ کرسی  
اندر رہتا ہے اس کا ترہونا معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس وقت ترہوا ہے،

الجواب؛ قال فی مرقی الفلاح ومن به عذر کسلس بول او استطلاق  
بطن وانقلاص رحم ورعات دائم وجرح لا یبرأ ولا یسکن جسہ بحثوں میں غیر  
مشقہ یتوضون لوقت کل صلوۃ اھ قال الطحاوی فیتعین علیہ ردہ متى قد  
علیہ بعلاج من غیر مشقہ فی المضمرات عن النصاب به سلس بول فجعل  
القطنۃ فی ذکرة ومنعہ من الخروج وهو یعلم انہ لو لم یحش ظہر البول فاخرج  
القطنۃ وعلیہا بلتۃ فهو محض ساعة اخراج القطنۃ فقط وعلیہ الفتوی اھ  
ص ۸۵، اس سے معلوم ہوا کہ کرسی احلیل میں رکھنے سے اگر قطرہ کا اثر ظاہر کرسی پر  
ظاہر نہ ہو تو یہ شخص معذور نہیں ہے، اس کو ہر وقت وضو جدید کرنا لازم نہیں، لیکن اس  
کو چاہئے کہ کرسی اتنا مبارکھے کہ اس کا ایک سر اسورخ ذکر کے متصل ہو جب ترمی اس



سرسے میں پہنچ جائے گی، اس وقت وضو ٹوٹ جائے گا ۴۲ ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ

سوال (۲)

معدور کی نماز کا حکم اور کپڑوں کے پاک کرنے کا طریقہ

..... اگر کوئی شخص اس قدر معدور ہو جائے کہ چار رکعت کی تعداد تک بھی خالی از عذر نہیں رہتا، اب دو وجہ ہیں، ایک یہ کہ سلسل البول کے عارضہ میں مبتلا ہے، اب اگر وہ شخص دو تہبند بھی رکھے تو بھی لاچار ہے، اگر اب ہر چار رکعت کے لئے تہبند علیحدہ بنائے تو بھی حرج عظیم ہے، اور جس قدر مقدار چار رکعت میں کپڑا ناپاک ہو رہا ہے وہ ہر دفعہ دھونا پڑے گا یا نہ، اسی طرح ریح والا ہر چار رکعت میں مقدار میں جو مبتلا ہو جاتا ہے وہ ہر چار رکعت کے بعد وضو کی تجدید کرے یا نہ کرے؟

الجواب؛ ایسا معدور جو چار رکعت بھی بدون عذر کے نہ پڑھ سکے اس کو ہر وقت تازہ وضو کرنا چاہئے، وقت کے اندر اندر اس وضو سے بہت سی نمازیں پڑھ سکتا ہے، گو وہ عذر جاری ہو پس ریح والا ہوا اتنا وقت بھی ریح سے خالی نہیں پاتا جس میں وضو کر کے فرض نماز پڑھ سکے معدور شرعی ہے، اس کو ہر چار رکعت کے بعد تجدید وضو کی ضرورت نہیں، ایسے ہی سلسل البول والا اور اگر وضو اور فرض نماز کی مقدار اس عذر سے خالی وقت ملتا ہو تو وہ معدور شرعی نہیں، رہا کپڑا پاک کرنے کا حکم تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کپڑے کا دھونا مفید ہوتا ہو کہ اگر کپڑا دھو کر نماز پڑھے تو نماز کے درمیان میں وہ دوبارہ ناپاک نہ ہوتا ہو تب تو اس کے ذمہ دھونا واجب ہے، اور اگر مفید نہ ہو یعنی یہ حالت ہو کہ کپڑا دھو کر نماز پڑھنے سے درمیان نماز کے وہ پھر ناپاک ہو جاتا ہو تو دھونا واجب نہیں، قال فی حاشیۃ مراقی الفلاح فی النوازل ان کان لو غسلہ تنجس ثانیاً قبل الفراغ من الصلوۃ جازان لا یغسلہ والا فلا قال هو المختار (ص ۸۶) مگر جب نجاست بہت زیادہ جمع ہو جایا کر دو دن میں ایک بار دوبارہ دھولیا جائے، ۲۳ شعبان ۱۲۸۴ھ

معدور کی وضو کی ایک صورت کا حکم، سوال (۳) مجھ کو پیشاب کے بعد دیر تک قطرہ یا نمی آجانے کا شک رہا کرتا ہے، مثلاً پیشاب کے آدھ گھنٹہ پیچھے وضو کرنے بیٹھا پس دوران وضو میں خیال ہوا کہ پیشاب کے مقام پر نمی آگئی، یا آیا چاہتی ہے، اس کا امتحان کرنے کے لئے کہ آیا درحقیقت نمی آگئی یا نہیں، ڈھیلے سے دیکھا، پس بعض اوقات ڈھیلے

میں نمی یعنی بھیگاپن معلوم ہوا اور بعض اوقات نہیں، اس نمی آجانے کے اندیشہ سے تقریباً نماز سے ڈیڑھ یا دو گھنٹے پہلے خواہ پیشاب لگے یا نہ لگے، پیشاب کر لیا کرتا ہوں تاکہ نماز اطمینان کے ساتھ ہو، اور اگر کسی وقت ڈیڑھ یا دو گھنٹے پہلے پیشاب کرنے کا اتفاق نہ ہوا تو پھر پیشاب لگنے پر بھی نماز سے فانی ہونے تک روکنا پڑتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ اس قطرہ کی وجہ سے طبیعت میں الجھن سی رہتی ہے، پس ارشاد فرمائی کہ آیا یہ ضرور ہے کہ قطرہ کا گمان ہونے کی حالت میں ہمیشہ وضو کر کر لینا چاہئے، یا گمان ہونے پر ہر وقت دیکھ..... لینا چاہئے، یا قطرہ آجانے کی جانب بالکل دھیان ہی نہ کرنا چاہئے، غرض جو حکم شرعی ہو یا شرعاً کوئی آسان شکل ہو اس سے خاکسار کو آگاہ فرمائی، اور یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ بندہ کو دو گھنٹہ یا سوا دو گھنٹہ پیچھے پیشاب کی حاجت ہوا کرتی ہے، پس اگر کسی وقت بھول گیا اور جماعت میں گھنٹہ یا پون گھنٹہ باقی ہوا تو بڑی مشکل و تکلیف پیش آتی ہے، فقط والسلام

الجواب؛ قال فی مراقی الفلاح یلزم الرجل الاستبراء والمراد طلب براءة المخرج عن اثر الرشح حتی یزول اثر البول بنزول البول الذی یظهر علی الحجر بوضعه علی المخرج وحينئذ یطمئن قلبه علو حسب عادته لما بالمشی اوالتنحج او الاضطجاع علی شقه الایسار وغیرہ بنقل اقدام و رکض وعصر ذکرہ برفق لاختلاف عادات الناس فلا یقید بشئ ام فی حاشیۃ اللطفاۃ عن المضمرات ومتی وقع فی قلبه انه صار طاهر اجازله ان یستنجی (و یوضئ) لان کل احد اعلم بحالہ (ص ۲۶) وقال فی الدرستحب للرجل ان رابہ الشیطان ان یحتشی ویجب ان کان لا ینقطع الایہ قد رما یضلی (ص ۱۵۵) وقال الشامی فی باب الاستنجاء وجدناہ نافعاً جداً لقطع التقاطر،

صورت مسئلہ میں حکم یہ ہے کہ وضو کرنے سے پہلے اگر استبراء کیا ہو تو دفع تقاطر کی جو تدبیر تحریر میں نافع ہوتی ہو خواہ چلنا پھرنا یا لیٹنا وغیرہ ان تدابیر سے دفع تقاطر کا اطمینان کیا جائے، اور جب اطمینان ہو جائے کہ اب قطرہ آنا بند ہو گیا، اس کے بعد وضو کیا جائے اس کے بعد اگر پھر شبہ قطرہ آنے کا ہو تو ہاتھ ڈال کر دیکھ لیا جائے، اگر انگلی پر نمی معلوم ہو تو وضو دوبارہ کر لیا جائے ورنہ نہیں، اگر کسی وقت نماز کے قریب استنجہ کی ضرورت



ہو، اور پیشاب کے روکنے میں ضرر طبی کا اندیشہ ہو تو پیشاب کو روکنا نہ چاہئے، بلکہ پیشاب کر کے رفع قطرہ کی تدبیر کی جائے، اور کچھ دیر ٹہلنے چلنے پھرنے کے بعد وضو کر لیا جائے پھر نماز شروع کر دیں، اس کے بعد اگر قطرہ کا شبہ ہو تو ہاتھ سے دیکھ لیا جائے، اگر معلوم ہو کہ نمی آئی ہے تو وضو دوبارہ کیا جائے ورنہ نماز پڑھتا رہے، جس کو قطرہ کا دوسوہ زیادہ آتا ہو اس کے لئے یہ تدبیر مفید ہے کہ عضو خاص کے اندر کسی قدر روئی رکھ لیا کرے، اس سے قطرہ بند ہو جاتا ہے، اور روئی کو سوراخ سے ملا ہوا نہ رکھے، بلکہ ذرا سوراخ سے نیچے کو یعنی اندر کو رکھے، اس صورت میں روئی کے تر ہونے سے وضو باطل نہ ہوگا، جب تک سوراخ کے منہ پر تری نہ آجائے، اور اگر روئی سوراخ کے متصل ہوگی تو باہر کا حصہ تر ہو جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا، کما ذکرہ فی الدرر (۱۵۴ ج ۱) ۱۸ صفر ۱۲۳۴ھ

حکم نماز برائے مریض کہ معذور سوال (۴) میں ایک ہفتہ سے بخار اور کھانسی، نزلہ زکام میں مبتلا ہوں، میرا چھوٹا بچہ صرف پانچ مہینہ کا ہے جو ہر روز رات کے وقت پیشاب سے میرا جسم ناپاک کر دیتا ہے، باوجود حفاظت کے بھی اس کی نجاست بچنا غیر ممکن ہے، بیماری سے قبل میں ہر روز جسم کے ناپاک حصہ کو گرم پانی سے پاک کر لیا کرتی تھی، اور کپڑے بدل کر نماز پڑھ لیا کرتی تھی، لیکن جس دن سے میں بیمار ہوئی ہوں بدن کو پاک کرنے سے مجبور ہوں، ایک دور و زالی حالت میں بھی پاک کیا تو بیماری نے طول پکڑ لیا، چھوٹا بچہ بھی بیمار ہو گیا، اب میں جناب کی خدمت میں عرض کرتی ہوں کہ ایسی حالت میں تیمم جائز ہے یا نہیں، اور اگر تیمم کیا جائے تو کس طرح، آیا مٹی پر ہاتھ مار کر جسم کے ناپاک حصہ کو مل لینا کافی ہے یا صرف غسل وضو کا تیمم کر دینا، اس شش دہچ میں میری کئی روز سے نمازیں قضا ہو رہی ہیں، جس سے میری طبیعت سخت پریشان ہے، ایک ایک وقت کی نماز چھوٹنے سے دل بے قرار ہے، باقی کیا عرض کروں؟

الجواب: ایسی حالت میں نماز ہرگز قضا نہ کریں، بلکہ ناپاکی سے بچنے کی پوری تدبیر کریں، بچہ کے رات کو لنگر باندھ دیا کریں، اس سے ناپاکی ماں کے اوپر نہ آئے گی، اور اس کے بعد بھی تھوڑی بہت ناپاکی لگے تو اگر گرم پانی سے پاک کرنا مضر نہ ہو تو گرم پانی سے دھوئیں، اور یہ بھی مضر ہو تو اسی طرح نماز پڑھ لیں نماز درست ہو جائے گی، اور کپڑوں کا یہ انتظام کیا جائے کہ نماز کے واسطے ایک پاک جوڑا الگ رکھ لیں جو صرف نماز کے وقت

پہن لیا، پھر اتار دیا، اور یہ ممکن نہ ہو تو کپڑوں کی ناپاکی کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیا کرے، جب کہ دھونا اور بھیگا کپڑا بدن پر رہنا مضر ہو، قال فی شرح المنیۃ ان الرجل روئی حکمہ المرأۃ اذا کان علی جسمہ نجاسة وهو مسافر قید بہ باعتبار الغالب والا فلا فرق بین المسافر وغیرہ ولیس معہ ماء او مائع مزیل او کان معہ وهو یخاف العطش روئی حکمہ از دیاد المرض حالاً او مائعاً علی نفسه او علی من تلزمہ مؤنتہ فانہ لا یلزمہ ازالة ملک النجاسة ویجوز له ان یصلی بہا (۱۹۵) واللہ اعلم، ۳ شعبان ۱۲۳۵ھ

حکم استنجاء و وضو مریض عرش سوال (۵) .....  
جو وضو اور استنجاء پر قادر نہ ہو، میرے بدن میں عرش ہے، جس کی وجہ سے چھوٹا بچہ استنجاء بھی پوری طرح نہیں ہو سکتا ہے، اور وضو بھی باوجود کوشش کے پوری طرح نہیں ہو سکتی، کہیں سے خشک بھی رہ جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں اس شخص کو چاہئے کہ ڈھیلے سے استنجاء کر لیا کرے عرش پانی کا لوٹا اٹھانے سے تو مانع ہوگا، مگر ڈھیلے کے اٹھانے سے مانع نہ ہوگا، پس ڈھیلوں سے استنجاء کر لیا کرے، اور وضو اور غسل کی جگہ تیمم کر لیا کرے بشرطیکہ سائل صاحب اولاد و صاحب زوجہ نہ ہو، اور خدمت کے لئے نوکر رکھنے پر بھی قادر نہ ہو، یا صاحب اولاد و زوجہ ہو اور وہ اس کو وضو اور استنجاء کرانے پر راضی نہ ہو اور اگر بیوی اس پر راضی ہو کہ وضو اور استنجاء کرے تو پھر اس کو تیمم جائز نہیں، اور بعض صورتوں میں صرف ڈھیلے سے استنجاء بھی جائز نہیں یعنی جبکہ نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کر جائے اور بیوی استنجاء کرانے پر راضی ہو،

قال فی الدرر باب التیمم او لمرض یستد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم ولو یتحرج اولم یجد من یؤمنہ فان وجد ولو باجر مثل ولہ ذلک فی ظاہر المذہب لای تیمم کافی البحر اھ قال الشامی حاصل ما فیہ انہ لو وجد خادماً ای من تلزمہ طاعته (فی مثل ذلک) کعبدہ و ولدہ و اجیرہ لای تیمم اتفاقاً وان وجد غیرہ ممن لو استعان بہ اعانہ ولو زوجہ فظاہر المذہب انہ لای تیمم ایضاً بخلاف وقیل علی قولہ



تیسیم و علی قولہا لا کالخلاف فی مریض لا یقدر علی الاستقبال او التحول  
من الفراش النجس و وجد من یوجہہ اویحولہ الخ (ص ۲۴۰ ج ۱)  
تنبیہ: استنجائیں پوی کے سوا کسی اور بدولینا جائز نہیں، ہاں وضو و غسل میں  
اولاد اور نوکر سب سے بدولینا جائز بلکہ ایسے معذور پر واجب ہے، لیکن غسل میں پردہ کا اہتمام  
نگل وغیرہ سے لازم و ضروری ہے، واللہ اعلم، ۲۵ ربيع الاول ۱۲۸۵ھ

## فصل فی احکام المیاء

کنویں میں میٹگنی گرجانے کا حکم [سوال (۱) مسجد کے کنویں کی حفاظت ممکن ہے، بکری کی اس  
میں سے ایک میٹگنی قدرے شگفت ہوئی نکلی ہے، میٹگنی کے گرنے کی خبر نہیں معلوم ہے،  
مولانا صاحب اس کنویں کا پانی پاک ہے یا نجس ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟  
الجواب: ظاہر روایت کے موافق اگر میٹگنی ٹوٹی ہوئی کنویں سے نکلے یا گرجائے تو  
کنواں ناپاک ہو جاتا ہے، سارا پانی نکالنا چاہیے، مگر صحیح مذہب یہ ہے کہ تھوڑی سی میٹگنی  
گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا خواہ سالم ہوں یا شکستہ، البتہ زیادہ ہوں تو کنواں ناپاک  
ہے، اور زیادہ کی حد یہ ہے کہ اکثر ڈولوں میں ایک یا دو میٹگنی ضرور آتی ہوں، اور یہ حکم  
سب کنوؤں کے لئے عام ہے، خواہ بستی کے ہوں یا جنگل کے، حفاظت ممکن ہو یا نہ ہو، قال  
فی مراقی الفلاح ولا تنجس البیر بالبرص والروث والخثی ولا فرق بین آبار الامضاء  
والغوات فی الصحیح ولا فرق بین الرطب والیابس والصحیح والمنکسر فی ظاہر  
الروایۃ لشمول الضرورة فلا تنجس الا ان یکون کثیرا و هو ما یستکثرہ الناظر  
والقلیل ما یستقلہ وعلیہ الاعتماد وان لا یخلو دلو عن بصرک ونحوہا کما صحیحہ  
فی المیسواہ قال الطحاوی قولہ فی ظاہر الروایۃ الاولی ان یعول فی الصحیح  
فان ظاہر الروایۃ کما ذکرہ السرخسی ان الروث والمتفتت من البصر مفسد  
مطلقا ص ۲۲، اس جواب سے آپ کے تمام سوالات کا جواب ہو گیا، جو اس کے متعلق  
تھے، اور بہشتی زیور میں استیعاب مسائل کا قصہ نہیں کیا گیا، ضروری باتیں نکھدی ہیں،  
ایک بڑے حوض سے ایک چھوٹا حوض نکالا جائے [سوال (۲) .....  
تو کیا چھوٹے حوض سے وضو کرنا جائز ہے؟ ..... قصبہ گودھرے میں

گنج شہداء کی مسجد میں حوض کبیر سے ایک حوض کصغر بطور شاخ نکالا ہے، صغیر کا پانی کبیر سے  
متصل ہے، تو اس صغیر میں کوئی شخص وضو کرے تو اس کا وضو درست ہوگا، بینوا تو حردا،  
الجواب فیہ الصواب: صورت مسئلہ میں اس صغیر حوض میں وضو جائز نہیں ہے  
صغیر حوض میں جو شخص وضو کرے نماز پڑھے گا نادرست ہوگی، کما فی فتاویٰ خازمۃ الروایا  
لمولانا القاضی حکیم مولانا الی الخانیۃ ورق، غیر مطبوع حوض کبیر یشعب منہ حوض  
صغیر فتوا انسان فی الحوض الصغیر لا یجوز وان کان ماء الحوض الصغیر متصلا  
ماء الحوض الکبیر وھکذا فی مجموع الفتاویٰ للشیخ الاجل طاہر ابن عبد الرشید  
البخاری صفحہ ۵ النہر الذی ہو متصل بالحوض فکان ابتداء الحوض یدخل  
ماء النہر فتوضا انسان فیہ ان کان النہر قد رد راعین ونصف لا یجوز ولا یجعل  
تبعاً للحوض ان کان اقل یجوز یجعل تبعاً للحوض قبل لا یجوز ولا یجعل تبعاً للحوض ان کان قد دطع  
کلام اس میں ہے کہ شاخ منقسمہ میں وضو جائز ہے یا نہیں، عنایت فرما کر اگر ممکن ہو  
تو کوئی عبارت تائید عبارت میں بڑھادیں، تاکہ کامل تائید ہو جائے گی،

الجواب من جامع امداد الاحکام: فاضل مجیب جو عبارت نقل فرمائی ہیں  
ان کا مطلب یہ ہے کہ دو حوض علیحدہ علیحدہ ہوں، اور حوض کبیر سے بواسطہ کسی منفذ یا نالی  
کے حوض صغیر میں پانی بھرا گیا ہو تو اس صورت میں حوض صغیر سے وضو جائز نہیں اور قرینہ  
اس مراد کا لفظ "یشعب" عبارت اولیٰ میں اور لفظ "النہر الذی ہو متصل بالحوض" الخ عبارت  
ثانیہ میں ہے کہ اس جگہ نہر سے مراد وہ نالی ہے جس سے حوض کو بھرا جاتا ہے، اور صورت مسئلہ  
میں انشعاب حوض صغیر من الکبیر نہیں ہے بلکہ حقیقت میں وہ ایک ہی حوض ہے، جس کا ایک  
حصہ عرضاً و طولاً عشر فی عشر ہے، اور ایک حصہ عرض میں کم اور طول میں حصہ علیحدہ کے ساتھ  
مل کر عشر فی عشر ہے، پس صورت مسئلہ میں اس حوض کے ہر جانب میں وضو درست ہے،  
اور وقوع نجاست سے کوئی حصہ ناپاک نہ ہوگا، قال فی الدرر دلولہ طول لا عرض  
ولکنہ یبلغ عشر فی عشر کان یکون طولہ خمیسین ذراعاً وعرضہ ذراعین مثلاً  
شامی، جاز تیسیراً قال فی رد المحتار ای جاز الوضو منہ بناء علی نجاسة الماء  
المستعمل او المراد جاز وان وقعت فیہ نجاسة وھذا احد قولین وھو  
المختار کما فی الدرر عن عیون المذہب والظہیریۃ وصحیحہ فی محیط الاختیار



وغیرہا واختار فی الفتح القول الآخر وصححه تلمیذہ الشیخ قاسم لان مدار اکثرہ علی عدم خلوص النجاسة الی جانب الآخر ولا شک فی غلبہ الخلو من جهة العرض ومثله لو کان له عمق بلا سعة ای بلا عرض ولا طول لان الاستعمال من السطح لا من العمق واجاب فی البحر بان هذا وان کان الاوجه الا انهم وسعوا الامر علی الناس وقالوا بالضم كما اشار الیه فی التجنیس بقوله تیسیر اعلیٰ المسلمین ام وعلیه بعضہم بان اعتبار الطول لا یغیر اعتبار العرض ینجسه فیبقی طاهر اعلیٰ الاصل للثبوت فی تنجیسه ام ص ۱۹۹، والله اعلم،

۱۶ سوال

گوبر لگا ہوا کپڑا اگر کنویں میں (۳) سوال اگر مکعب یعنی اینڈ وا جو کہ عورت کے سر کے گر جائے تو کیا حکم ہے، اوپر رکھ کر گوبر وغیرہ کا ٹوکرا وغیرہ اٹھاتی ہیں اور اس پر گند وغیرہ لگا ہوتا ہے وہ کنویں میں گر جائے تو کس قدر پانی نکالنا چاہیے؟

الجواب: قال فی الخلاصة والسرقة اذ وقع فی البیر تنجس الماء كله قليلاً كان او كثيراً وعن ابی یوسف لا ابالی بالتبنة والتبنتين بلطخة بالشربة اذ وقع فی البیر ام ص ۱۰ قلت والوجه لما يتعد الاحتراز عن وقوع التبن واما الثوب المتلطخ به فما لا احتراز عنه غیر متعد وروقه نادر فالظاهر نجاسة البیر بوقوعه، جس کپڑے میں گوبر لگا ہوا ہو اس کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جائے گا، سارا پانی نکالنا چاہیے، والله اعلم، ۱۸ سوال

کنویں کو پاک کرنے کی (۴) سوال ایک کنویں میں کبوتر گر کر مر گیا اور سڑ کر ریزہ ریزہ ایک صورت کا حکم ہو کر نکلا اور کنواں پاک اس طرح سے کیا کہ نہر کا پانی کنویں کے اندر موری کر کے تین مرتبہ اس کنویں کو نہر کے پانی سے بھر دیا اور وہ نہر اور کنواں پانی بھر کر ایک کر دیا، اور جو کہ کنویں کے اندر موری کی تھی وہ کنویں کے اوپر کے سرے سے چار ہاتھ نیچے تھی، آیا اس طرح سے یہ کنواں پاک ہوایا نہیں؟

الجواب: کنواں اس طرح پاک نہیں ہوا کیونکہ موری کے نیچے جو پانی باقی تھا وہ جاری نہیں ہوا اور ناپاک دراصل وہی تھا اسی کے نکلنے کی ضرورت تھی، لہذا پانی ڈول سے نکال کر پھر سارا پانی کنواں پاک کیا جاوے، ۱۹ رمضان

کنویں میں مرغی کا بچہ گر کر زندہ (۵) سوال سوال ایک کنویں میں مرغی کا بچہ گر گیا اور زندہ نکالا گیا تو کنواں پاک ہی یا ناپاک

نکالا یا گیا، مرغیاں اکثر غلیظ اور گوہ کھاتی رہتی ہیں، گندمی نالیوں میں اکثر گھومتی رہتی ہیں جس سے ان کے پاؤں اور چونچ نجس رہا کرتے ہیں، لیکن مرغی کا بچہ جب کنویں میں گرے تو کسی شخص نے گرتے وقت یا نکلنے کے وقت مجرد اس بات کا خیال نہیں کیا کہ آیا اس کے جسم پر کوئی نجاست ظاہری تو نہیں ہے، الغرض کسی شخص کو نہ تو اس کے نجس ہونے کا علم ہے اور نہ پاک ہونے کا، اس صورت میں چند امور دریافت طلب ہیں، (۱) آیا کنویں کا پانی نجس ہوا یا نہیں (۲) آیا اس کنویں سے بلا صاف کئے ہوئے وضو اور غسل جائز ہے یا نہیں (۳) اگر کنواں نجس ہو گیا تو کتنا پانی نکالنا واجب ہے، (۴) اگر نجس نہیں ہوا تو استحباباً کچھ پانی نکالا جائے گا یا نہیں، اگر نکالا جائے گا تو کتنا؟ بینوا تو جسروا

الجواب: کنواں اس صورت میں پاک ہی، وہم کرنے کی ضرورت نہیں جب اس کے جسم وغیرہ پر کوئی ظاہری نجاست ہونے کا یقین نہیں، نہ کسی نے دیکھا تو کنواں پاک ہی ہے، قال فی مراقی الفلاح ولا ینجس الماء بوقوع آدمی والبقرة وما یؤکل لحمہ کالابل والبقرة والغنم اذ اخرج حیاً ولم یکن علی بدنہ نجاسة متیقنة ولا ینظر الی ظاہر اشتمال اخذها علی اولیٰ لها ام، قال الطحطاوی لاحتمال طهارتها بوردہا ماء کثیر قبل ذلك فہذا مع الاصل وهو الطہارۃ تظاہر اعلیٰ عدم التزح کذا فی الفتح ام ص ۲۳ قلت وبهذا ظہر حکم الاشیاء المصنوعة بایدی الکفار کالعلوی وغیرہا فلا یحکم بتنجسها بمجرد اشتمالہم علی النجاسات لاحتمال ورودہم علی ماء کثیر قبل ذلك ونحوہ فافہم، ۲ جمادی الاولیٰ

سوال (۶) ما قولکم ایہا العلماء الکرام والفصلاء ہل الماء الوضوء حرمة فی الشرع (۶) ما قولکم ایہا العلماء الکرام والفصلاء العظام فی الماء المستعمل بالوضوء والغسل آله العزرة والکرامة وأیجوز اجراء ذلك الماء علی المقامات النجسة والبول والغائط وغیرہا قصد الطہارۃ تلك المقامات وأیجوز ان یبول فی ذلك الماء، وما قولکم فہم



یرتکب ذلک الفعل عند اویصر علیہ آلہ حکم الفاسق ام لا، بینوا بالسند  
توجروا بالخلد،

الجواب: قال فی الدرر من منہیاتہ التوضی بفضل ماء المرأة فی موضع  
نجس لان ملوا الموضوع حرمۃ الخرص ۱۳۸ ص الشامی اس سے معلوم ہوا کہ ماہ  
مستعمل وضو کی حرمت شریعت میں ہے اس لئے مقام نجس میں وضو کرنا مکروہ ہے، لیکن اس پر  
کوئی دلیل نہیں ملی کہ محل نجس میں کراہت توضی سے مراد کراہت تحریمیہ ہے، بظاہر کراہت  
تحریمیہ ہے، اور وہ بھی حنفیہ کے قول ثالث پر کہ ماہ مستعمل طاہر غیر طہور ہے، اور یہی صحیح اور  
مفتی بہ ہے، اور روایت نجاست مستعمل پر خواہ غلیظہ ہو یا خفیفہ ماہ مستعمل کی کچھ حرمت  
نہ ہوگی، لان النجس لا حرمة له بل یحرز عنه ویؤتی، پس اس مسئلہ میں نزاع اور غلو نہ کرنا چاہئے  
کیونکہ حنفیہ کے اقوال طہارت و نجاست مستعمل میں مختلف ہیں، پس حرمت بھی اس کی مختلف  
ہے، واللہ اعلم، یکم رجب ۱۳۸۵ھ

حکم آب تالاب سوال (۷) ایک تالاب ہمارے یہاں ایسا ہے کہ جب وہ خشک ہو جائے  
تو لوگ اس میں پیشاب پاخانہ اور بھی دوسری نجاست ڈالتے ہیں اور بارش آتی ہے تو پہلے  
محلوں سے سیلوں کا پیشاب و گوبر وغیرہ نجاست پانی کے ساتھ اس زمین میں جہاں پہلے بہت  
نجاست پڑی تھی جمع ہوتا ہے، اور پھر زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے کھیتوں کا پانی بہت  
کثرت سے آتا ہے، اور تالاب میں جمع ہوتا ہے، اور تالاب میں قریب بیس بیگہ زمین میں  
پھیلتا ہے، اور کہیں ایک آدمی اور کہیں نصف آدمی کے قد کے پانی ہوتا ہے تو وہ پانی پاک ہے  
یا ناپاک، اور دھوبی اس سے کپڑے دھوتے ہیں تو اس کو پھر دھونا چاہئے، یا نہیں؟  
تنقیح: اس کا پانی کہیں نکلتا بھی ہے یا نہیں اور جمع ہونے کے وقت کیا ہر طرف  
نجس پانی آتا ہے یا کسی طرف سے طاہر بھی اور غالب کونسا ہوتا ہے؟

جواب تنقیح: متعلق مسئلہ تالاب پانی نکلنے کی دو صورتیں ہیں، تھوڑا پانی یعنی  
نصف تالاب یا پونہ تالاب بھر جاتا ہے تو نکلنے سے نکلتا ہے، اور جب پورا بھر جاتا ہے تو  
خود بخود نکل جاتا ہے، اور جمع ہوتے وقت ہر طرف سے نجس نہیں آتا بلکہ پاک بھی آتا ہے،  
اور غالب پاک ہی ہوتا ہے، اور کثرت سے پاک ہی جمع ہوتا ہے،

الجواب: اگر وہ درودہ کی مقدار میں پاک پانی کسی جگہ جمع ہو کر اس تالاب میں آجائے

تو پاک ہو جائے گا، اور اگر اتنا پانی پاک اس میں اس طرح نہیں آیا تو جس وقت اس کا پانی  
پورا بھر کر بنے لگے گا تو پاک ہو جائے گا، فی العالمگیریہ ص ۱۱ ج ۱، وفی الفتاویٰ غدیر کبیر  
لا ینکون فیہ الماء فی الصيف، وتقرؤث فیہ الدواب والناس ثم یملا فی الشتاء  
وب یقع منہ الجمد ان کان الماء الذی یدخلہ یدخل علی مکان نجس فالماء  
والجمد نجس وان کثر بعد ذلک وان کان فی مکان طاهر واستقر فیہ حتی صار  
عشر فی عشر ثم انتھی الی النجاسة فالماء والجمد طاهر ان کذا فی الفتح القدیر  
وفیہ ایضاً حوض صغیر یتنجس ماء ذلک الماء الطاهر فیہ من جانب سالی  
ماء الحوض من جانب الآخر کان الفقہ ابو جعفر یقول کما سالی ماء الحوض من  
الجانب الاخر یتنجس بطہارۃ الحوض وهو اختیار الصدوق والشہید کذا فی المحیط  
کتبہ الاحقر عبد الکریم گنتولی عفی عنہ، الجواب صحیح ظہر احد عفا عنہ ۱۹ رذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

سوال (۸) اکثر کنویں دیکھے جاتے ہیں کہ غام طور پر لوگ  
کنویں میں جب تک ناپاکی کا گڑنا متفق نہ ہوئے پاک سمجھا جائے گا،  
ان میں احتیاط نہیں کرتے گلیوں میں برہنہ پاؤں پھرتے  
ہیں بے نازمی ہوتے ہیں، بلکہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ مسلمان ہیں یا نہیں، گلیوں میں نجاست  
بھی ہوتی ہے، غالب ظن ہے کہ وہ پاؤں کے ساتھ نجاست لگنے سے پرہیز نہیں کرتے، ایسے  
لوگ کنوؤں پر آتے ہیں پانی نکالتے ہیں، پانی کنویں کے کنارہ پر گرتا ہے، پیران لوگوں کے اس پانی  
سے بھیگ جاتے ہیں، بلکہ بعض لوگ پاؤں کو دیں دھو بھی لیتے ہیں، بعض مواضع میں لوگ جوتوں  
کے ساتھ ہی کنویں پر چڑھ جاتے ہیں اور پانی جوتوں کے ساتھ لگتا ہے، اس پانی سے رسی بھی  
بھیگ جاتی ہے، اور ڈول یا بوکا بھی اس جگہ پڑتا ہے، وہ پانی کنویں میں گرتا ہے، رسی سے  
بھی ٹپک کر کنویں میں گرتا ہے، اور وہ ڈول یا بوکا جن کو پانی مذکور لگ گیا تھا وہ بھی کنویں  
میں ڈالے جاتے ہیں، عوام تو اس پانی کو بیدھڑک استعمال وضو وغیرہ کے واسطے کرتے ہیں،  
احقر کو ہمیشہ ایسے پانی کے .... استعمال میں کھٹکارہتا ہے، مگر استعمال کر لیتا ہے، اس خوف  
سے کہ الذین یرزکون انفسہم کما میں مصداق نہ بن جاؤں، کیا ایسے پانی کو وضو وغیرہ کے لئے  
بے کھٹکے استعمال کر لیا جائے، یا کہ اور پانی کے ساتھ لایا جائے، بعض موقع پر ایسا بھی ہو جاتا  
ہے کہ پانی سے پیشاب کی بو آتی ہے، یا مزہ پیشاب کا ہوتا ہے یا دونوں ہوتے ہیں، اور لوگ بے  
کھٹک اس پانی کو وضو وغیرہ کے لئے استعمال میں لاتے ہیں تو کیا ایسے موقع پر تمیم کرنا چاہئے



یا کہ اسی پانی سے وضو کر لیا جاوے، امام محمد صاحب کے قول پر اگر تیمم کا حکم ہو تو امام نے اس پانی سے وضو کر لیا، لاپرواہی سے اس امام کے پیچھے نماز پڑھ لینا چاہئے یا تہنہ پڑھے، اور بندر کا جھوٹا نجس ہے یا مکروہ؟ بینوا توجسروا عند ربکم،

الجواب؛ یقین لایزدل بالشک کے قاعدہ سے اس پانی کو پاک کہا جاوے گا، جب تک اس میں ناپاکی کا گرنا متیقن نہ ہو جاوے، اور رنگ وغیرہ میں تغیر بھی نجاست کی دلیل نہیں، طول مکث وغیرہ سے بھی تغیر ہو جاتا ہے، اور بندر کا جھوٹا نجس ہے، فقط

الجواب صحیحہ ظفر احمد عفا ۱۲ رمضان ۱۲۸۳ھ، حررہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ۱۲ رمضان ۱۲۸۳ھ

سوال (۹) ایک منکا مسجد کا جو زمین میں دبا ہوا ہے، اس میں کنویں کا ناپاک پانی ڈلا گیا، بعد ازاں کنواں پاک کیا گیا تو کیا منکے کا پاک کرنا اور کوزیوں کا اور بوریہ اور مسجد اور ستھر (جو ایک قسم کا گھاس کاٹ کر مسجد میں ایام سرما میں بچھایا جاتا ہے) کا پاک کرنا بھی ضروری ہے یا نہیں، کیونکہ اکثر قبل از علم وقوع نجاست جو وضو ناپاک پانی سے کیا گیا تو پاؤں کی تری بوریے اور ستھر مسجد کو لگ ہی جاتی ہے، تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس منکے کو کس طرح پاک کریں گے، اور تین دفعہ پانی سے اس کو کس طرح دھو سکیں گے، اور منکے کو اکھاڑنا مشکل ہے، کیونکہ وہ پختہ اینٹوں سے مضبوط پکا بنایا گیا ہے، اور نیچے اس کے ٹونٹی بھی نہیں ہے، جس سے پانی بہا دیا جاوے، فقط دستیوں سے پانی نکالا جاتا ہے، اسی طرح بوریہ اور ستھر اور کوزیوں کا حکم ارشاد فرمایا جاوے،

ایک کنواں چند دن سے صاف کیا گیا، بعدہ اغلباً ایک دو ماہ کے بعد اس سے اچانک بُو آنے لگی، کوئی جانور یا نجاست نظر نہیں آتی، چنانچہ پھر صاف کیا گیا، تو بھی کوئی شے ناپاک کنویں سے برآمد نہیں ہوئی، لیکن بعد صاف کرنے کے اب بُو کوئی نہیں ہے، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طرح پھر اگر بُو آنے لگے تو کیا وہ پانی ناپاک تصور کر کے سب نکالنا پڑے گا یا نہیں، بینوا وجروا

الجواب؛ کنویں کی رسی اور ڈول اور گھٹری وغیرہ تو کنواں پاک ہونے سے تبعاً پاک ہو جاتا ہے، کما فی نور الایضاح (ص ۲۳) وعللہ بوجہ نہا نجستہ تبعاً للبر، لیکن فرش مسجد اور لوٹے وغیرہ بدن پاک کئے پاک نہ ہوں گے، پس اگر ناپاک پانی فرش مسجد اور لوٹوں کو

اور گھاس کو جو مسجد میں پڑا ہے لگا ہو تو ان سب کو پاک کرنا ضروری ہے، اور گھاس کو ادبراد پر سے کچھ اتار کر پھینک دیا جائے، یا اتار کر دھو کر کھلا کر بچھایا جائے، اور جو منکا پختہ گڑا ہوا ہے اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں تین دفعہ پانی بہت مقدار میں ڈال کر سب جوانب سے دھو کر نکال دیا جائے، اور ہر دفعہ میں اچھی طرح پانی نکال دیا جائے، تیسری دفعہ میں منکا پاک ہو جائے گا، ۴ رذی الحجہ ۱۲۸۵ھ

کنویں میں جھوٹی یا بڑی چھپکلی کرنے کا حکم سوال (۱۰) ..... چھپکلی کنویں کے کنویں میں گر کر مرجانے سے کنواں ناپاک ہوتا ہے، یا

نہیں، صام ابرص کے گر کر مرجانے سے فقہاء نے جو کنویں میں سے میں سے تیس ڈول تک نکالنے کے لئے لکھا ہے، اس سے کیا مراد ہے، لغت کی کتاب سراج وغیرہ میں تو صام ابرص کا ترجمہ چھپکلی دیکھی لکھا ہے کہ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چھپکلی مذکور کے مرجانے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے، اور کفایہ شرح ہدایہ میں صام ابرص کے معنی گرگٹ کے ہیں اور چھپکلی کے نہیں ہیں، علاوہ اس کے فقہاء یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ جن جانوروں میں دم سائل نہیں ہے اُن کے مرجانے اور پھٹنے پھولنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا، تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ چھپکلی مذکور میں دم سائل نہیں ہے، اب اس میں تطبیق کس طرح پر ہوگی اور چھپکلی مذکور کو کس حکم میں داخل ہوگی، ایک مولوی صاحب نے یہ جواب تحریر فرمایا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

الجواب هو الموفق للصواب؛ صحیح یہ ہے کہ چھپکلی کے مرنے سے چاہ ناپاک نہیں ہوتا احتیاطاً بیس تیس ڈول نکال دیئے جاویں تو اچھا ہے، اصل یہ ہے کہ جن جانور میں خون نہیں ہے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، اسبستہ بڑا گرگٹ جس کو ذرغہ کبیرہ کہتے ہیں اور اس میں خون ہوتا ہے اس کے مرنے سے چاہ ناپاک ہوتا ہے، اس میں پھر وہ تفصیل ہے جو چوہے وغیرہ میں ہے، یعنی اگر گر کر مرجائے پھولے پھٹے نہیں تو بیس یا تیس ڈول، ورنہ کل پانی نکالنا چاہئے (ہدایہ ص ۲۶ س ۱۴) مسئلہ قویہ ہے اور اس کو یاد رکھنا چاہئے، باقی لغت وغیرہ کی کتابوں کو دیکھ کر شبہ نہ کرنا چاہئے، شرح منیہ میں ہے ولذا الذرعة اذا كانت کبيرة (غ)، پس جس کتاب میں صام ابرص کے مرنے سے پانی کا ناپاک ہونا لکھا ہو اس سے مراد ذرغہ کبیرہ یعنی گرگٹ ہی لینا چاہئے،

دوسرے مولوی صاحب یہ فرماتے ہیں جو درج ذیل ہے:-



الجواب؛ صورت مسئلہ میں میں سے تیس ڈول تک پانی نکالا جائے گا، اس لئے کہ وزغہ چھپکلی کو بھی کہتے ہیں، جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے (دسواکن البیوت) (ممالہ دم سائل)، کالفارۃ والھیۃ والوزغۃ، جب وزغہ کو سواکن البیوت میں لکھا ہے ظاہر ہے کہ سواکن البیوت میں چھپکلی ہے نہ کہ گرگٹ، جس پر لغت بھی شاہد ہے، اور عبارت مذکورہ سے چھپکلی میں دم سائل ہونا بھی مصرح ہے، اور حضرت مولانا احمد رضا خان صاحبؒ نے لکھانے اپنا مشاہدہ لکھا ہے کہ چھپکلی میں دم سائل ہوتا ہے، واللہ اعلم بالصواب،

چونکہ مولوی صاحبان نے ذوقاگانہ قول تحریر فرماتے ہیں، بعدہ بہشتی زیور و پہلا حصہ جدید مکمل، میں یہ مسئلہ نظر پڑا:

مسئلہ: بڑی چھپکلی جس میں بہتا ہوا خون ہوتا ہو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر مر جاد اور پھولے پھٹے نہیں تو تیس ڈول نکالنا چاہئے، اور تیس ڈول نکال دینا بہتر ہے، اور جس میں بہتا ہوا خون نہ ہوتا ہو اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا،

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بڑی چھپکلی سے کیا مراد ہے، آیا گرگٹ یا وہ چھپکلی جو جسامت میں بڑی ہو، اس مسئلہ کو واضح کر کے تحریر فرمائیے گا (مع حوالہ کتب) فقط

الجواب؛ قال فی حیوۃ الحيوان الوزغۃ دویبۃ معروفة وھی سام ابرص جنس فسام ابرص کبارہ واقفوا علی ان الوزغ من الحشرات المؤذیات ام (صفحہ ۳۴۳) اس سے معلوم ہوا کہ وزغہ اور سام ابرص ایک ہی جنس ہے، بڑی قسم کو سام ابرص کہتے ہیں اور چھوٹی کو وزغہ، اور گرگٹ ان دونوں کے علاوہ تیسری قسم ہے، جس کو حربا کہتے ہیں وہ سواکن بیوت سے نہیں بلکہ سواکن اشجار سے ہے، گو بعض نے اس کو بھی وزغہ کی نوع سے کہا ہے، مگر راجح یہ ہے کہ یہ نوع جدا ہے، کما فی حیوۃ الحيوان (ص ۲۱۰ و ۲۱۱ ج ۱) پس سام ابرص سے مراد بڑی چھپکلی ہے جو جسامت میں بڑی ہوتی ہے، گھروں میں دو قسم کی چھپکلی نظر پڑتی ہے ایک مقدار میں بڑی ہوتی ہے اور ایک چھوٹی ہے، بڑی میں تو دم سائل کا تجربہ ہوا ہے، اس لئے وہ تو حکم فارہ میں ہے، اور چھوٹی میں دم سائل نہیں دیکھا گیا۔ اس لئے اس کے مرنے سے کنواں ناپاک نہ ہوگا، اور عبارت مراقی الفلاح میں وزغہ سے مراد وزغہ کبیرہ یعنی سام ابرص ہی ہے، کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں، صرف صغرو کبیر کا فرق ہے قال فی شرح المنیۃ کذا الوزغۃ اذا كانت کبیوۃ ای حیث یکون لہا دم فانہا

تفسد الماء (ص ۱۶۳) کبیرہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی وزغہ صغیرہ میں دم نہیں ہوتا، اور وزغہ کبیرہ و سام ابرص واحد ہیں، عجیب اول کا وزغہ کبیر کا ترجمہ گرگٹ سے کرنا صحیح نہیں، اور عجیب ثانی کا عبارت مراقی الفلاح میں وزغہ کو صغیرہ و کبیرہ دونوں کو عام کرنا صحیح نہیں، والحق التفصیل واللہ اعلم، حکم محرم الحرام ۱۲۶ھ

سوال (۱۱) اگر کسی شخص نے کتے کے گردن میں رسی باندھ کر میں لٹکایا، مگر کتے کا منہ پانی کو کنویں میں لٹکا دیا، اور اس کا منہ پانی سے علیحدہ رہا، اور اس کے نہیں لگا، اور جسم پر نجاست نہ ہو جسم پر بظاہر کسی قسم کی نجاست بھی نہ تھی اور پھر اس نے اسے زندہ نکال لیا تو وہ کنواں پاک ہے یا ناپاک، یزیہ کہ زندہ کتے تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا،

کتے کو رسی سے باندھ کر کنویں میں لٹکایا، مگر کتے کا منہ پانی کو کنویں میں لٹکا دیا، اور اس کا منہ پانی سے علیحدہ رہا، اور اس کے نہیں لگا، اور جسم پر نجاست نہ ہو جسم پر بظاہر کسی قسم کی نجاست بھی نہ تھی اور پھر اس نے اسے زندہ نکال لیا تو وہ کنواں پاک ہے یا ناپاک، یزیہ کہ زندہ کتے تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا،

الجواب؛ کتے کا جسم بجز منہ کے سب پاک ہے، جب تک ناپاکی نظر نہ آوے پس صورت مسئلہ میں کنواں پاک ہے، بشرطیکہ سوال واقع کے مطابق ہو،

اصلہ ان الکلب لیس بنجس العین عندنا خلافا للروافض و انما ینجس فمہ ولعابہ عندنا، ۸ ارجمادی الثانی ۱۲۶ھ

کنویں میں پیشاب پاخانہ گرجانے کا حکم سوال (۱۲) کنویں میں پیشاب پاخانہ وغیرہ گرجا دے تو سائے پانی کے علاوہ اس کی کھل بھی نکالی جائے یا صرف پانی نکالنا کافی ہوگا؟

الجواب؛ پیشاب میں تو صرف کھل پانی کا نکال دینا کافی ہے، کھل وغیرہ نکالنے کی ضرورت نہیں، اور پاخانہ اگر رقیق ہو جس کی نسبت یہ گمان غالب ہو کہ پانی کے اندر منتشر ہو گیا ہوگا تہہ نشین نہ ہوا ہوگا تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو پیشاب کا ہے، اور اگر غلیظ ہو جس کے تہہ نشین ہونے کا گمان غالب ہو تو کھل بھی نکالنا ضروری ہے، یا یہ کہ پانی نکال کر اتنی مدت تک کنویں کو چھوڑ دیا جائے کہ بظن غالب پاخانہ مٹی ہو جائے، ۸ محرم الحرام ۱۲۶ھ

سوال (۱۳) بعض مولویوں سے سنا ہے کہ قلیل چھوٹے برتن میں پانی کے اندر ہاتھ یا انگلی ڈوب جا تو یہ پانی مستعمل کہلائے گا یا نہیں؟ پانی میں اگر بغیر وضو کئے ہاتھ کا کوئی حصہ مثلاً انگلی یا ہتھیلی ڈوب جائے تو وہ پانی پاک تو رہتا ہے، مگر مستعمل ہو جاتا ہے، اور مستعمل پانی سے



ضرورت نہیں، کیا یہ مسئلہ صحیح ہے،

الجواب: برتن کا پانی مستعمل جب ہوتا ہے کہ برتن میں ہاتھ ڈالتے ہوئے وضو یا غسل کا ارادہ ہو مثلاً برتن میں ہاتھ ڈال کر برتن کے اندر ہی پانی ہاتھ کو ملے اور ملنے سے مقصود وضو یا غسل کرنا ہے، اور اگر پانی میں ہاتھ اس واسطے ڈالے کہ پانی ہاتھ میں لے کر برتن سے الگ وضو یا غسل کے لئے دھویا جائے گا تو برتن کا پانی مستعمل نہ ہوگا، بلکہ جو پانی ہاتھ کو ملتے ہوئے گرے گا وہ مستعمل ہوگا، واللہ اعلم، ۲۶، محرم ۱۳۹۹ھ

## فصل فی التیمم

تیمم میں کم از کم کتنا بڑا ڈھیلا ہونا چاہیے؟ سوال (۱) یہ دو مسئلے دریافت کرنے کی ضرورت ہے کہ اور کلوخ تیمم سے استنجا کا حکم (۱) کم سے کم کتنے چھوٹے ڈھیلے پر تیمم ہو سکتا ہے، یا چھوٹی چھوٹی دو ڈلی ہوں ان دونوں کو ایک جگہ کر کے بھی ہو جاتا ہے، بعض دفعہ کوئی آدمی پاس نہیں ہوتا، ایسا اتفاق مجبوری میں ہوا ہے،

دوسرا یہ مسئلہ ہے کہ جس ڈھیلے سے تیمم کیا ہو اس سے استنجا پاک کرنے میں کوئی حرج نہیں اس میں سے توڑ کر ڈھیلا سے استنجا کر لیں؟

الجواب: قال فی الدرہ وقصد معید مطہر واستعمالہ حقیقۃً وحکمًا لیسع التیمم بالعجر الاملس بصفة مخصوصة هذا فیئد ان الضربتین رکن وهو الاصح الاحوط الی ان قال وکنہ الشیئان الضربتان والاستیعاب شرطہ ستہ منها کونہ بثلاث اصابع ام قال الشامی تعنت قوله وهو الاصح الاحوط هذا ما ذهب الیه السید ابوشجاع وصححه الحلوانی وفی النصاب وهذا استحسان وبہ ناخذ وهو الاحوط وقیل لیس بمرکن والیہ ذهب السیجانی وقاضی خا والیہ مال فی البحر والبنازیة والامداد وقال فی الفتح انه الذی یقتضیہ النظر لان المامور به فی الایتامسح لا غیر ویحمل قوله علیہ السلام التیمم ضربتان اما علی ارادة الضربة اعم من کونہا علی الارض او علی العضو مسحا وانه خرج مخرج الغالب ام واقرة فی الحلیة ورجحه فی شرح الوہابیۃ اھ و فیہ ایضا لو کنس دارا وھدم حائطاً فاصاب وجھہ وذراعیہ غبار لم یجزہ

ذلك عن التيمم حتى يسريده عليه واذا لقت الريح الغبار على يديه ووجهه فمسح بنية التيمم اجزأه على الثاني دون الاول رص، ۱۱۷، ۲۳

احوط یہ ہے کہ ڈھیلا اتنا بڑا ہو جس پر دونوں ہاتھ سے ایک دفعہ ضرب کر سکیں، یا کہ کم از کم اتنا بڑا کہ ایک ہاتھ پورا یعنی پھیل کر اس کے آگے اور پیچے بعد دیگرے دونوں ہاتھوں کو اس پر مار سکیں، کیونکہ بعض علماء کے نزدیک ضرب تیمم کا رکن ہے اور استنجا میں تیمم کا ڈھیلا استعمال کرنا جائز تو ہے مگر اچھا نہیں، فقہاء نے ناپاک جگہ وضو کرنے کو خلاف ادب کہا ہے، اور وجہ یہی لکھی ہے کہ وضو کا پانی قابلِ حرمت ہے، پس ایسے ہی تیمم کا ڈھیلا بھی ہے، ۱۱۷، ریح الاول ۱۳۹۹ھ

حکم تیمم برائے محافظ گتہ دریا بان | سوال (۲) .....

.....، ایک شخص بیس یا کہ تیس بھینسوں کے گتہ کے پاس ہے، اور پانی بھی قریب ہے، مگر اندیشہ ہے کہ وہ بھینس کھیت میں نقصان کر دیں گی، کیونکہ کھیت دوسرے کا ہے، اس حالت میں تیمم سے نماز جائز ہے یا کہ نہیں،

.....، ایک شخص اپنے اناج کے پاس ہے، اور وہ جنگل میں اکیلا ہے، اس کو اندیشہ ہے کہ اگر میں یہاں سے وضو کرنے گیا تو اناج چور اٹھالے جائیں گے، اگر پانی بھی آدھ کوں ہوئے تو تیمم جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: قال فی الدر من عجز عن استعمالہ الماء لبعده میلاً او مرض او برد یملک العجب او یمرضه او خوف عدو کھیة او نار علی نفسه ولو من فاسق او حبس غریم او ماله ولو امانته (عد الامانة ماله باعتبار وضع الید علیہا ط) او عطش او عدم اللہ طاهرۃ تیمم لهذا لکنہا ام رص ۱۳۲۳، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے مال کے تلف ہونے کا خوف تو تیمم کو جائز کرتا ہے، اور دوسرے کے مال تلف ہونے کا خوف مبیح تیمم نہیں، پس اس صورت میں شخص مذکور کو تیمم جائز نہیں، بلکہ لازم ہے کہ وضو کرے اور جانور دل کو اپنے ساتھ پانی پر لیجائے، اور وضو کرتے ہوئے ان کو کھیت میں گھسنے سے روکتا رہے، دوسرے جیسا وضو کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ جانور کھیت میں گھس جائیں گے نماز پڑھنے میں بھی تو یہ اندیشہ ہے، تو کیا یہ شخص نماز کو بھی ترک کرنا چاہتا ہے، پس یہ عذر قابلِ قبول نہیں اور اس پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے جانور دل کا پورا انتظام جتنا کر سکتا ہے کرے، اس کے



بعد وضو اور نماز میں مشغول ہو جائے،

(جواب ۱) اس صورت میں تیمم جائز ہے، بخلاف علی مالہ و قدر وہ بالدرہم کما فی الشامیۃ صفحہ ۲۴۲ جلد ۱، ۲۴، شوال ۱۳۴۲ھ

## فصل فی المسح علی الخفین

کرم کے موزہ پر مسح درست ہے | سوال (۱).....

..... اگر کرم کا موزہ ایسا ہو جس پر چمڑا سلا ہوا ہو، مثلاً پنجہ اور برابروں پر اور ایڑی بھی چمڑے کی ہو اور تلہ بھی چمڑے کا ہو اور بعض جگہ کرم ہو اور فیتہ باندھنے کی جگہ پر بھی چمڑا ہو اور کرم ایک قسم کا ٹاٹ سن کا بنا ہوا ایسا گاڑھا ہوتا ہے کہ اس میں کپڑے کی طرح پانی نہیں پھوٹتا اور نہ وہ پانی لگنے سے فوراً نرم پڑ سکتا ہے، ان سب صورتوں میں اُن پر مسح جائز ہے یا نہیں، اور اگر جائز ہے تو اگر سوائے تلہ کے اور چمڑا نہ لگا ہو تب بھی جائز ہے یا نہیں، اور اگر اس میں بھی جائز ہے تو بدون چمڑے کے یعنی محض کرم کا موزہ ہو تب بھی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** کرم کی جو صورت بیان کی گئی ہے اس حالت میں تو اگر چمڑا اس پر لگا

بھی نہ لگایا جائے جب بھی مسح درست ہے، قال فی المنیۃ و شرحہا ویجوز المسح علی الخفین

المتخذۃ من اللبود التركیۃ لا مکان قطع المسافۃ. ما حثی قائلو الشاہد ابو حنیفۃ

صلا بتہا لا فقی بالجواز لشدة دلکھا وقد اخل اجزاء ہا بن لک حق صارت کالجمل الغلیظ

واجمعوا علی جواز المسح علیہا بطریق الدلالة کما تقدم ام وفيہ ایضا وحد الجورین

الخفین ان یستمسک ویثبت علی الساق من غیر ان یشد بشئ اھ، والمراد

استمساکہ بصلابتہ وغلظتہ دون جدتہ و ضیقہ، والحد بعدم جذب الماء

کما فی الادیب علی ما فہم من کلام قاضی خاں اقرب و بما تضمنہ وجہ الدلیل و

ما یسکن فیہ متابعتہ المشی اصوب ام (ص ۱۱۹) قلت و ہذہ الشرائط کلہا موجودۃ فی

القرص فلا شک فی جواز المسح علیہ عندہم، مگر احتیاط یہ ہے کہ تلہ چمڑے کا لگایا جائے

تو پھر بہت اچھا ہو جائے گا، تلے کے سوا اور کسی جگہ چمڑے کے لگائے کی ضرورت نہیں، واللہ اعلم، ج ۲

مسند مسیح علی الخفین | سوال (۲) یہاں ایک شخص ہے اس نے کپڑے کی جراب پر جو معمولی

ٹھانی تین آنہ کی ہوگی چمڑے کا پاستا یہ سی لیا، بلکہ چند ٹانگے لگائے ہیں، پاستا بہ بالکل کپڑے

کاسا ہو، نہ اپنی ایڑی ہے، نہ انگلیوں کی طرف سے کچھ زیادہ ہے، اب وہ خفین کی طرح اس پر مسح کرتے ہیں، کیا یہ مسح جائز ہے، اور منعل جو آتا ہے اس کی یہی صورت ہے، مجھے دراصل منعل کی صورت میں تردد ہے،

**الجواب:** منعل کی صورت تو یہی ہے، کیونکہ صرف اسفل پر چمڑہ ہونے کی تصریح معتبر

میں موجود ہے، مگر جواب کر باس کا منعل ہونا مسح کے لئے کافی نہیں ہے، اس واسطے جواب

مذکور فی السؤال پر مسح بالکل جائز نہیں، جو کہ تفصیل ذیل سے ظاہر ہے، اور تفصیل یہ ہے

کہ جو رب کی چار قسمیں ہیں، اول صفیق منعل، دوم صفیق غیر منعل، سوم رقیق منعل، چہارم

رقیق غیر منعل، قسم اول پر بالاتفاق مسح جائز ہے اور دوم پر جواز مسح میں اختلاف ہے کہ امام

صاحب کے نزدیک جائز نہیں اور صاحبین جائز کہتے ہیں، اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے،

جیسا کہ ہدایہ، شرح وقایہ وغیرہ کتب کثیرہ میں موجود ہے، اور امام صاحب نے مرض وفات

میں وفات سے تین روز یا سات روز قبل جو ربین تخفین پر مسح کیا اور فرمایا فعلت ما کنت

منعت عنہ، اس کلام سے رجوع پر استدلال کیا جاتا ہے، اور ظاہر یہی ہے، گو احتمال یہ بھی

ہے کہ بضرورت مذہب غیر پر عمل کر لیا ہو، مگر فتویٰ کے لئے رجوع کا ثابت کرنا ضروری نہیں

بلکہ اہل ترجیح قوت دلیل وغیرہ کی بناء پر بھی فتویٰ دے سکتے ہیں، اور قسم سوم کا حکم عنقریب

آتا ہے، اور قسم چہارم پر کسی کے نزدیک مسح جائز نہیں، یہ تفصیل بعض کتب فقہ میں تو مصرح

ہے اور بعض سے مفہوم ہوتی ہے، اس کے خلاف نہ کسی کتاب میں تصریح ہے نہ احتمال، چنانچہ

قناوی قاضی خاں میں ہے، وان مسح علی الجورین فهو علی وجہ ان کانا رقیقین غیر

منعلین لا یجوز المسح علیہما فی قولہم وان کانا تخفین منعلین جاز المسح علیہما

فی قولہم وان کانا تخفین غیر منعلین لا یجوز المسح علیہما فی قول ابی حنیفۃ و فی قول

صاحبیہ یجوز وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انه رجم الی قولہما و ہکذا فی العنایۃ شرح

الہدایۃ والبحر الرائق وخلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ و ایضا ہوا المفہوم من مختصر القدوری

والکنز وغیرہا..... من المتن المعتبۃ،

اب قسم سوم یعنی رقیق منعل باقی رہی، اور سوال اسی کے متعلق ہے، سو اس کی تحقیق

یہ ہے کہ قدوری و کنز و ملتقی البحر و تنویر الابصار کی عبارت سے بظاہر جواز مسح معلوم ہوتا

ہے، کیونکہ انھوں نے اپنی عبارت (د ص ۱) علی الجرموق و الجورب المجلد و المنعل و الخفین و نحوہ

عہ اور مجلد کا ذکر مستطرد آجاتا ہے ورنہ وہ فی نفسہ حقیقی خفایہ اس کا کپڑا خواہ دبیر ہو یا نہ ہو اس کو جواز مسح میں



ہذہ العبارة میں منعل اور تخمین کو ایک دوسرے پر عطف کیا ہے، جس کا مقتضایہ ہے کہ منعل پر ہر حال میں مسح جائز ہو خواہ وہ تخمین ہو یا نہ ہو، مگر وقایہ اور نور الایضاح سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے، کیونکہ وقایہ کی عبارت یہ ہے "ادجور بیه التخنین منعلین او مجلین" اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تخمین ہونے کے بعد منعل ہونا شرط ہے اور بدون شخانیہ کے منعل ہونا کافی نہیں، جیسا کہ محشی چلپی نے نہایت بسط کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے، اور اخیر میں لکھا ہے والذی تلخص عندی بعد هذه المباحث ان الجورب والرقین الذی لا یجوز علیہ المسح اجماعاً اذا جلد اسفله فقط اومع موضع اصابع الرجل بحيث یكون محل الفرض الذی هو ظہر القدم خالیاً بالکلیۃ لا یجوز علیہ المسح قطعاً لانه لا ریبۃ ان نشاء الاختلاف بینہ وبين صاحبه اکتفاء ما بدجور النخانة والاستمساک علی الساق وعدم اکتفائه به قائلان بانہ لا یکنی فی جواز المسح ما ذکر بل لا بد معه من امر آخر علیہ وهو المنعل او المجلد لیتمکن به علی المشی حتی یكون الجورب باجماع هذه الامور فیہ فی معنی الخف واذا انتفی شیء منہما خرج عن کوفہ فی معناه لان الحاق الشیء بالشیء انما یتأتی اذا کان فی معناه من کل وجه وله مؤیدات کثیرہ لا یحتمل هذا المختصر ایرادها فاقمل ام

اور تحریر مختار میں ہے فی حاشیۃ عبد الحلیم ما یفید اشتراط النخانة فی المنعلین لانی المجلدین الخ، اور نور الایضاح کی عبارت یہ ہے صح المسح علی الخفین فی الحدث الا صغر للرجال وللنساء لوکانا من تخمین غیر الجلد سواء کان لهما نعل من جلد ولا ام، اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ تخمین ہونا منعل کے لئے بھی شرط ہے، اور تنویر الابصار نے خف پر جواز مسح کے جو شرط ثلاثہ لکھے ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رقیق منعل پر مسح کافی نہیں، کیونکہ شرط ثالث یعنی دکانہ ما یکن متابعۃ المشی فیہ، رای من غیر لبس المداں فوقہ شامی، اور شرط اول یعنی کون سائر القدم مع الکعب اس میں موجود نہیں، یہ گفتگو تو متون متداولہ کے متعلق تھی، جن کا حاصل یہ ہوا کہ اس قسم کا حکم مصرح کسی متن میں نہیں ہے، مگر بعض سے بوجہ اطلاق کے جواز مفہوم ہوتا ہے، اور بعض

عہ و معلوم ان القدم اذا ظهر بقدر ثلث اصابعها جعل کالغالی بالکلیۃ، ۱۲ منہ عہ ای علی البدن المختار ۱۲ منہ

سے بوجہ تقييد کے عدم جواز، اس لئے شروع فتاویٰ کی طرف مراجعت لابدی ہے، سو شہ رج فتاویٰ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ رقیق منعل پر مسح جائز نہیں ہے، کیونکہ خلاصۃ الفتاویٰ میں جواز منعل کی تفسیر میں شخونیہ کی قید لگائی ہے، ولعمہ ہذا وتفسیر الجورب المنعل ان یكون الجورب المنعل الجورب الصبیان الذین یمشون علیہما فی شخونیۃ الجورب وغلط النعل یجوز المسح علیہ ام علاوہ ازیں خلاصہ میں ہی تصریح ہے کہ جورب کر باس اگر منعل ہوں تب بھی ان پر مسح جائز نہیں جس کی وجہ بجز رقیق ہونے کے اور کچھ نہیں کما قال واجمعوا انہ لوکان منعلاً او مبطناً یجوز المسح علیہ ولوکان من الکرباس لا یجوز المسح علیہ ام، اسی واسطے لمخطاوی نے شرح مراقی الفلاح میں لکھا ہے (تحت قوله ذکر باس) وظاہر کلام الحلیم علی الجورب والخلایصۃ انہ لا یصح المسح علیہ الا اذا کان مجلداً فلیراجع ام قلت یسند فح الاشکال بما سنعر علی قول الحلوانی، اور علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: لا شک ان المسح علی الخف علی خلاف القیاس فلا یصح الحاق غیرہ بہ الا اذا کان بطریق الدلالة وهو ان یكون فی معناه ومعناه الساتر لمحل الذی هو بصد متابعۃ المشی فیہ فی السفہ وغیرہ الخ (ص ۱۳۹ ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ رقیق منعل کافی نہیں، کیونکہ وہ سائر محل فرض نہیں و نیز رد المحتار میں شرح منیہ سے نقل کیا ہے ان ما یعمل من بطوخ یجوز المسح علیہ لوکان تخمیناً بحيث یمکن ان یمشی معہ فرسخاً من غیر التجلید والتنعیل وان کان رقیقاً فمع التجلید او التنعیل ولوکان کما یزعم بعض الناس انہ لا یجوز المسح علیہ ما لم یستوعب الجلد جمیع ما یستوی القدم الی الساق لماکان بینہ وبين الکرباس فرق، اس سے صراحت معلوم ہوتا ہے کہ جورب کر باس کے لئے استیعاب جلد یعنی مجلد ہونا ضروری ہے، اور شرح منیہ میں علامہ حلبی نے جورب کی تقسیم اس طرح بیان کی ہے، ذکرہ نجم الدین الزاہدی عن شمس الائمۃ الحلوانی ان الجورب خمسۃ اقسام من المرعزی والفرزل والشعر والجلد الرقیق والکرباس قال وذکر المتفصیل فی الامامۃ ومن التخنین والرقیق والمنعل وغیر المنعل والمبطن وغیرا لمبطن واما الخامس فلا یجوز المسح علیہ کیفما کان ام ونحو فی التستر خاتم

عہ یجب حملہ علی ان رقتہ لیس کر قرة الکرباس ۱۲ منہ

عہ اس معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے کے جورب اگر تخمین ہوں تب بھی ان پر مسح جائز نہیں، لیکن (باقی قلم صغیر)



دھاشیۃ البحر للعلامة الشامی ص ۸۲ ج ۱) ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ منعل کے لغو ٹخنیں ہونا شرط ہے، رقیق منعل پر مسح جائز نہیں، اور ان تصریحات کے علاوہ خود ظاہر الروایہ کے الفاظ اس پر دال ہیں، قال شمس الائمة السرخسی فی مبسوطہ قال رواہ المسیح علی الجورین فان کان ٹخنیں منعین بجز المسح علیہما یہ متن ہے، اور الفاظ میں امام محمد رحمہ اللہ کے جس میں امام صاحب کا قول نقل کر رہے ہیں، اس میں منعین کے ساتھ ٹخنیں کی بھی قید ہے، اور شمس الائمة اس کی شرح میں یوں تحریر فرماتے ہیں، لان مواظبة المشی سفرا ہما ممکن وان کانا رقیقین لا یجوز المسح علیہما لانہما بمنزلة اللفافة وان کانا ٹخنیں غیر منعین لا یجوز المسح علیہما عند ابی حنیفۃ لان مواظبة المشی ہما سفرا غیر ممکن فکانا بمنزلة الجورب الرقیق وعلی قول ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ یجوز المسح علیہما (ص ۱۰۲ ج ۱) اس عبارت میں بعد اشتراک قید منعین کے رقیقین کا مقابلہ ٹخنیں سے ہے، پس معلوم ہوا کہ رقیقین منعین پر بالاتفاق مسح ناجائز ہے، اور مضمرات میں امام صاحب کا مذہب بدین الفاظ نقل کیا ہے واما الامام فقال اولاً انه یشتط فی جواز المسح علی الجورب ٹخنیں ان یکون منعلاً او مجلداً، یعنی جورب مطلق کا منعل ہونا کافی نہیں، بلکہ ٹخنیں کا منعل ہونا کافی ہے (مجموعۃ الفتاویٰ علی الخلاصۃ ص ۳۷ ج ۱) اور امام طحاوی نے فرمایا ہے لا نزی بأساً بالمسح علی الجوربین اذا کانا صفتین قد قال ذلک ابو یوسف ومحمد واما ابو حنیفۃ فان کان لا یری ذلک حتی یکونا صفتین ویکونا مجلدین فیکونا ٹخنیں (ص ۱۰۸ ج ۱)

فرض یہ کہ امام صاحب اور صاحبین میں اختلاف یہ تھا کہ جورب کا ٹخنیں ہونا کافی ہے یا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) علامہ شرنبلانی نے ٹخنیں ہونے کی صورت میں جائز قرار دیا ہے، کما مر آنفاً، اور جواز کا حکم صحیح ہے، پس ملوانی کے قول میں تاویل کی جاوے گی اور تاویل یہ کہ اس زمانہ میں جبکہ کپڑے ایسا نہ ہوتا ہوگا جس پر ٹخنیں کی تعریف (یعنی لایشفان) صادق آسکے، اور آجکل ڈبل زین وغیرہ ایسے کپڑے موجود ہیں، پس یہ اختلاف اصل مسئلہ میں نہیں ہے، بلکہ اصل اختلاف احوال کی وجہ سے ہے واللہ اعلم ۱۲ منہ

سہ ذی اعلیٰ روایت الحسن ہی ان المنعل ما جلد اسفلہ واعلاء بحیث یستر الکعبین فالجلد المنعل مراد فان دامانی ظاہر الروایت فالمنعل ما جلد اسفلہ فقط ۱۲ منہ

نہیں، صاحبین کافی سمجھتے تھے اور امام صاحب اس میں منعل ہونے کی شرط لگاتے تھے، اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، خواہ رجوع امام کی وجہ سے ہو یا اور کسی وجہ سے، مگر اس رجوع یا فتویٰ سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا کہ منعل پر مطلقاً یعنی اس کے رقیق ہونے کی صورت میں بھی مسح جائز ہو جاوے، پس کنز وغیرہ کی عبارت تسامح سے خالی نہیں ہے، بلکہ وقایہ کی عبارت میں بھی ایک دوسری قسم کا تسامح ہے، یعنی اس سے رقیق مجلد پر بھی مسح کا عدم جواز مفہوم ہوتا ہے جو خلاصہ واقع ہے، اور متون میں سب سے واضح عبارت نور الایضاح کی ہے، کما لا یخفی واللہ اعلم وعلماہم داعلم،

تنبیہ، استطراد اخفین کے متعلق ایک ایسا جزئیہ لکھا جاتا ہے جس سے اکثر ناواقف ہیں، وہ یہ کہ جس موزے پر مسح جائز ہے اگر وہ اتنا گھس جاوے کہ بدون جوتہ پہنے ہوئے چلنے سے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو اس پر مسح جائز نہیں رہتا، کما حرره العلامة الشامی تحت قول الدررد، الثالث (کو نہ مایکن المشی) المعتاد (فیہ) فرسخا کثر،

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، ارشوال ۱۵۸

## فصل فی النجاستۃ واحکام التطہیر

سوال (۱) احتلام ہونے پر کیا جسم کے تمام کپڑے وستر تو اس کا بقیہ حصہ پاک ہے، وغیرہ ناپاک تصور ہوں گے؟ گو کسی طرح نجاست کا داغ ان پر نہ آیا ہو یا نہیں، یا صرف جس پر نجاست معلوم ہو وہی ناپاک تصور ہوگا؟

الجواب، احتلام ہونے پر تمام کپڑے ناپاک نہیں ہوتے، بلکہ جس کپڑے پر جتنی دیر تک مٹی کا اثر معلوم ہو وہ کپڑا اسی قدر ناپاک ہوتا ہے، باقی سب پاک ہیں، ۲۶ ریح ۲ منہ

۱۵ مگر ایک کی اس میں بھی ہر وہ یہ کہ امام صاحب کا اختلاف ذکر نہیں کیا، اور وقایہ میں صاحبین کے قول سے تعین نہیں کیا گیا، اور کنز و تنویر وغیرہ میں تو بالکل ہی غلط کر دیا، اور قدوری و ملتقی نے ہر دو مذہب کو جدا گانہ بیان کیا، مگر منعینہ کو مطلق رکھا حالانکہ کافی حاکم یعنی متن مبسوط میں ٹخنیں منعین ہی، کما مر آنفاً، الغرض متون مذکورہ میں کسی کی عبارت تسامح سے خالی نہیں، لہذا جامع مانع عبارت جس اختلاف بین الامام و صاحبیہ و قول مفتی یہ بھی معلوم ہو جائے تجویز کی جاتی ہے، صیح علی الجورب المجلد وٹخنیں المتعل بالاتفاق و عندہما علی ٹخنیں المجرد ایضاً و بقیہ ۱۲ منہ



بھنگی کے چھوئے کا حکم | سوال (۲) ایک شخص نے ایک حلال خور (بھنگی، مہتر) کو چھو لیا جبکہ وہ کام سے فارغ ہو کر جا رہا تھا اور غسل نہیں کیا تھا کیا ایسی حالت میں اس شخص پر غسل واجب ہے؟  
الجواب: حلال خور کو چھوئے سے نہ غسل واجب ہے نہ وضو، ہاں اگر اس کے بدن پر ناپاکی تر لگی ہوئی ہو، اور چھوئے سے وہ ہاتھ کو کپڑے کو لگ جائے، تو اس ناپاکی کو دھونا ضروری ہوگا، اور اگر خشک ناپاکی ہو تو کچھ ضروری نہیں، واللہ اعلم، ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

ناپاک ہمد باندھ کر غسل کرنے سے | سوال (۳) ..... اگر کوئی شخص ہمد باندھ کر (جس کا ہمد

پلید ہو اور یا بدن کسی جگہ سے بخش ہو یا دونوں ناپاک ہوں) نل کے نیچے بیٹھ کر اچھی طرح ہنالیوے تو وہ اور ہمد پاک ہو جائیگا یا نہیں؟ مجھ کو دو اشکال ہیں، پہلا اشکال جائز کا کہ جنگ بد میں جو لوگ رات کو ناپاک ہو گئے تھے وہ صرف میخہ کے ہی پانی سے پاک ہو گئے اور نل کی دھار تو اس سے کہیں زیادہ ہے، دوسرا ناپاکی کا بہشتی زیور میں دیکھ کر کہ کپڑا جو پلید ہو پیری مرتبہ زور سے پھوڑا جاوے، در نہ پاک نہ ہوگا اور پہنے پہنے پھوڑا ناکافی ہو نہیں سکے گا،

الجواب: اگر بدن اور ہمد پر بہت سا پانی بہا دیا جاوے اور پہنے پہنے اس کو پھوڑ دیا جاوے تو وہ پاک ہو جائیگا، بشرطیکہ ظاہر نجاست کا جرم محسوس نہ ہو، قال فی الدراما لغسل فی غدیر اوصت علیہ ماء کثیرا وجری علیہ الماء طهر مطلقا بلا شرط عصر وجفیف وتکرار غس هو المختار ام قال الشامی وقد صرح فی شرح المنیۃ عند قوله روی عن ابی یوسف ان الجنب اذا اتر فی الحمام وصل الماء علی جسده ثم علی الاناء یحکم بطہارۃ الاناء وان لم یعصر فی المنتقی شرط العصر علی قول ابی یوسف بما نصہ تقدّم ان هذا ظاهر الروایۃ علی قول الكل ام وما قال فی الفتح ان المروی عن ابی یوسف فی الاناء لضرورة ستر العورة فلا یلحق به غیرہ ولا تترک الروایات الظاہرۃ فیہ ام فقد رده الشامی باحسن رد وقال رده فی البحر ایضا بما فی السراج واقرة فی النہر وغیرہ (ص ۱۳۲۲) واللہ اعلم،

۱۸ محرم ۱۳۵۸ھ

نشاستہ گندیم میں کتانہ ڈال دینے | سوال (۴) ایک واقعہ پیش آیا ہے اس کے متعلق تکلیف تو اس کی طہارت کا طریقہ، گوارا فرما کر شرعی حکم سے مطلع فرمایا جائے، ہر چند بہشتی زیور

دو دیگر رسائل فقہ میں دیکھا گیا، لیکن مخصوص جزئی نہیں ملی، واقعہ یہ ہے کہ ایک گھرے میں نشاستہ گندم تیار کر کے رکھا تھا، اس کے اوپر پانی بھی تھا، انتظار تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد جب نشاستہ اچھی طرح بیٹھ جائے تو پانی نکھار دیا جائے کہ یکایک کتے نے اس پانی میں منہ ڈال دیا، اس وقت نشاستہ تہہ نشین تھا اور پانی اوپر آ گیا تھا، اب اس نشاستہ کے متعلق کیا حکم ہے، یہ پاک ہو سکتا ہے یا نہیں، اگر ہو سکتا ہے تو کس طرح؟

الجواب: کم از کم تین دفعہ پاک پانی نشاستہ میں ملایا جائے، اور جب وہ تہہ نشین ہو جائے سارا پانی پھینک دیا جائے، سات بار کیا جائے تو اور اچھا ہے، اس طرح نشاستہ پاک ہو جائے گا، قیاسا علی التمن والعسل واللہ اعلم، ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ

نجاست غیر مرئیہ دھونے کا طریقہ | سوال (۵) در غسل جامہ از نجاست غیر مرئی عصر جائے چہ گو نہ باشد آیا در پنجه زور کردن باشد یا بہ پچیدن در ہر دو دست مثل عرف عام،

الجواب: فی مرقی الفلاح ویطهر محل النجاسة من غیر المرئیة بخلها ثلاثا وجوبا والعصر کل مرة ام قال الطحطاوی ویبالغ فی المرة الثالثة حتی یقطع التقاطع والمعتبرة قوة کل عاصر دون غیرہ کما فی الفتح ولولم یصرف قوته لوقرة الثوب قیل لا یطهر وهو اختیار قاضی خان وقیل یطهر للمضرودة وهو الاظهر کما فی البحر والنہر ام (ص ۹۲)

قلت فالمعتبر قوة کل عاصر برعاية المعصور بظاہر ہر دو دست پچیدن لازم است وچنان بیفشرد کہ تقاطع بند گرد و در فشردن صرف قوة عاصر بر عایت حال جامہ ضروری است واللہ اعلم، ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ

طہارت بدن میں انقطاع | سوال (۶) خاکسار کو اس مسئلہ میں شبہ ہے جو کہ بہشتی زیور میں پاکی تقاطع شرط نہیں، ناپاکی کے مسائل میں ہے کہ کپڑے کے علاوہ جو چیز پھوڑنے سے نہ پھوڑ

مثلاً جوتے یا لوٹے کے تو تین دفعہ دھونے سے اس طرح کہ ہر مرتبہ میں تقاطع بند ہو جائے پاک ہوتی ہے، ظاہر بدن بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ وہ پھوڑنے سے نہیں پھوڑتا، اس بناء پر یہ شبہ ہے کہ مثلاً کسی کے ہاتھ ناپاک ہوئے اس نے حمام کی ٹونٹی کھول کر تین دفعہ دھوئے، پے درپے اسی طرح اور کوئی حصہ بدن کا جہاں نجاست غیر مرئی لگ گئی ہو، مثلاً چھوٹا استنجاء کے وقت پے درپے پانی ڈالتا رہا، اور تین مرتبہ پیشاب گاہ کو مل کر کھڑا ہو گیا



توان صورتوں میں تقاطر بندہ ہونے کے سبب ناپاک سمجھا جائے یا پاک، ہم تو سب ہی لوگ اس میں مبتلا ہیں، خصوصاً جب آدمی زیادہ ہوں، غسل خانہ ایک ہی ہو تو ایسے وقت میں بوقت استنجا اگر تقاطر کا ہر دفعہ میں لحاظ رکھا جائے جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں، یعنی بالکل ایک ایک قطرہ بند ہو جا تو بہت دیر لگے گی وجہ سے حرج لازم آئے، اسی طرح اگر ٹوٹی کو تقاطر بند کرنے کے لئے بند کریں تو ناپاک ہو جائے، کیونکہ ابھی تین مرتبہ ہاتھ اس طرح سے نہیں دھوئے گئے کہ ہر دفعہ تقاطر بند ہوا ہو، لہذا آنحضرت جامع شریعت و طریقت مشفق امت سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو ہم پر واضح کر دیں، ہم نے اسی طرح آج تک یعنی بلا تقاطر کے بند ہونے کے نمازیں پڑھی ہیں، ہمارے لئے کیا حکم ہے جو حضور کا جواب آدے گا اگر کوئی بیوقوف باوجود بتا دینے کے پھر نہ مانے، اسی طرح بلا تقاطر کام کرے تو جن لوگوں کو اس کا ہاتھ لگے وہ بخیر ہونگے یا نہ؟

**الجواب:** قلانی مرقی الفلاح والنفخار الجدید یغسل ثلاثا بانقطاع تقاطر فی کل منہما ویغسل القدیم ام قال الطحاوی تحت قوله ویغسل القدیم ای یطہر بالغسل ثلاثا جفت اولاً لان النجاسة علی ظاہرہ فقط فصار کالبدن ام (ص ۱۹) اس سے معلوم ہوا کہ بدن کی طہارت کے لئے نجاست غیر مرئیہ میں بھی القطار و تقاطر شرط نہیں، بلکہ تین بار دھونے کے بعد پاک ہو جائے گا، خواہ تقاطر بند نہ ہو، واللہ اعلم، جب تک کہ طریقہ طہارت پڑا | سوال (۲)، اکثر لوگ کہتے ہیں کہ نجاست کو مل کر اتارے، جب نجاست چھوٹے کا یقین ہو جاوے تب تین دفعہ پھر پاک کرے، بعض کہتے ہیں فقط ایک دفعہ بعد نجاست چھوٹ جانے کے پھوڑنا کافی ہے، پاک ہو جاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ جب نجاست چھوٹ جانے کا یقین ہوا پاک ہوا، نہ پھوڑنا ہی ضروری ہے، چاہے ملنے سے اتر جاوے، نہ ایک دفعہ اور تین دفعہ دفعہ کی خصوصیت ہے، اب عقل حیران ہے، خیال فرمادیں، کہ رات دن ہم نے کپڑے دھونے میں گزارا تھا، جب کپڑا پاک ہو جانے کا یقین ہو جایا کرتا تھا، مگر اب تسلی نہیں ہوتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک روز حضرت مولانا مولوی فاضل حکیم پیرور مہناش محمد صدیق صاحب کاندھلوی فرمانے لگے خادموں کو کہ بھائی کپڑے دھو دو، حسب فرمان ایک شخص نے کپڑے دھو کر لادئے، آپ نے فرمایا کہ خوب پھوڑو، لہذا مناسب طریقہ سے پھوڑ دینے، اور آپ نے خود دست مبارک سے دوبارہ پھوڑے اور فرمایا کہ جب تک بڑے زور سے نہ پھوڑا جاوے اور کپڑے میں سے پانی کا ایک ایک قطرہ ٹپکنا بند نہ ہو جاوے جب تک کہ کپڑا پاک نہیں

حالانکہ حضور نے اپنی کپڑوں سے عشاء کی نماز پڑھائی، اب صورت یہ ہے کہ اگر کمزور کپڑا ہوتا ہے تو بالکل پھٹ جاتا ہے، بڑے زور سے پھوڑنے میں، اور نماز کے لئے دھوتے میں نماز ہی کے وہ قابل نہیں رہتا، وجہ پھٹنے کے، دوسرے جو کپڑا موٹا اور مضبوط ہوتا ہے اس کا کسی حالت میں پانی ٹپکنا بند نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا پھوڑنا طاقت سے باہر ہوتا ہے، اور پھوڑتے ہوئے ہاتھ دکھ جلتے ہیں، اور جب دراز در لگاتا ہوں تو پانی ضرور ٹپکتا ہے، تمام کپڑا پھوڑنا نہیں، زور کے ساتھ لاچار ہو کر چھوڑ دیتا ہوں، اور بعض چیز زیادہ چھوٹی ہوتی ہے مثلاً ٹوٹی یا سخت ہوتی ہے جیسا کہ ڈوری وہ نہ ہاتھ میں آتی ہے اور نہ چٹکی سے پھڑکتی ہے، ان سب کا طریقہ پاک کی کا لٹ بیان فرمادیں،

**الجواب:** زور سے پھوڑنا فقط تیسری مرتبہ میں ضروری ہے، اور جس کپڑے کے پھوڑنے میں زیادہ طاقت کی حاجت ہو اس کو اپنی طاقت کے مطابق پھوڑ دینا کافی ہے اگرچہ کسی دوسرے کے پھوڑنے سے پانی ٹپکتا ہے تب بھی پاک ہو گیا، اور اگر کمزور کپڑے کو زیادہ زور سے نہ پھوڑا ہو تب بھی پاک ہو جائے گا، جیسا کہ طحاوی علی مرقی الفلاح ص ۹۲ میں ہے (والعصر کل موت) ویبالم فی الثالثة حتی ینقطع التقاطر والمعتبر قوۃ کل عاصر دون غیرہ کما فی الفتح فلو كانت بحیث لو عصر غیرہ قطری طہر بالنسبة الیہ دون ذلك الغیر کما فی الدرر ولولم یصرف قوۃ لرقۃ الثوب قیل لا یطہر و هو اختیار قاضی خلیل قیل یطہر للصیرورۃ کما فی البحر والنہر اھ، کتبہ عبد الکریم عفی عنہ، ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ

**الجواب صحیح،** ظفر احمد عفا اللہ عنہ،

سوال (۸) مٹی کا برتن جس میں پانی بھرا ہو اور اوپر چاروں طرف ناپاک زمین پر رکھا ہو تو وہ برتن اور اس کا پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟

**الجواب:** برتن کے اندر جو پانی ہے وہ تو بہر حال پاک ہے، اور خود برتن کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ ناپاک خشک زمین پر رکھا گیا ہے تو اس کی تلی میں زمین کی مٹی لگ گئی تو تلی ناپاک ہو گئی، اس کو دھونا چاہئے، اور اگر کچھ نہیں لگا تو پاک ہے، اور تر زمین ناپاک پر رکھا گیا ہے تو تلی ناپاک ہو گئی، اس کو دھولینا چاہئے، واللہ اعلم، احقر عبد الکریم عفی عنہ

**الجواب صحیح،** ظفر احمد عفی عنہ، ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ



گھوڑے کا پسینہ پاک ہے سوال (۹) سنا ہے کہ گھوڑے کا پسینہ پاک ہے، جبکہ گھوڑا اپنے پیشاب اور لید میں ہمیشہ رات کو ٹوٹتا ہے، اور اکثر دفعہ گھوڑوں کے بدن پر رنگ لید کا بھی لگ جاتا ہے، تو فرمائیے گھوڑے کا پسینہ اس حالت میں کیسا ہے، پاک ہے یا ناپاک؟ دوسرے کوئی گھوڑے کو پاک کرنے کی غرض سے نہیں نہلاتا فقط وقت سفر کھریرا جس کو کھرا بھی کہتے ہیں، اس سے گھوڑے کے بدن کی میل مٹی اتاری اور اسباب کھینچا اور حل دیر اب راستہ میں چوبارش آئی اور تمام گھوڑے کا بدن اور اسباب بھیگا اور چھینٹ گھوڑے کے بدن سے ترخ کر زید پر آئی وہ پاک ہے یا ناپاک؟ آجکل برسات میں بڑی تکلیف رہتی ہے، جواب مفصل فرمادیں،

(۲) کسی قسم کی چھینٹ گھوڑے کے کان میں اگر پڑ جائے ناپاک وہ کس طرح پاک ہوگی جبکہ گھوڑا ذرا چھینٹ پڑنے پر گردن ہلا کر اس کو نکالنے کی کوشش کرتا ہے، اور کیونکہ قصداً کان میں پانی ڈالنے سے مرنے کا اندیشہ ہے گھوڑے کے، اسی غرض سے پانی ڈالنا ممکن نہیں کافی طریقہ سے کہ گھوڑا برداشت کرے،

الجواب: کبیری شرح منیہ ص ۱۸۷ میں ہے وقد سئل ابو نصر الدبباس عن يغسل الدابة فيصيبه من ذلك الماء الذي يسيل منها شيء او يصيبه من عرفها شيء قال لا يضرك قيل له وان كانت اى ولو كانت قد تدرخت في بولها وروثها قال اذا جف وتناثر وذهب عينه لا يضرك ايضا وهذا يناسب ما اختاره الفقيه ابو الليث ام، اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑا وغیرہ جانور کا بدن اگر نجس ہو جاوے تو خشک ہو کر کھریا یا بدون کھریا ہی وہ لید وغیرہ اتر جانے پر پاک ہو جاتا ہے، پس اس کے بعد اس کو پسینہ آوے یا بارش وغیرہ میں بھیگ جاوے تو سوار کے کپڑے وغیرہ ناپاک نہ ہوں گے، اسی طرح کان میں جو نجاست لگ جاوے اس کو دھونے کی ضرورت نہیں، بلکہ خشک ہو کر اتر جاوے گی تو پاک ہو جاوے گا، فقط عبد الکریم گتھلوی، الجواب صحیح، ظفر احمد عفی عنہ ۱۹ اردوی الحجۃ ۱۴۳۲ھ

چمگاڈ کی بیٹ پاک ہے یا نجس سوال (۱۰) چمگاڈ کی بیٹ جس کو اس کے منہ کا اگال بھی کہا جاتا ہے پاک ہے یا ناپاک، بعض مساجد میں بکثرت ہوتی ہیں، اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فی الدرر فی رقیق من مخلقة كعذرة ویدل غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم، الا بول الخفاش خرعۃ فظاہر وقال الشافعی، ص ۳۲۸ ج ۱ و فی البدائع وغیرہ بول الخفاش دخوہا لیس بنجس لتعد رصیانتہ الثوب الاوانی عنہا الخ، پس بیٹ چمگاڈ کی پاک ہے اور نماز اس پر جائز ہے، واللہ اعلم،

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ ج ۶ ص ۲ مسئلہ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ہندو کی بنائی ہوئی صفوں کا دھونا سوال (۱۱) تکہ کی نئی صفوں کو دھو کر نماز پڑھنا چاہیے، یا ضروری ہے یا بغیر دھوئے اس پر بغیر دھوئے، کیونکہ یہ صفیں اکثر ہندو کھارے یہاں پر بناتے ہیں اور پانی ناپاک لگاتے ہیں جس برتن میں کہ یہ لوگ نماز پڑھی جاسکتی ہے

تکہ بھگوتے ہیں اس میں اکثر کتے پانی پی لیتے ہیں، غرضیکہ احتیاط نہیں کر سکتے،

الجواب: اگر ناپاک ہونا یقین سے معلوم ہو جاوے تب تو دھونا ضروری ہے اور اگر شبہ متدرسیا ط دھولینا بہتر ہے، کما فی الدر المختار (رفع) مایخرج من دار الحرب کسنباط ان علم دبعہ بطاھر فطاھر او بنجس فنجس وان شک فغسله فضل و فی الشافی ونقل فی القنیۃ ان الجلود التي تدبغ فی بلد نا ولا یغسل مذبحها ولا تنوی الجاسانی دبعنا ویلقونها علی الارض النجسة لا یغسلونها بعد تمام الدبغ فی طاھر ویجوز اتخاذ الخفاف والمکا وغلاذ کتب والمشط والقرب والدلاء وطبا ویا بسا اھ اقول ولا یخفی ان هذا عند الشک وعدم العلم بنجاستھا ر ص ۲۱۲ ج ۱ اور قنیۃ کی عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کسی جگہ عام دستور ہونے سے یقین نجاست کا نہیں ہوتا، بلکہ یقین کی صورت یہ ہے کہ کسی خاص چٹائی میں ناپاک پانی لگنا معلوم ہو جائے واللہ اعلم، احقر عبد الکریم، ۲۱ ربیع ۲ ۱۴۲۵ھ بیل وغیرہ غلہ گاہنے میں پیشاب سوال (۱۲) سوال یہ ہے کہ غلہ گاہنے میں بیل پیشاب وغیرہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے وہیں کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اور کہاں مذکور ہے؟

الجواب: قال فی رد المحتار فی بیان المطہرات وقسمۃ مثلی الخ ص ۳۳ ج ۱ اس سے معلوم ہوا کہ تقسیم بھی بعض صورتوں میں مطہر ہے اور وہ یہی صورت ہے کہ بیل غلہ گاہنے میں پیشاب کر دیتے ہیں تو بعد تقسیم کے سارا غلہ پاک ہو جاتا ہے، کیونکہ شبہ ہو گیا کہ پیشاب اس میں ہے یا اس میں ہے، یقین نہ رہا کہ اسی میں ہے، اس لئے اب اس کا کھانا جائز ہے، اور تقسیم کی صورت یہ ہے کہ یا تو غلہ میں چند شرکاء ہوں جو باہم اپنے حصص تقسیم کر لیں،



یا کوئی شریک نہیں مگر غلہ میں سے کچھ فروخت کیا گیا یا کسی کو ہبہ کیا گیا یا کمینوں کو دیا گیا تو اس سے بھی یہ بات یقینی نہ رہی کہ پیشاب کس حصہ میں ہے، زوال یقین نجاست کی وجہ سے طہارت کا حکم دیا گیا واما عند محمد فبول یا تو کل لحم طاهر فلا حاجة الى القسمة واللہ اعلم، ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ

دودھ نکلنے وقت میں میٹگنی | سوال (۱۳) مسئلہ ذیل میں حکم شرعی تحریر فرمایا جاوے، کہ اگر دودھ کے برابر چوڑا بھینس کے بدن سے بکری کی تین میٹگنی کی مقدار میں دودھ میں گرجائے تو دودھ نجس ہو جائے گا یا نہیں ؟ ۱۱۱

چوڑا جو مٹی اور بھینس کے پیشاب سے مرکب ہوتا ہے دودھ میں گر پڑے اور فوراً نہ نکالا جائے بلکہ پندرہ بیس منٹ اس میں پڑا رہے، یہاں تک کہ اس چوڑے کا کچھ حصہ دودھ میں تحلیل ہو جائے اور بقیہ کو نکال کر پھینک دیا جاوے تو یہ دودھ نجس ہو یا نہیں، اور اگر موات انسانوں کے علاوہ جانوروں کو بھی پلا سکتے ہیں یا نہیں ؟ فقط

الجواب؛ اگر اس امر کا یقین ہے کہ یہ چوڑا پیشاب مرکب، تو دودھ نجس ہو گیا، مگر جانوروں کو پلانا جائز ہے للاختلاف فی نجاستہ، اور اگر یقین نہیں محض دہم اور گمان ہے، اور گمان غالب نہیں تو دودھ پاک ہے، انسان بھی اس کو کھا سکتا ہے، ولا یقاس علی ما لو وقعت بھرتا ابل او غنم فی محلب فانہ انما یغنی اذا رمیتا فوراً قبل تفتت وتلون وعلۃ العفوۃ من عادتهما ان تبعد ذلک الوقت والاحتراز عنہ عسیر ولا کذلک غیرہ کذا فی الشامیۃ ص ۲۲۸ ج ۱، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۰ محرم ۱۳۸۹ھ

بخیر ڈھیلوں کے سرف پانی | سوال (۱۴) بلا کلوخ محض استنجے سے کامل طہارت ہوتی ہے یا سے استنجا کرنے کا حکم نہیں؟ بینوا تو جبروا،

الجواب؛ ہو جاتی ہے، بشرطیکہ قطرہ آنے کا مرض نہ ہو اور اگر یہ مرض ہو تو کلوخ لینا چاہئے یا کوئی اور تدبیر مثل سحر تک وغیرہ کے ایسی کرنی چاہئے جس سے قطرہ آنیکا احتمال نہ رہے، واللہ اعلم، ۲۵ شعبان ۱۳۸۹ھ